

2010

انسپکٹر جمشید پارٹی، انسپکٹر کامران مرزا پارٹی، شوکی برادرز،
عمران اور کرنل فریدی ٹیم کا مشترکہ خاص نمبر

بھوما کے شیطان



Scanned and uploaded By
نادل نیشن

768

اشتیاق احمد



Atlantis
Publications

تقریب بھلی، تربیت بھلی

اطلا نشنس پبلیکیشنز صحت مند، اصلی اور پچپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہے۔
 عمر نے لاگوں میں مطالعہ اور کتب بیٹھنے کے فروغ کیلئے کوشش ہے۔

ناول بیٹھا کے شیطان (خاص نمبر)

نمبر انسپکٹر جی سید سیرین نمبر 768

پبلیشر فاروق احمد

صفحات 360

قیمت 8400

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اطلا نشنس پبلیکیشنز کی پبلیکیشنز کی اجازت کے بغیر اس کتاب کے کسی حصے کی تقلیل، کسی قسم کی ذخیرہ، کاری جہاں سے اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہو یا کسی بھی طحل میں اور کسی بھی ذریعے سے تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو بغیر ناشر کی پبلیکیشنز کی اجازت کے طور تجارت یا بصورت دیگر مستعار دربارہ فروخت نہیں کیا جائے گا۔

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطہ کیلئے مندرجہ ذیل ہے پر الٹ کریں۔

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت مبارات کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکوں کا کوئی کام تو نہیں کرتے۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں سکتا۔

☆ آپ کے ذمے گروہوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے مبارات

اور درے کاموں سے فارغ ہوئیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

وہی طور پر کام شروع کرنے کا مطلب بھی آپ کو بتانا چلوں۔ یہ کام کا نہاد اور قلم کے ذریعے نہیں ہوتا... جب کوئی خیال آتا ہے تو اسے ذہنیں محفوظ کر لیتا ہوں اور پھر دماغ میں اس پر خود بخود کام ہونے لگتا ہے... یہ ہے اس بات کا مطلب... آپ کو مطلب کس کس بات کا بتاؤں... بہتر ہے آپ مطلب نہ ہی پوچھیں... بس آم کھائیں... پڑی گئی کریا کریں گے... یہ اور بات ہے کہ آم کھانا بھی آپ کو آسان کام محسوس نہ ہو... آخر آموں کا تعلق بھی تو بٹوما سے ہو گا اور بٹوما کا تعلق پھر اس کے شیطانوں... یوں یہ معاملہ آپ کے لیے بڑھی کھیر ہو گا... ان سب باتوں سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ بس بسم اللہ پڑھ کر ناول شروع کر دیں اور اس میں ذوب جائیں... جی ہاں اناول آپ کو اپنے ساتھ بھالے جائے گا... اور پھر اس ناول کے سمندر میں آپ ذوب جائیں گے اور ایسے ذوبیں گے کہ ابھر نہیں سکتیں گے۔ ابھریں گے اس وقت جب ناول ختم ہو رہا ہو گا... اور اس وقت ایک اور حیرت آپ کے استقبال کے لیے تیار ہو گی... اس حیرت تک اجازت۔

ستاری

Scanned and Uploaded By Nadeem

دوباتیں

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہ بٹوما کے شیطانوں سے ملیے... ان سے ملاقات آپ کو پسند آئی ہے یا نہیں... کچھ کھانہیں جاسکا، اس لیے کہ شیطانوں سے ملاقات کوئی خوش گوار بات تو ہوتی نہیں... اب یہ اور بات ہے کہ یہاں قدم قدم پر شیطان موجود ہیں... انسان ان سے خود کو بچائے تو کیسے... پھر یہ شیطان تو ہیں بھی بٹوما کے... اب آپ کے ذہن میں سوال ابھر رہا ہو گا... یہ بٹوما کیا بلانے ہے۔

لیجیے... اب میں آپ کو پلاٹ سے متعلق ہر بات تو بتانے سے رہا... اس طرح اس قسم کے ناولوں کا کیا خاک مزہ رہے گا... مزہ تو خاک میں مل کر رہ جائے گا اور یہ دانہ بھی نہیں کہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہو جائے۔

میں بھی کہاں کی لے بیٹھا... سیدھی سادی بات تو بس یہ تھی... کہ ناول کا نام بٹوما کے شیطان ہے... گویا آپ کی ملاقات شیطانوں سے ہو رہی ہے... اور وہ بھی بٹوما کے شیطانوں سے۔

کچھ عرصہ پہلے تک اس ناول کے پلاٹ کے بارے میں کوئی بات میرے ذہن میں قطعاً نہیں تھی... اچانک میں نے اخبار میں ایک مضمون پڑھا... مضمون تین اقسام میں تھا... اس مضمون کو پڑھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی... اس وقت میں نے سوچا یہ تو ایک ناول کا بہت زبردست پلاٹ ہو سکتا ہے... بس میں نے اس پر وہی طور پر کام شروع کر دیا۔

اٹھ ماہ کا خاص نمبر

بٹوں کے شیطان

آئندہ ماہ کا ناول

خوف کی قید

گذشتہ اشاعت کا ناول

بلیک ہارت

الٹلانڈس پبلیکیشنز

A-36، 16-B سارٹ، کراچی
ایران اسٹریوز کپاؤنر، کراچی

خوف

اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی فرزانہ بھن میں ہتلہ ہو گئی...
 پھر جب اس نے اسے نظر بھر کر دیکھا تو اس کے رو نگئے کھڑے ہو گئے... ایسے
 میں انوار پر وہی اس سے بولے:
 ”اندھر چلی جاؤ گئی... شماں کہ اپنے کمرے میں ہے۔“
 ”اچھا انگل... شکر یہاں“ اس نے مشکل سے کہا۔

پھر تیری نظر اجنبی پر ڈالی تو دماغ میں دھاکے سے ہوتے
 محسوس کیے... گھبراہٹ کے عالم میں اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا
 دیے... جوں جوں وہ اجنبی سے دور ہوتی چلی گئی... اس کی گھبراہٹ غائب
 ہوتی گئی، یہاں تک کہ شماں کے کمرے کے دروازے پر پہنچنے تک وہ بالکل
 پر سکون ہو چکی تھی... البتہ پہلی نظر پڑتے ہی اس نے جو بھن محسوس کی تھی... وہ
 بدستور اس کے دماغ میں موجود تھی۔

آخر اس نے دروازے پر مستک دی... اندر سے فوراً آواز

آلی:

”چلی آؤ فرزانہ... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔“
 اس نے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہو گئی... شماں کے مسہری کے

ایک طرف گاؤں کی سے بیک لگائے کوئی رسالہ پڑھنے میں مصروف تھی:

”السلام علیکم شما ملک۔“

”وعلیکم السلام... آؤ بیٹھو... بہت دنوں بعد آئی ہو... ایسی بھی کیا
بے مردی۔“

”نہیں تو... مجھے تو دور دور تک نظر نہیں آرہی۔“ فرزانہ نے فوراً
کہا۔

”کیا چیز؟“ شما ملک نے چونک کر پوچھا۔

”بے مردی... اور کیا؟“

”شما ملک نہیں پڑی...“

”ویکھوں... تم نے فون کیا... میں فوراً آگئی... اس میں بے مردی
کہاں سے کوڈ پڑی بھلا۔“

”اچھا چھوڑو... مان لیا کہ تم بے مردی سے پاک ہو۔“

”و شکریہ! اب کہو... آج اچانک کیسے یاد کر لیا۔“

”تم ابھی ابھی لان سے گزر کر اندر آ رہی ہوئی۔“

”ہاں! بالکل۔“

”میں نے ایو سے کہ دیا تھا کہ فرزانہ آنے والی ہے... اسے میرے
پاس بھیج دیجیے گا۔“

”ہاں! انہوں نے ہی مجھے ادھر بھیجا ہے... کوئی ملازم مجھے یہاں
نک نہیں چھوڑ گیا۔“

”تم نے اس مہمان کو دیکھا... جو اس وقت ابو کے ساتھ بیٹھا ہے۔“

فرزانہ نے چونک کراس کی طرف دیکھا:

”آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہے۔“

”میں نوادرات کا سو داگر ہوں... جس شہر میں نوادرات لے کر جاتا
ہوں، وہاں ایسے لوگوں سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو نوادرات جمع

”کیوں! کیا بات ہے۔“

”یہ صاحب تین دن پہلے یہاں آئے تھے... جب آئے تھے تو ابو
کے لیے بالکل اجنبی تھے، لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے ابو کوان سے زیادہ کسی کی پروا
نہ ہو... گھر اور گھر والوں کی طرف ان کی بالکل کوئی توجہ نہیں رہی۔“

”تین دن پہلے جب یہ آئے تھے... اس وقت کی بات بتاؤ... تم
نے کہا ہے... وہ ایک اجنبی کی حیثیت سے آئے تھے، تب پھر کیا ہوا... تفصیل
سے بتاؤ۔“

”انہوں نے دستک دی تو بابا شریف نے دروازہ کھولا... انہوں
نے بتایا... ان کا نام سر بال ہے... پنگان سے آیا ہے... اور انوار بروہی سے
ملنا ہے... اس وقت میں ابو کے پاس ہی بیٹھی تھی... یہ بات سن کر ابو خود
دروازے پر گئے...“ اور ملاقاتی سے بولے:

”فرمایے آپ کو مجھ سے کیا کام ہے۔“ میں نے سنا... اجنبی نے
جواب دیا۔

”میرے پاس پنگان کی کچھ قسمی اور نادر چیزیں ہیں... میرے سنا
ہے... آپ نوادرات کے بہت شوقین ہیں... یہ سن کر ابو چونک اٹھے... انہیں
واقعی نوادرات جمع کرنے کا بے حد شوق ہے... لیکن ایک اجنبی کے منہ سے
اپنے بارے میں یہ بات سن کر انہیں بہت حیرت ہوئی تھی... چنانچہ انہوں نے
پوچھا تھا:

جاتی ہو... ہم لوگ تو دن رات خطرات سے کھلئے والے لوگ ہیں... کسی کو دیکھ کر یہ حالت ہماری مشکل ہی ہوتی ہے... اور ہوتی ہے تو پھر اس شخص میں ضرور کوئی بات ہوگی... لہذا میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں... تمہارا گھرانہ ضرور کسی چکر میں آچکا ہے یا آئے والا ہے... میں ذرا معمود اور فاروق کو فون کرلوں... انہیں بھی یہاں بلا نا ہوگا۔“

”اچھی بات ہے۔“

اب فرزانہ نے محمود کے نمبر ملاعے... اس کی آواز سن کر وہ فوراً

بولی:

”تمہاری یہاں ضرورت ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“

فرزانہ نے فون بند کر دیا تو شماں کے چیراں ہو کر اس کی طرف دیکھا:
”یہ کیا فرزانہ! تم نے انہیں یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تم کہاں ہو... کس کے ہاں ہو۔“

”جب میں تمہاری طرف روانہ ہو رہی تھی... میں نے انہیں بتا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کی بھی یہاں ضرورت بیش آنے کے زبردست امکان ہے...“

”اوہ... اور تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا تھا؟“ شماں کے اور زیادہ چیراں ہو کر بولی۔

”تمہاری آواز سے، آواز کہ رہی تھی کہ تم بہت زیادہ پریشان ہو... مجھے ایسے ہی نہیں بلارہیں۔“

”ہوں! تم لوگ واقعی حرمت انگیز ہو۔“

کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں، چنانچہ میں سیدھا اس شہر کے عجائب گھر جاتا ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کا آنا جانا عجائب گھر میں ضرور رہتا ہے... اور وہ ایسے لوگوں سے واقف بھی ہوتے ہیں... بس میں نے عجائب گھر والوں سے کچھ نام اور پتے حاصل کیے... ان میں ایک نام آپ کا بھی تھا... اب بیباک اتفاق ہی ہے کہ سب سے پہلے میں آپ کے ہاں ہی آیا ہوں۔“

”مطلوب یہ کہ آپ میرے نوادرات دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔“

”ہاں! لیکن ساتھ میں میں اپنے نوادرات آپ کو دکھانے کے لیے بھی آیا ہوں... یہ ضروری نہیں کہ آپ ان میں سے کچھ خریدیں بھی۔“

یہ باشکن ان میں ہوئیں... پھر ابو انہیں اندر لے آئے... بس اب تین دن گزر گئے ہیں... مہمان نے اس دن سے جانے کا نام تک نہیں لیا... اور ابو بھی ہر وقت اس کے پاس بیٹھے رہتے ہیں... اس سے باقی کرتے رہتے ہیں... بلکہ...“

”بلکہ کیا؟“ فرزانہ بولی۔

”تین دن سے ابو دفتر بھی نہیں گئے، کہتے ہیں، دفتر جانے کو بھی نہیں چاہ رہا... تم جانتی ہی ہو... ابو کتنے بڑے آفسر ہیں... پہلے کبھی دفتر سے چھٹی نہیں کی... بس اتوار کی چھٹی کرتے ہیں... وہ بھی اس لیے کہ دفتر پند ہوتا ہے... لیکن یہ اتوار کو بھی گھر میں دفتر کا کام کرتے رہتے ہیں... اور اب تین دن سے یہ حال ہے کہ جیسے انہیں دفتر کے کام سے دلچسپی ہی نہ ہو۔“

”ہوں... حالات عجیب و غریب ہیں... میرے لیے سب سے زیادہ حرمت کی بات یہ ہے کہ اس شخص پر نظر پڑتے ہی مجھے خوف محسوس ہوا تھا... جب میں نے دوسری نظر اس پر ڈالی تو میرے رو گئے کھڑے ہو گئے... اور تم

”اب تم اپنے ابو کو بھی بتا دو کہ محمود اور فاروق بھی آرہے ہیں...
لہذا انہیں بھی ادھر ہی بھیج دیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

شاما لہ نے کہا اور اپنے ابو کے نمبر ملائے... پھر ان کی آواز ان
کریوںی:

”ابو فرزانہ کے بھائی محمود اور فاروق بھی آرہے ہیں... انہیں بھی
ادھر ہی بھیج دیجیے گا۔“

”اچھا بھی۔“ انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جلد ہی محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے... ان کے چاروں پر
خوف ہی خوف تھا:

”کیا بات ہے... بہت خوف زدہ نظر آرہے ہو۔“ فرزانہ بولی۔

”تو کیا تم یہاں تک خوف زدہ ہوئے بغیر پہنچی تھیں۔“ فاروق نے
اسے گھورا۔

”من... نہیں۔“ فرزانہ ہکلا کی۔

”نہیں کے دو گلوے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ فاروق نے منہ
بنایا۔

”سیدھی سی بات ہے... تم نے بھی اس مہمان کو دیکھ کر خوف محسوس
کیا تھا... اسی لیے نہیں بلایا ہے تا۔“

”ہاں! یہی بات ہے... ویسے تم نے کیا محسوس کیا ہے؟“

”پراسرار سا آدمی ہے... دیکھ کر نہ جانے کیوں خوف محسوس ہوتا
ہے... ویسے کیا خیال ہے... ہم اس سے ملاقات کیوں نہ کریں۔“

”ملاقات؟“ شاما لہ چونگی۔

”ہاں! ملاقات۔“

”بھلا اب تا جان اس کی اجازت کیسے دیں گے۔“

”ہم حادثاتی طور پر ملاقات کر سکتے ہیں... بس تم دیکھتی جاؤ اور
ہمارے ساتھ چلو... اس انداز میں... جیسے تم ہمیں اپنے ساتھ لان میں لائی
ہو... ٹھہنٹ کے لیے...“

”ابو کا کیا کریں گے... اگر انہیں یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔“

”ہمارے خیال سے آپ کے ابو اس وقت اس شخص کے جاں میں
ہیں... انہیں اس جاں سے نکالنے کا مسئلہ ہے... اس سلسلے میں انہیں ہماری
حرکات ناگوار تو گزریں گی... اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں... لیکن تم بے فکر
رہو... وہ تم پر نہیں بگڑیں گے... ذمے داری ہماری ہوگی...“

”آخر کیسے؟“ شاما لہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”بس تم دیکھتی جاؤ... تم نے ہمیں بلایا ہے تا... تو پھر ہم پر چھوڑ

”اچھی بات ہے... میں تو بس ابو کے لیے پریشان ہوں...“

”اور ہم انہیں اس پریشانی سے نکالنے کے لیے ہی کام شروع کر
رہے ہیں۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

”آئیں... پھر چلتے ہیں... اللہ مالک ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

اب چاروں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے، لان کافی

بڑا تھا... اور کوٹھی کے چاروں طرف تھا... لہذا جس سمت میں وہ دونوں بیٹھے

تھے، اس کے مقابل سمت سے انہوں نے لان میں چھل قدمی شروع کر دی:

”محمود، فاروق تمہم سے پندرہ میں قدم آگے چلو گے۔“
”اچھا۔“ دونوں نے ایک ساتھ کہا پھر تیز قدم اٹھاتے ان سے آگے ہو گئے۔ اس طرح چکر کاٹتے وہ انوار بروہی اور سر بال کے قریب بیٹھ گئے، وہ اپنی باتوں میں محو تھے۔ جب محمود اور فاروق ان کے نزدیک سے گزرنے لگے... تو دونوں نے ایک ساتھ کہا:

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

عین اس لمحے فرزانہ چلائی:

”محمود، فاروق بچو... تمہارے سر پر سیاہ چیز۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے بلا کی رفتار سے دوڑ گادی... اور پوری رفتار سے ان دونوں سے جا گرائی... دونوں بڑی طرح اچھے اور سر بال پر گرے، وہ کرسی سمیت الٹ گیا:

”ارے ارے... یہ کیا؟“ انوار بروہی بوكھلا کر اٹھ کرے ہوئے۔

”ہم... ہم... ہمیں افسوس ہے...“ محمود اور فاروق نے گڑ بڑا کر کہا... دونوں اٹھنے کی بے ذہب کوشش میں ایک بار پھر اجنبی پر گر پڑے:

”اوہو... کیا ہو گیا ہے... ٹھیں... بے چارے مہمان کو بھی گرا دیا... اٹھو۔“ فرزانہ نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور انہیں اٹھانے لگی... ادھر انوار بروہی اپنے مہمان کو اٹھنے میں مدد دے رہے تھے... اس وقت اس کے منہ سے سرسرائی آواز میں لکلا:

”یہ... یہ کیا تھا... یہ کون بد تیز لوگ ہیں۔“ ”یہ... یہ واقعی بد تیز۔“

ہیں۔“ انوار بروہی نے بھٹکا کر کہا اور ان کے رنگ اڑ گئے... انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ شاکر کے والدان کے ہارے میں ایسا کہہ دیں گے... وہ انہیں اچھی طرح جانتے تھے... وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انپکٹر جمشید ملک میں کس حیثیت کے آدمی ہیں، اس کے باوجود انہوں نے یہ جملہ کہا تھا۔

”ان سے کہیے... یہ اسی وقت آپ کے گھر سے نکل جائیں... پھر ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔“

”ساتھ نے مشرب بال نے کیا کہا ہے... نکل جاؤ میرے گھر سے اور آئندہ ہرگز ادھر کا رخ نہ کرنا۔“

تنوں کے سر گھوم گئے... اچانک انہیں یاد آیا... کہ وہ یہاں کیوں آئے تھے... لہذا انہوں نے غصے کو فوراً پی لیا اور مسکراتے لگے... ایسے میں فرزانہ نے کہا:

”نکل... ان کے سروں پر سیاہ چیز تھی... میں گھبرا گئی... بن ان کی طرف دوڑ پڑی... آخر یہ میرے بھائی ہیں... وہ چیز انہیں کاٹ سکتی تھی...“

”تم نے سنائیں... میں نے کیا کہا ہے۔“ وہ گر جے۔

”جی ہاں! سن لیا ہے... ہم جا رہے ہیں... جانے سے پہلے دھاخت ضروری تھی نا۔“ فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

”ابو... آپ بھول رہے ہیں... یہ میرے دوست ہیں... انپکٹر جمشید کی اولاد ہیں۔“

”کیا کہا... یہ کس کے بچے ہیں۔“ سر بال نے ہارے حیرت سے کہا۔

”انپکٹر جمشید کے... لیکن ہمیں کیا... ہوں گے... اے چلو تم دفع

ہو جاؤ یہاں سے۔“

اس وقت محمود اور فاروق اجنبی کا بغور جائزہ لے چکے تھے...
اس کی آنکھوں میں جھائک پکے تھے اور وہ بھی اب تک انہیں چکا تھا... اپنے
کپڑوں سے گھاس تنکے جھاڑ رہا تھا:

”جاری ہے ہیں انکل... اگر ہماری ضرورت پڑے تو ہمیں آواز دے
لبھیے گا۔“ محمود مسکرا یا۔

”مجھے اور تمہاری ضرورت پڑے گی... گھاس کھا گئے ہوں... چلتے
پھرتے نظر آؤ۔“

”لان میں چلتے پھرتے نظر آنے کے لیے ہی تو آئے تھے... لیکن
آپ کو ہمارا چلننا پھرنا ایک آنکھ نہیں بھایا...“

”اوہو... بڑھ بڑھ کر پاتیں بنارہ ہے ہو... چلو بھاگو... درند میں تم
پارانے کتے چھوڑ دوں گا۔“

”کیا کہا۔“ مارے خوف کے ان کے منہ سے لکلا... انہیں معلوم
تھا، انوار بروہی نے بہت خوفناک کتے پال رکھتے تھے... تاہم وہ کوئی کے پیچھے
ھٹے میں چار دیواری سے باہر ایک باڑے میں رکھے جاتے تھے۔

”اوہ بھی چلیں۔“ فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
تینوں گیٹ کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگے... ایسے میں سر
بال چینا:

”مظہر وا!“

چیخ

وہ چونک کر مرے... سر بال انہیں کھا جانے والی نظر دوں سے
دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا:
”واپس آؤ...“

انہوں نے چاہا... فوراً کوئی سے نکل جائیں... لیکن ان کے
قدم تو من من بھر کے ہو چکے تھے... اٹھائے نہ اٹھے... البتہ سر بال کی طرف
قدم خود بخواٹھتے چلے گئے تھے... یہاں تک کہ وہ اس کے بالکل سامنے جا
کھڑے ہوئے:

”چورا چکے کہیں کے... ساکت اور جامد کھڑے رہو... نہ ہاتھ میں
نہ چیر... آنکھیں تک نہ جھپکنا... اور بروہی صاحب! آپ پولیس کو فون
کریں۔“

”پولیس کو...“ انوار بروہی کے منہ سے چیرت زدہ انداز میں نکلا۔
”ہاں! کیا آپ کے ملک میں چور کو پولیس کے حوالے کرنے کا
قانون نہیں ہے۔“

”بالکل ہے مشر سر بال۔“
”تب پھر یہ تینوں چور ہیں... میں ان کی چوری ثابت کروں گا...“

لیکن، لیکن پہلے آپ پولیس کو بلا لیں۔“
”اچھی بات ہے۔“ انہوں نے کہا اور جیب سے موبائل نکال کر فون
کرنے لگے۔

شاملہ نے پریشان ہو کر تینوں کی طرف دیکھا... وہ بالکل بت
بنے کھڑے نظر آئے:

”ڈیٹی... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... یہ میرے دوست ہیں... اور
پھر اسپکٹر جمیشید کے بچے ہیں... اسپکٹر جمیشید ہمارے ملک کے مشہور و معروف
آدمی ہیں... یہ لوگ ملک کے لیے اپنی جانیں ہٹلی پر لیے پھرتے ہیں... کیا
یہ چوری کریں گے... یہ ان پر سراسرا الزام ہے... آپ پولیس کو فون نہ کریں
اور اپنے مہمان کو سمجھائیں... ہاں ازیادہ سے زیادہ اتنا کریں کہ ان کی علاشی
لے لیں۔“

”تم چپ رہو۔“ سربال نے غرما کر کہا۔

شاملہ کو اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے... وہ اندر جانے کے
لیے مرجگانی... کیونکہ اب اس کے لیے یہاں کھڑا ہونا بہت مشکل ہو گیا تھا...
لیکن جو نبی اس نے اندر کی طرف قدم اٹھایا... سربال کی کڑک دار آواز گونج
اٹھی:

”دھھرہ! تم کہاں چلیں... ان کی گرفتاری کا منظروں کیجھ کر جانا... دل
خوش کن منظر ہو گا۔“

شاملہ کے قدم بھی دیں جم گئے... یوں لگتا تھا جیسے کسی جادوی
دلیں میں پیچھے مرکرد بکھنے سے وہ چاروں چھر کے ہو گئے ہوں۔“
”بروہی صاحب... پولیس کتنی دریں آجائے گی۔“

”بلس... چند منٹ میں... بلکہ بھی... آگئی...“

انہوں نے اسی وقت پولیس کی گاڑی کے رکنے کی آواز سن
لی... پھر زور دار انداز میں گھٹھی بھی... ادھر اندر سے شریف گیٹ کی طرف دوڑ
پڑا... اس نے دروازہ کھول دیا اور فوراً ہی پولیس اندر آگئی... انہوں نے
نووار بروہی کو بہت احترام سے سلام کیا:

”ان تینوں کو گرفتار کر لیا جائے۔“ نووار بروہی کے بجائے سربال
نے کہا۔

پولیس آفیسر نے ان پر نظر ڈالی... پھر حیران ہو کر بولا:

”یہ... یہ تو اسپکٹر جمیشید کے بچے ہیں۔“

”تو کیا ہوا... کیا اس ملک کا قانون چوروں کو پکڑنے کا نہیں
ہے۔“

”وہ تو ہے... لیکن یہ... یہ چور نہیں ہیں... بہت معزز لوگ ہیں۔“
”قانون قانون ہے... یہ معزز ہیں یا جو بھی ہیں، اگر چوری کی ہے تو
اکیس گرفتار کرنا چاہیے۔“

”اچھی بات ہے... انہوں نے کیا جیز چالی ہے۔“

”میرا لائٹر... میرے کالائٹر... اس کی قیمت کم از کم ایک کروڑ
 روپے ہے... کیا یہ کوئی معمولی چوری ہے۔“

”ایک کروڑ روپے کالائٹر۔“ مارے جھوت کے پولیس آفیسر کے منہ
سے نکلا...

”ہاں! ایک کروڑ کا۔“

”ٹھیک ہے... ہم ان کی علاشی لے لیتے ہیں۔“

”یہ تینوں چیزیں مجھے دے دیں اور انہیں لے جائیں۔“

”بہت بہتر۔“

آفیسر نے تینوں چیزیں سر بال کی طرف بڑھا دیں... اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا... کہ وہ ان تینوں کو لے چلیں... کاشیبل ان کی طرف بڑھے ہی تھے کہ سر بال بول اٹھا:

”مہریں... بس رہنے دیں... آپ لوگ جائیں۔“

”کیا مطلب... ہم لوگ جائیں۔“

”ہاں! میں نے پروگرام بدلتا دیا ہے... اب انہیں مزاں اپنے ہاتھوں سے دوں گا... آپ جائیں۔“

”یہ قانون کے خلاف ہے... مزاویہ اعدالت کا کام ہے۔“

”تم جاتے ہو یا نہیں۔“ سر بال کا لہجہ بدلتا گیا۔

”میں کہتا ہوں... جاؤ۔“ سر بال دھاڑا۔

سارا ان مل گیا... درختوں پر بیٹھے پرندے خوفناک آوازوں کے ساتھ اڑا گئے اور دور ہوتے چلے گئے... ادھر پولیس آفیسر اور اس کے ساتھی تھر تھر کاپ رہے تھے... سبھی حالت انوار بروہی اور شاملہ کی تھی... البتہ وہ تینوں اب تک اسی طرح پھر کے بت بنے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے پولیس والوں کو بدوہی کے عالم میں کوئی سے باہر جاتے دیکھا:

”مسٹرانوار... جا کر گیٹ اندر سے پنڈ کر دو۔“

ایک لمحے کے لیے انوار بروہی کا رنگ اڑ گیا... وہ ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر تھے... اس طرح انہیں بھلا کب کوئی پکارتا ہو گا... لیکن انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا اور جا کر گیٹ بند کرائے:

”یہ کہہ کر آفیسر آگے بڑھا... ان کے نزدیک پہنچا اور بولا:

”کیا آپ لوگوں نے چوری کی کی ہے۔“

انہوں نے چاہا... کہہ دیں:

”نہیں اہم نے چوری نہیں کی۔“

لیکن ان کی زبانیں نہ مل سکیں... یہ دیکھ کر پولیس آفیسر کو بہت

حیرت ہوئی:

”کیا بات ہے... آپ خاموش کیوں ہیں۔“

”جرم کیا ہے نا... بولیں کیا۔“ سر بال ہنسا۔

اب پولیس آفیسر نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاشی لی... اب پولیس آفیسر نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاشی لی...

محمود کی جیب سے ایک لائٹر نکلا... وہ اب اس لائٹر کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے... اس جیسا لائٹر انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”کیا مہی ہے وہ لائٹر۔“

”ہاں! مہی ہے... دوسرے کی جیب سے میرا پین نکال لیں... وہ بھی ہیرے کا ہے اور ایک کروڑ کا ہے۔“

”کیا!!!“ وہ چلا اٹھے... لیکن ان کی آوازوں میں ان تینوں کی آوازیں شامل نہیں تھیں۔

”اور اس بڑی کی جیب سے میرا چشمہ نکال لیں... اس کا فریم بھی ہیرے کا ہے۔“

”نن... نہیں۔“

”خاص لوگ ہیں... تو خاص چیزیں ہی چڑائیں گے نا۔“

”حیرت ہے... کمال ہے۔“ پولیس آفیسر کے منہ سے لکلا۔

”اب میرے پیچھے آؤ... اور تم عنوں بھی آؤ... لگوں کہیں کے۔“
”لگوں کہیں کے سن کران کے پھرے سرخ ہو گئے... ان کا جی چاہا
سربال کا منہ نوج لیں... لیکن وہ صرف اندر کی طرف قدم اٹھانے کے قابل
تھے اور بس۔“

سربال کے پیچھے چلتے وہ اندر ولی بڑے کمرے میں آئے...
اس کمرے میں ایک بڑی میز کے گرد کرسیاں رکھی گئی تھیں... دراصل یہاں دفتر
کے آفیسرز کے ساتھ میٹنگیں ہوتی تھیں:

”مژران افوار بروہی... اس میز پر لیٹ جاؤ۔“
”بچ... جی... کیا فرمایا۔“

”میں نے کہا ہے... اس میز پر لیٹ جاؤ۔“ وہ دھاڑا۔

افوار بروہی کے جسم میں تھر تھرا ہٹ پیدا ہو گئی... وہ فوراً میز پر
لیٹ گئے:

”لوڑ کی... اب دیکھو نظارا... تم نے جن لوگوں کو مدد کے لیے بلایا
تھا... وہ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... اپنی جگہ سے مل بھی نہیں سکیں
گے۔“

” بت... بت... تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“ نارے خوف کے شامک
بولی۔

”میں وہ کرنے لگا ہوں... جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں
سکتے... مژران افوار بروہی...“

”ہاں مژران سربال۔“

”وہ بریف کیس کہاں ہے... جو ملک کے صدر نے تمہیں دیا تھا۔“

لکھا۔

”ہاں وہ۔“

”وہ اس سامنے والی سیف میں ہے۔“

”سیف کی چاپیاں مجھے دو۔“

افوار بروہی نے لیٹے لیٹے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ باہر لکھا تو
اس میں چاپیوں کا چھلا تھا۔ وہ اس نے سربال کی طرف بڑھا دیا:
”ہی ہی... ہاہا۔“ وہ خونتاک ہی ہنسا۔

اس لمحے ایک بار پھر محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے جسموں کو
حرکت دینے کی کوشش کی... لیکن وہ پلٹ تک نہ سکے... سربال نے نہایت
اطمینان سے چاپیوں کا چھلانگ کے ہاتھ سے لیا اور سیف کی طرف بڑھ گیا۔ وہ
ایک ایک کر کے چاپیاں لگانے لگا۔ آخر سیف ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل
گیا... اب اس کا خفیہ خانہ کھولنا تھا... اسے کھولنے میں بھی اسے صرف چند سینند
لگے... اس خانے میں سیاہ رنگ کا بریف کیس موجود تھا... اسے دیکھ کر وہ ایک
بار پھر ہنسا... پھر اس نے بریف کیس اٹھا لیا... اور افوار بروہی کی طرف آیا...
چاپیاں ان کی طرف اچھا لیں اور بولا:

”ہی ہے نادہ بریف کیس۔“

”ہاں مژران سربال! وہ بھی ہے۔“

”جس میں تم لوگوں کی جان بند ہے۔“ وہ طنزیہ ہنسا۔

”ہاں! بھی ہے۔“

”لو... اب تم میز سے اٹھ کر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ... میں

ذرا ان تنوں کا مزاج پوچھلوں... زندگی میں پہلی بار کسی کا دھکا لگنے سے میں گرا ہوں... لہذا انہیں تھوڑی بہت تو سزا دینا ہوگی... کیا خیال ہے مسٹر بروہی۔“
”بہت نیک خیال ہے۔“

”شکریہ... اب... تم اوہراؤ... اور میز پر لیٹ جاؤ۔“ اس نے محمود کی طرف اشارہ کیا... فوراً ہی محمود کے جسم میں حرکت ہوئی... کہاں تو وہ پلک تک نہیں جھپک رہا تھا... کہاں چلنے کے قابل ہو گیا تھا... وہ سیدھا میز کی طرف آیا اور اس پر لیٹ گیا... فاروق اور فرزانہ اگرچہ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے... لیکن سوچنے اور سمجھنے کے قابل تو تھے، لہذا ان کے دل بڑی طرح دھڑکنے لگے... دم گویا بیوں پر آگئے... انہوں نے خود کو اپنی زندگی میں اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا ہوگا... جتنا کہ اس وقت... شہزادے جانے والہ محمود کے ساتھ کیا سلوک کرنے چلا تھا... اسے کیا سزا دینے والا تھا... اور پھر انہوں نے چاقو کھلنے کی کوشکڑا اہٹ سنی... اب تو ان کے اوسان خطاب ہو گئے... وہ کس قدر بے بس تھے... محمود کے لیے کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھے... شماں آنکھیں پھاڑے یہ ہولناک منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا:
”عن نہیں... نہیں۔“

”نہیں کہیے یاہاں... مجھے تو اپنا کام کرتا ہے... انہوں نے میری جیبوں میں ہاتھ ڈالا... میرے چیزوں اڑائیں... آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا... پھر انہوں نے مجھے نیچے گرایا... میرے نزدیک ان سے بڑا مجرم کون ہو گا... دیسے تم فکر نہ کرو... میں انہیں جان سے نہیں ماروں گا... ان کے صرف ناک اور کان کاٹوں گا... تاکہ لوگ انہیں نکلنے اور کن کئے کہا کریں۔“

”عن... نہیں۔“ شماں کہ چلائی۔

انوار بروہی بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا... لیکن بالکل خاموش تھے... وہ سب کچھ محسوس کر رہے تھے... لیکن سربال کو اس کے ارادے سے روکنے کے قابل نہیں تھے... کھلا چاہ تو لیے وہ محمود پر جھکا... فاروق اور فرزانہ نے جسموں کو حرکت دینے کی کوشش کی... لیکن ایسا نہ کر سکے... شماں کے پورے جسم میں اب لرزہ طاری تھا... انوار بروہی کی آنکھوں میں دہشت ہی دہشت نظر آ رہی تھی۔
ایسے میں کھج کی آواز سنائی دی اور پھر ایک ہولناک چھ نے کمرے کو ہلا کر رکھ دیا:



صریال

میرا خیال ہے... تم جادوگر بھی ہو۔“
”خیال بڑا نہیں۔“ وہ ہنسا۔

”تم سے دو بے وقوفیاں ہوئیں... ورنہ تم بریف کیس لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔“ اسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اور وہ کون کون سی؟“ سربال نے منہ بنایا۔

”ایک تو یہ... کہ تم شریف کو بھول گئے... انہوں نے مجھے فون کر دیا... دوسرے وہ پولیس آفیسر... جسے تم نے چانے کی اجازت دے دی... انہوں نے بھی مجھے فون کر دیا۔“

”ہاں! یہ تھیک ہے... لیکن بات اب بھی میرے ہاتھ ہی ہے...“
”چاہتے کیا ہو۔“

”یہ بریف کیس لے جانا۔“
”اس میں کیا ہے۔“

”یہ اپنے انوار بروہی سے پوچھتے رہتا... میں تو چلا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ میں بریف کیس تھام لیا۔
”میرے پاس چاقو ختم نہیں ہوئے۔“ اسپکٹر جمشید مسکرائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک اور چاقو نظر آیا۔

”پہلے نہیں باخبر تھا... میری ساری توجہ تمہارے اس لڑکے پر تھی...“
اب تم چاقو پھینک کر اس کا انجام دیکھ لو... میں اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کروں گا... اس کے باوجود تمہارا چاقو مجھے نہیں لگے گا۔“

”اچھی بات ہے... یہ لوپھر... سنبھلو۔“
انہوں نے پی تکے انداز میں چاقو کھینچ مارا... وہ اپنی جگہ سے

کچھ کی آواز کے ساتھ ہی ان کے دل اچھل کر طبق میں آ رہے ہے
تھے... ایسے میں انہوں نے اسپکٹر جمشید کی آواز سنی، وہ پر سکون آواز میں کہ رہے تھے:

”لگتا ہے، تم کوئی جادوگر ہو... اور پیناٹوم کے ماہر بھی...“
سر بال ابھی تک اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے سے پکڑ لے کر
تھا... اسپکٹر جمشید کا پہینا ہوا چاقو اس کی ہتھیلی کے آر پار ہو گیا تھا اور اس سے
خون بہہ رہا تھا... اچانک اس نے چاقو اپنی ہتھیلی سے کھینچ لیا اور بھلکی کی سی تیزی
سے اسپکٹر جمشید پر کھینچ مارا... وہ پہلے ہی اس حملے کے لیے تیار تھے... لہذا چاقو
دروازے میں پوسٹ ہو گیا:

”آؤ آؤ... وقت پر آئے... چلوا چھاہے... ایک ہی بار تم سب
کا کام نکل جائے گا... اور پھر بٹو مامیں کام جاری رہ سکے گا۔“

”بٹو ما۔“ اسپکٹر جمشید کے متھے سے مارے جیرت کے لکلا۔

”ہاں! بٹو ما... لیکن یہ کیا تم میری طرف دیکھے بغیر بات کر رہے
ہو... ذر گئے ہو کہ کہیں میں تمہیں پیناٹوم کے زیر اثر نہ لے آؤ۔“

”ایسی بات نہیں... میں تمہارے ٹرانس میں چاقو کھینچ مارا... وہ اپنی جگہ سے

ہلاک نہیں... اس نے اپنی جگہ سے بٹھنے کی کوئی کوشش نہیں کی... چاقو اس کے نزدیک سے گزرا گیا اور دیوار سے مکرا کر فرش پر گرا... انپکڑ جمیل کے ہاتھ میں تیر را چاقو تھا:

”کیا خیال ہے،“ وہ سکرائے۔

”اسے بھی آزمالو،“ وہ ہنسا۔

انہوں نے ایک بار پھر پوری طرح نشانہ لے کر چاقو پھینکا... لیکن وہ بھی اسے نہ لگا...

”اب کیا خیال ہے،“ سربال بولا۔

”مقابلہ تو ہو گا۔“

”ضرور... کیوں نہیں... اگر تم نے مجھے مقابلے میں شکست دے دی تو میں یہ بریف کیس یہاں چھوڑ جاؤں گا۔“

”یہ لے جانا کہاں چاہتے ہو۔“

”بیاناتو ہے بنوما۔“

”اور یہ بنوما کہاں واقع ہے۔“

”اگر مجھ سے الگوا سکتے ہو تو ضرور الگوا لینا... فی الحال تو اپنی خیر مٹاوی... موت تم سے بہت قریب ہے۔“

”موت تو انسان سے کبھی بھی دور نہیں ہوتی۔“

”اس وقت تم اس کے دہانے پر بچنے لگے ہو... مجھے خاص طور پر ہدایات تھیں کہ بریف کیس حاصل کرنے کے علاوہ تمہیں بھی شکرانے لگانا ہے... اچھا ہوا... مجھے تمہارے گھر نہیں جانا پڑا... تم خود یہاں آگئے... ویسے یہاں سے فارغ ہو کر مجھے تمہاری طرف ہی آنا تھا۔“

”میں حاضر ہوں۔“

”پہلے تم اپنا زور لگا لو... کیونکہ اس کے بعد تو میرا کام رہ جائے گا اور وہ چند لمحے میں پورا ہو جائے گا۔“

”یہ لوپھر یہ چیز سن جھالو۔“

اس مرتبہ انہوں نے ایک گولی چیز اس پر پھینک ماری... وہ شیشے کی تھی... اس کے پیروں پر گری اور پھٹ گئی... اس کے پھٹنے سے ایک ہلاک سا وہا کا ہوا... اس میں سے سفید دھواں نکلا اور سیدھا اس کی ناک کی طرف گیا... اس دھویں سے وہ بڑی طرح لڑکھرا گیا اور پھر انہوں نے اسے گرتے دیکھا:

”اللہ تیر اشکر ہے۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کے نزدیک آکر گرے... دوسرے ہی لمحے انہوں نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکالی اور اس کا ذہکنا کھولتے ہی اس کے منہ میں الٹ دی... شیشی کی دو اس کے حلق سے بچے اتر گئی۔

”تم لوگ اب حرکت کر سکتے ہو یا نہیں۔“ انہوں نے ان ہتھوں سے پوچھا۔

پہلے ان کی پلکوں میں حرکت ہوئی... پھر سر پہلے... اس کے بعد پورے جسم میں حرکت ہوئی... اور آخر ان کے منہ سے نکلا:

”ہم اب بول سکتے ہیں۔“

”اللہ کا شکر ہے۔“

محمود میز سے اٹھ جیٹھا۔ اس کے منہ سے نکلا:

”اُف مالک! اگر آپ نہ آ جاتے تو...“

”اللہ کی مہربانی سے میں یہاں پہنچ سکا... انوار بروہی صاحب...“

اس بریف کیس میں کیا ہے۔“

”بس... پچھے نہ پوچھیں۔“

”اچھی بات ہے... نہیں پوچھتا... لیکن پہلی فرصت میں اسے محفوظ مقام تک پہنچا دیں۔“

”بس تو پھر آپ کر گزرے یہ کام... کیونکہ یہ شخص ہوش میں آ کر پچھے بھی کر سکتا ہے... ایمان ہو... لہذا اتنا دینا ہوں... یہ اتنے کے اور...“

”میں جارہا ہوں... بریف کیس فوراً صدر صاحب کے حوالے کر دیتا ہوں۔“

”انہوں نے پا آپ کو دیا کیوں تھا۔“

”یہ مجھے ان سے نہیں ملا... صدر صاحب یہ رون ملک گئے ہوئے تھے... انہیں تین دن بعد آتا تھا... لیکن آج شام کو جن صاحب کے پاس یہ تھا، انہیں بھی کسی فوری ضرورت کے تحت ملک سے باہر جانا پڑ گیا۔ وہ یہ مجھے دے گئے کہ جو نبی صدر صاحب آئیں... یہ انہیں دے دیا جائے... اب اس سے پہلے کہ میں یہ لے کر جاتا... یہ شخص یعنی سر بال ملنے کے لیے آگیا... اب مجھے کیا معلوم تھا... کہ یہ کوئی خوفناک بلایہ ہے۔“

”لیکن یہ آ کیسے گیا۔“

”نوادرات کا بہانہ بننا کر... میں نوادرات کا بہت شوقین ہوں تا...“

”میں سمجھ گیا... اس سے انشاء اللہ ہم بہت لیں گے... آپ جائیں“

”اور ہاں جب آپ یہ صدر صاحب کے حوالے کروں تو مجھے فون ضرور کر دیجیے گا...“

”اچھی بات ہے۔“

”کیا آپ یہ بتانا پسند نہیں کریں گے کہ آپ کو یہ بریف کیس دیا کس نے تھا۔“

”آپ کوئی عام آدمی نہیں ہیں... لہذا بتا دیتا ہوں... یہ اتنے کے تمامی نے مجھے دیا تھا۔“

”اے کے تمامی... آپ کا مطلب ہے... وزیر خارجہ نے۔“

”جی ہاں۔“

”اچھی بات ہے... آپ تو جائیں... ویسے آپ کو معلوم ہے... اس میں ہے کیا۔“

”نہیں... مجھے بالکل معلوم نہیں۔“

”خیر! اس شخص کو معلوم ہے...“ انہوں نے سر بال کی طرف اشارہ کیا... وہ ابھی تک مکمل طور پر بے ہوش تھا... انوار بروہی نے بریف کیس انھیا اور فوراً نکل گئے۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آیا بتا جان... یا تو یہ شخص یوراپورا جادوگر یا پرانا نرم کا ماہر نظر آ رہا تھا... یا اس طرح مارکھا گیا۔“

”در اصل ایسے لوگوں کے نزدیک آنا خطرناک ہوتا ہے... میں نے دور رہ کر وا رکیا... وہ بھی اس وقت جب کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا... ورنہ تم نے دیکھ لیا جب وہ ہوشیار تھا تو میرا کوئی چاقوان سے نہیں لگا... البتہ گیس گیند

سے وہ نہ بچ سکا... مجھے لقین ہے... یہ شخص جادوگر نہیں تو پہنچا نہم کا ماہر ضرور ہے... اور ایسے لوگوں کے مقابلے کے لیے مضبوط ترین قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے... اگر ہماری قوت ارادی کمزور پڑ گئی تو اس صورت میں ہم اس کے ہاتھوں فکست کھا جائیں گے... اب ہمیں اسے پہلی فرصت میں باندھ لینا چاہیے۔“

انہوں نے رسم کی ڈوری سے اسے مضبوطی سے باندھ دیا، پھر اکرام کو فون کیا۔ وہ جلد ہی وہاں بیٹھ گیا... سریال کو ہھکڑیاں لگادی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد انوار بروہی واپس آگئے... ان کے چہرے پر گھبرا طمیناں تھا:

”کیا رہا۔“

”بریف کیس صدر صاحب کے حوالے کر آیا ہوں... جو واقعہ پیش آیا وہ بھی انہیں بتا آیا ہوں... وہ کافی فکر مند ہو گئے ہیں اور انہوں نے میرے سامنے ہی حفاظتی انتظامات کی ہدایات جاری کر دی تھیں۔“

”جیسے یہ اچھا ہوا... آپ کی بیٹی بھی اب پر سکون ہے... اور دماغی طور پر بالکل ٹھیک ہے... لہذا انہیں اجازت دیجیے۔“

”آپ لوگ کمال کے ہیں... اگر آپ یہاں نہ ہوتے تو یہ بریف کیس تو گیا تھا۔“

”آپ احتیاط کریں... ہر آنے والے سے بے وحشک ملاقات نہ کیا کریں... اس وقت پوری دنیا میں ہمارے ملک کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں... دراصل پوری دنیا کے غیر مسلم لوگ اسلام سے شدید خطرہ محسوس کر رہے ہیں... اور وہ چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح ہمارے ملک کو نقصان پہنچاتے

”رہیں۔“

”ویسے انپکٹر جشید صاحب... وہ شخص آخر کیا چیز تھا۔“

”آپ کا مطلب ہے... سریال۔“

”ہاں!“ وہ بولے۔

”میں اس سے حوالات میں ملاقات کروں گا... خیال بھی ہے کہ وہ چادوگر قسم کا انسان ہے۔“

”اس طرح تو وہ حوالات میں بھی ہمارے لیے خطرناک ہے۔“

”ہاں! لیکن میں ہدایات دے دوں گا... آپ فکر نہ کریں۔“

”آپ کا بہت بہت ٹھکریا! آپ نے بہت زحمت کی... اپنی جانوں پر کھیل کر مجھے، میری بیٹی کو اور اس بریف کیس کو بچایا۔“

”میرا خیال ہے... بریف کیس بدستور خطرے میں ہے... اس سلسلے میں بھی مجھے صدر صاحب سے ملاقات کرنا ہو گی۔“

”ہوں... ٹھیک ہے۔“

”آؤ بھی چلیں۔“ انہوں نے ہاتھوں سے کہا۔

وہ اٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا... فون اکرام کا تھا... بوکھلائی ہوئی آواز میں کہ رہا تھا:

”سریال بند کو ٹھری سے غائب ہو گیا۔“

”کیا!!“

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

ایک پارچہ

”کیا کہر ہے ہوا کرام... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”سر اور دوازہ بہر حال بند ہے... ہو سکتا ہے... اس نے پناہ مکے ذریعے حوالات کے نگران کو حکم دیا ہو... دروازہ کھول دو اور مجھے باہر نکال کر پھر تلا لگادو۔“

”ہوں... لیکن حوالات سے نکلے کے بعد پولیس اشیں ہے وہ کیسے نکل گیا... کیا وہ کسی کو نظر نہیں آیا۔“

”یہاں بھی اس نے پناہ مکے بھارا لیا ہوگا۔ کیونکہ اسے جانتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

”ہوں! تم ٹھیک کہجے ہو... خیر... میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے... لگتا ہے... یہ شخص کچھ پر اسرار قتوں کا مالک ہے... ان کام لیتا ہے... اب پوچھنا ہے، یہ کیا کرتا ہے... مجھے تو قدر ہے خوف محسوس ہو رہا ہے۔“

”کیا کہر ہے ہیں سر... خوف اور آپ کو۔“

”ہاں! لیکن اپنے لیے نہیں... بریف کیس کے لیے۔“

”اس میں ہے کیا۔“

”ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اکرم... تاہم صدر صاحب سے بات کروں گا اور انہیں خطرے سے خبردار کرنے کے ساتھ یہ بھی پوچھوں گا... اس میں ہے کیا...“

ابھی انہوں نے فون بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بھی... وہ یہ دیکھ کر پوچک اٹھ کر فون صدر صاحب کا تھا:

”اللہ اپنا رحم کرے... یہ کہتے ہوئے انہوں نے موہاں آن کر دیا... اور بولے:

”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔“

”وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ! جمشید... فوراً چلے آؤ... ٹینوں کوچوں کو بھی لے آتا... اور پروفیسر صاحب اور خان رحمان کو تو میں خود ہی فون کر دیا ہوں...“

”بہت بہتر ہے... ہم آرہے ہیں۔“

چند منٹ بعد وہ صدر صاحب کے سامنے بیٹھے تھے... ان چاروں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا:

”ایک بریف کیس وزارت خارجہ کی تحویل میں تھا... وزیر خارجہ کو بیرون ملک سے جانے کی ضرورت پیش آگئی... چند دن بعد بریف کیس میرے حوالے کیا جانا تھا... میں ان سے پہلے ایک ملک کے وزیر سے پر چلا گیا... اب وزیر خارجہ نے بوجا... میں واپس لوٹوں گا تو بریف کیس کون مجھ تک پہنچا گے کا... اس کام کے لیے انہیں انوار بروہی مناسب نظر آئے۔ آخر وہ وزارت خارجہ کے سکریٹری ہیں... وہ انہیں ہدایات دے کر چلے گئے... اب بریف کیس

”دن... نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر... وزیر خارجہ اے کے تماں صاحب نے وہ بریف کیس انوار بروہی صاحب کو دیا تھا... انہیں وہ بریف کیس آپ کو دینا تھا... آپ بیرون ملک گئے ہوئے تھے... ورنہ اے کے تماں خود بریف کیس آپ کو دیتے... لیکن انہیں بھی غیر ملکی دورے پر جانا پڑا... اس لیے جانے سے پہلے انہوں نے بریف کیس انوار بروہی کے حوالے کر دیا تاکہ جو نئی آپ آئیں... وہ بریف کیس آپ کو سوتپ دیں... اب آپ کے آنے سے پہلے سر بال نامی ایک شخص نے انوار بروہی سے ملاقات کی... یہ شخص یا تو جادوگر ہے... یا پرانا نرم کا باہر بھی یا قبیلے میں کچھ شیطانی طاقتیں ہوں... جادوگروں کے پاس ایسی طاقتیں ہوتی ہیں، وہ جنت کو قابو میں کر لیتے ہیں اور ان سے کام لیتے ہیں... لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ بریف کیس کیسے بدال گیا اور کب بدال گیا... دیکھئے پہلے یہ بتاویں... اے کے تماں تک وہ بریف کیس کیسے پہنچا تھا۔“

”ہمارے ملک کے سب سے بڑے ایٹھی سائنس دان وہ بریف کیس میرے حوالے کرنا چاہتے تھے۔“

”کس لیے... کیا انہوں نے آپ کو بتایا تھا۔“

”ہاں! انہوں نے بتایا تھا کہ اس بریف کیس میں کیا ہے... اور اسی بنیاد پر وہ بریف کیس میرے حوالے کرنا چاہتے تھے... دراصل ان کا خیال تھا کہ کچھ دشمن ممالک کے لوگ اس بریف کیس کے چکر میں ہیں... لہذا انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ میرے حوالے کر دیں... اسی روز مجھے بیرون ملک جانا تھا، لہذا میں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ بریف کیس اے کے تماں وزیر خارجہ کو

انوار بروہی کے پاس تھا... کہ ان سے ایک شخص ملٹے کے لیے آیا۔ اس نے اپنا نام سر بال بتایا اور یہ بتایا کہ وہ نوادرات کا تاجر ہے... انوار بروہی نوادرات کے شو قین ہیں... لہذا انہوں نے اسے اندر بلالیا۔ اس کے بعد وہاں جو کچھ ہوا، اس سے تم لوگ آگاہ ہو... میں نے تمہیں یہاں بیٹانے کے لیے بلا یا ہے کہ ہمارے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔“

”ہاتھ ہو گیا ہے... کیا مطلب؟“

”جو بریف کیس تم لوگوں نے انوار بروہی کو دیا، یہ کہ اسے فوراً مجھ تک پہنچا دیں... وہ اصلی بریف کیس نہیں ہے۔“

”کیا!!!!“ وہ چلا اٹھے۔

”ہاں! ایک بات ہے... مجھ تک جو بریف کیس پہنچا ہے... وہ نہیں ہے... اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔“

”یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“

”یہ ہو چکا ہے جمیل اور بہت خوفناک واقعہ ہے... اس قدر کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”اس... اس بریف کیس میں تھا کیا۔“

”ابھی یہ بات نہیں بتائی جاسکتی... لیکن تم لوگوں کو اس جادوگر سے اصلی بریف کیس واپس لانا ہے۔“

”سوال تو یہ ہے سر... کہ سر بال نے وہ بریف کیس کب اٹھایا... انوار بروہی صاحب تو اپنے گھر سے بریف کیس لے کر آپ کے پاس آئے تھے۔“

”وہ نقلی بریف کیس تھا... بریف کیس اس سے پہلے ہی اڑایا جا چکا

دے دیں... میں ان سے لے لوں گا...”
”بالکل نہیں... مطلب یہ کہ پروفیسر عبدالقدیر صاحب نے وہ
بریف کیس اے کے تمامی صاحب کو دیا تھا۔“
”ہاں!“ صدر صاحب بولے۔

”آپ ذاکر عبدالقدیر پر شک کر سکتے ہیں۔“
”نہیں... بالکل نہیں... وہ تو ہماری پوری قوم کے محض ہیں...
انہوں نے ہی تو ہمیں ایسیں بھم بنا کر دیا ہے... جب تک ہم ایسی طاقت نہیں تھے،
اس وقت تک ہمارا ہمارا یہ ملک شارجستان ہمیں روز روڑ ڈھمکیاں دیا کرتا تھا...
بھر جوئی ہم ایسی طاقت بنتے... اس کی ڈھمکیوں کا سلسلہ رک گیا... لہذا ان پر تو
شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں...“

”میں بھی بھی کہنا چاہتا تھا... ہمارے نزدیک وہ پوری قوم کے محض
ہیں... اس کے بعد نہ برا آتا ہے... اے کے تمامی صاحب کا... ان کے پاس وہ
بریف کیس ایک آدھ دن رہا ہے... لہذا انہیں بدلتے کا موقع پیرو قتا... آپ
کیا کہتے ہیں... کیا وہ یہ کام کر سکتے تھے۔“
”میرا تو بھی خیال ہے... کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتے... کیونکہ وہ بھی
خلاص ہیں۔“

”ان کے بعد وہ بریف کیس ملا تھا انوار بروہی صاحب کو... ان کے
بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔“
”ان کے بارے میں... وہ بھی بہت دیانت دار ہیں۔“
”اور سر بال کو یہ موقع حاصل نہیں تھا... کیونکہ ادھروہ اس کے باقی
لگا ادھر اس سے ہم نے حاصل کر لیا... اور اسے حوالات میں بند کر دیا...“

حوالات سے وہ فرار ہو گیا... اور ساتھ ہی آپ نے بریف کیس کو چیک کیا تو وہ
نقلي تھا... سوال یہ ہے کہ اصلی بریف کیس کہاں ہے...“

”جمشید! اصل پریشانی کی بات یہ ہے کہ وہ بریف کیس بہت زیادہ
اہم ہے۔“

”آپ ہمیں بتا کیوں نہیں دیتے... اس میں تھا کیا۔“

”پروفیسر عبدالقدیر نے خود مجھے بھی نہیں بتایا۔“

”کیا!!!“ وہ چلنا اٹھے۔

”ہاں جمشید... انہوں نے یہ بات مجھے بھی نہیں بتائی... اب میں
ٹھہریں کیا بتا دوں۔“

”یہ تو عجیب بات ہو گی... ان حالات میں ہم اسے تلاش کیسے کر سکتے
ہیں۔“

”اسے کھولنے کا طریقہ بھی صرف پروفیسر صاحب کو معلوم ہے...
مطلب یہ کہ اس وقت وہ جس کے پاس ہے... وہ بھی اسے نہیں کھول سکتا۔“

”کیا!!!“ اسپکٹر جمشید چلنا اٹھے... ان کا رنگ اڈ گیا۔ انہوں نے
گھبراہٹ کے عالم میں پروفیسر صاحب کے نمبر طائے... دوسری طرف سے ان
کی آواز سنائی دی:

”پروفیسر عبدالقدیر بات کر رہا ہوں۔“

”اوہ میں اسپکٹر جمشید ہوں... آپ کہاں ہیں۔“

”میں... میں اس وقت تجربہ گاہ کے رہائشی حصے میں ہوں۔“

”اوہ کیا یہاں حفاظتی انتظامات مکمل ہیں۔“

”ہاں بالکل... کیوں... کیا ہوا؟“ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں

بولے۔

وہ سوت دہنار کا تھا... آج کا سوت ایک ہزار روپے کا تھا... لہذا سزا نصف

ہونی چاہیے... یعنی ایک گھنٹے کی۔“

”ہوں... جواب محتول ہے... لہذا ایک گھنٹے کے لیے کان پکڑ لو۔“

”یہ بھی نہیں ہوگا... تجھلی مرتبہ آپ نے وقت دیکھنے میں دیر لگا دی تھی... اور میں نے آدھ گھنٹا زیادہ کان پکڑ رکھے تھے...“

”اوہ! یہ تو صرف آدھ گھنٹا رہ گیا... ایک منٹ... پہلے میں فون سن لوں۔ السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام... فون آن کر کے آپ ظہور انکل کو کان پکڑ دانے میں لگے رہے... مجھے انتظار کی زحمت کرنی پڑی... اب یا تو آپ جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں... یا اس کے بدالے میں ظہور کے آدھ گھنٹے کی سزا بھی معاف کر دیں۔“

”دھمت تیرے کی۔“

”ہاں میں ایسے کیا... آپ میں کہیں میری روح تو حلول نہیں کر گی۔“

”حد ہو گئی۔“ خان رحمان جھلا اٹھے۔

”اب شاید فرزانہ کی روح آگئی آپ کی طرف۔“

”یا کیا روح روح لگا رکھی ہے...“ خان رحمان جھلا اٹھے۔

”اچھا انکل اب میں روح کی بات نہیں کروں گا... آپ ایسا کریں کہ پروفیسر عبدال قادر کی تجربہ گاہ بخیچ جائیں... پروفیسر انکل کو بھی فون کر رہے ہیں۔“

”خیر تو ہے...“ خان رحمان چونکے۔

”ہم آز ہے ہیں... آپ چہرے داروں کو چوکس کر دیں... کوئی آپ کے رہائشی حصے کی طرف نہ آنے پائے اور تجربہ گاہ کی حفاظت پر جوفوجی مقرر ہیں... انہیں بھی خبردار کر دیں... آپ کوشیدید خطرہ لا حق ہے۔“

”ارے پاپ دے۔“ وہ بولے۔

انہوں نے فون بند کیا اور اٹھ کھڑے ہو گئے:

”اب ہمارے پاس وقت نہیں ہے سر۔“

”لمحیک ہے جمشید۔“

وہ دوڑ کر باہر نکلے... اپنی جیپ میں بیٹھے اور تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے... اپنے میں انکل کو جمشید نے کہا:

”محمود... تم اپنے انکل خان رحمان کو فون کرو اور فاروق تم پر و فیسر انکل کو... تاکہ ہم دہاں ایک ساتھ ہی بخیچ جائیں۔“

”جی اچھا۔“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

پھر محمود نے خان رحمان کے نمبر ملائے... دوسری طرف سے موبائل تو آن کر لیا گیا... لیکن خان رحمان بات کر رہے تھے ظہور سے وہ کہہ رہے تھے:

”آج تو بس تم تین گھنٹے کے لیے کان پکڑ لو۔“

”یہ... یہ نا انصافی ہے خان صاحب!“ ظہور کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”نا انصافی ثابت کرو... ورنہ سزا چار گھنٹے کی ہو گی۔“

”تجھلی مرتبہ جب سوت جلا تھا تو آپ نے دو گھنٹے کی سزا دی تھی اور

”حد ہو گئی... کیا ہم روز گھاس کھاتے ہیں۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”انقل فرزانہ بڑا مان گئی... گھاس کھانے پر... مطلب یہ کہ ہم پروفسر عبدالقدیر کے ہاں جا رہے ہیں... آپ بھی فوراً وہاں پہنچ جائیں۔“
”اچھی بات ہے... یوں کہو تو۔“ پروفیسر فنس دیے۔

اور پھر وہ آسکے پیچھے تجربہ گاہ کے دروازے پر پہنچے... وہاں چاروں طرف فوج کا یہ نظر آیا... ایک طرف فوجی دفتر بھی تھا... انہوں نے گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا... امداد چند آفیسر کام میں مصروف تھے... وہ اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ خود اپنی بول اٹھے:

”ہاں! انہوں نے آپ لوگوں کے بارے میں بڑا مات دیں ہیں... ہم آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتے ہیں... وہاں وقت تجربہ گاہ میں نہیں ہیں... رہائشی حصے میں ہیں۔“

”وہاں بھی حفاظتی انتظامات اسی پیلانے پر ہیں تا۔“ انہوں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ وہاں برجمیوں پر فوجی کھڑے تھے۔

”اس پیلانے کے تو نہیں ہیں، لیکن ہیں ضرور... اور آپ غفران کریں... پروفیسر صاحب خیریت سے ہیں۔“

”لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس پیلانے کے کیوں نہیں ہیں... کیا ایسی پلاٹ کی طرح ان کی حفاظت ضروری نہیں۔“

”ضروری تو ہے... اور اپنے حساب سے ہم نے تمام ٹرانسٹیوں کیے ہیں... اب آپ کے کہنے کے بعد وہاں کے انتظامات بھی رہاں کے مطابق ہی کر دیں گے۔“

”خیر لگتی نہیں... ویسے اس سے وہاں ملاقات ہو جائے تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”کس سے؟“ خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔
”جی... خیریت سے اور کس سے؟“

”دھت تیرے کی... اچھا... میں پہنچ رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

ادھر فاروق پروفیسر داؤڈ کے نمبر ملارہ تھا... سلسلہ ملتہ ہی اس نے کہا:

”السلام علیکم... سرو فپر انقل۔“

”وعلیکم السلام... آہا فاروق یہم ہو... ہم... مگر... ماں کیا یہ تم کہے سرو فپر انقل...“

”و... معاف کیجیے گا انقل... آپ کے نام میں اور پسلے جائے بدل لی... آپ کچھ خیال نہ کریں۔“

”تم کہتے ہو تو نہیں کرتا خیال... اب یہ بتا دو... اور کیا خیال کروں۔“

”خیال کرنے کے لیے ہم جو ہیں انقل... آپ بس اتنا کریں کہ پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ پہنچ جائیں... ہم بھی ادھر کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔“

”پروفیسر تو میں خود ہوں... فاروق آج تم گھاس تو نہیں کھا گے۔“

”جی کیا کہا... گھاس... نہیں آج تو گھاس نہیں کھائی۔“ فاروق گٹو بڑا گیا۔

”شکریہ! اب چلیں۔“

انہوں نے ان کی گاڑی وہیں چھوڑ دی اور فوجی جیپ میں بٹھا کر انہیں لے چلے، ساتھ ہی آفیسر نے کہا:

”رہائش حصے سے واپسی پر بھی آپ اسی جیپ میں آئیں گے... مطلب یہ کہ پلانٹ میں یا رہائش حصے میں کوئی غیر فوجی گاڑی نہیں جاسکتی۔“
”یا چھا انتظام ہے۔“ اسپکٹر جمشید نے تعریف کی۔

پھر جیپ چل پڑی... کوئی پانچ منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچے... اس دروازے کے پاس بھی ایک یہیں تھا... دروازے کے سامنے اور دائیں بائیں مسلح فوجی موجود تھے... یہاں بھی درجیاں بنائی گئی تھیں اور ان پر فوجی موجود تھے۔ آفیسر نے موبائل کے ذریعے دروازے کے اندر موجود فوجی آفیسر سے بات کی... اس کے بعد وہ گیٹ کھول دیا گیا اور جیپ اندر داخل ہوئی:

”پہلے ان حضرات کی تلاشی لی جائے گی۔“ اندر موجود آفیسر نے کہا۔

”ضرور... آپ اپنی کارروائی مکمل کریں۔“

”کیا پروفیسر صاحب خیریت سے ہیں۔“

”بال بالکل... ابھی تھوڑی دیر پہلے انہوں نے آپ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔“

”تب پھر چینگ کی کیا ضرورت ہے۔“

”آپ کے میکس اپ میں کوئی اور لوگ بھی تو آسکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ اپنی کارروائی مکمل کر لیں۔“

پہلے ان کی تلاشی لی گئی... پھر چند عجیب و غریب کیمروں سے تصادم ہیں... شب کہیں جا کر آفیسر نے کہا:

”یہ ٹھیک ہے... انہیں پروفیسر صاحب کے پاس پہنچا دیا جائے۔“
ایک بار پھر انہیں جیپ میں بٹھایا گیا... اب جیپ ایک سڑک پر چل پڑی... دو منٹ بعد بلند والا درختوں کے درمیان گھری ایک عمارت کے سامنے جیپ رکی...

”اب آپ اندر جاسکتے ہیں... جیپ تھیں رہے گی... آپ ملاقات کر کے واپس تھیں آئیں گے اور ہم آپ کو آپ کی گاڑی تک لے جائیں گے۔“

”اچھی بات ہے... آپ کا شکریہ۔“

”اندر گھر یا ملازم آپ کو پروفیسر صاحب کے کمرے تک لے جائے گا... ملازم دروازے پر آپ کا انتظار کرو رہا ہے...“

”بہت بہت شکریہ!!“

وہ اندر داخل ہوئے... ایک باور دی ملازم نے انہیں سلام کیا اور بولا:

”آئیے!“

اب وہ ان کے آگے چلتے لگا۔ یہاں تک کہ ایک کمرے کے بڑے سے دروازے کے سامنے جا رکا... اس نے دروازے پر لگا ایک ٹھنڈن دیا۔ اندر بہت آہستہ آواز میں تھنٹی بھی... پھر دروازہ خود بخود کھل گیا:

”تعریف لے جائیں... پروفیسر صاحب اندر موجود ہیں۔“

جوئی وہ اندر داخل ہوئے... بہت زور سے اچھلے:

پھر آدھ گھنٹا گزر گیا... تب کہیں جا کر ان کے جسموں میں حرکت ہوئی... وہ دوڑ کر باہر نکلے... لیکن باہر فوجی گاڑی موجود نہیں تھی... وہ تحریک گاہ کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے... یہ بھی کافی فاصلہ تھا... پندرہ منٹ بعد وہ اس جگہ پہنچے... انہیں اس طرح دوڑ کر آئتے دیکھ کر فوجی گھبرا گئے... انہوں نے اپنی راکٹیں تان لیں:

”خبردار ایہ ہم ہیں... جنہیں آپ لوگوں نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے رہائش حصے میں بھیجا تھا۔“

”کیا مطلب... آپ لوگ تو فوجی گاڑی میں پہلے ہی ادھر آ جیکے ہیں اور اپنی گاڑی میں پیش کر جا چکے ہیں۔“ ایک فوجی نے چلا کر کہا۔

”کیا... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔“

”وہی کہ رہا ہوں... جو ہوا ہے... آپ لوگ پروفیسر صاحب سے ملاقات کے بعد فوجی گاڑی میں یہاں تک آئے تھے... پھر آپ اس گاڑی سے کیسی اڑا کیا... اس کے بعد تمہارے پروفیسر پر ہاتھ صاف کر دیا اور آپ یہاں چار ہاؤں... تم لوگ روک سکتے ہو تو مجھے روک لو...“ ان کے الفاظ کے ساتھ ہی وہ ان کے درمیان سے نکلا چلا گیا... وہ پھر کے ہتوں کی طرح ساکت ہے ہارہا ہوں... تم لوگ روک سکتے ہو تو مجھے روک لو...“

”لیل... لیکن... آپ اب اس طرف سے کیسے آ رہے ہیں۔“

”دوڑتے ہوئے۔“ فاروق نے بڑا سامنہ بنایا۔

انہیں بے بی کے اس خوفناک عالم میں بھی جسی آگئی... پھر ہوں... وہ میں بھی نہ سکے... نہ اپنارخ گھما سکے... انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر بند ہونے کی بھی سنی... انہوں نے حلق سے آواز نکالنا چاہی...“

”دو پر لے لیا گیا۔“

”آپ لوگ وہ نہیں ہوں گے... وہ چاچکے ہیں۔“

”تب پھر ہم کون ہیں۔“ خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

”یہ آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں... آپ بتا کیں، آپ کون ہیں اور عبد القادر کہاں ہیں... وہ تو انہیں یہاں نظر ہی نہیں آئے تھے۔“

اندر سر بال موجود تھا... ان کے کافوں میں اس کی سرداور

سر براتی آواز گوئی:

”تو تم لوگ یہاں بھی آ جئے۔“

”اور ہم آپ کو یہاں دیکھ کر جیران ہیں... پروفیسر کہاں ہیں۔“

”پروفیسر... ہاہاہا... بے چارہ... پروفیسر... پہلے میں نے پروفیسر

کیسی اڑا کیا... اس کے بعد تمہارے پروفیسر پر ہاتھ صاف کر دیا اور آپ یہاں

چارہا ہوں... تم لوگ روک سکتے ہو تو مجھے روک لو...“ ان کے الفاظ کے

ساتھ ہی وہ ان کے درمیان سے نکلا چلا گیا... وہ پھر کے ہتوں کی طرح ساکت

کھڑے رہ گئے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے پاؤں میں میں کے ہو گئے

ہوں... وہ میں بھی نہ سکے... نہ اپنارخ گھما سکے... انہوں نے دروازہ کھلنے کی

آواز سنی اور پھر بند ہونے کی بھی سنی... انہوں نے حلق سے آواز نکالنا چاہی...“

وہ ایسا بھی نہ کر سکے... یوں لگتا تھا جیسے کسی جادو کی دلیں میں پیچھے مزکرہ کیجئے

سے پھر کے بن گئے ہوں۔ البتا ان کے دماغ کام کر رہے تھے، وہ سوچ اور سمجھ

سکتے تھے... اور اس وقت وہ بے بی کے عالم میں یہ سوچ رہے تھے کہ پروفیسر

عبد القادر کہاں ہیں... وہ تو انہیں یہاں نظر ہی نہیں آئے تھے۔“

اس طرف کیے پہنچ گئے تھے... جب کہ بغیر اجازت اس طرف پر نہ بھی پر نہیں مار سکا۔“

”ہمارے پر کب ہیں۔“ فاروق جل گیا۔

”ایک منٹ بھی... یوں بات نہیں بننے گی... ہمیں صدر صاحب کو فون کرنا ہو گا۔“

”جسے جی چاہے فون کریں... جب تک ہمارا اطمینان نہیں کراں میں گئے... ہم جانے نہیں دیں گے۔“

”ٹھیک ہے... آپ کا شکر یہ... آپ نے ہمیں فون کی اجازت دی۔“

یہ کہہ کر اپکرو جمیش نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... جلد قرآن کی آواز سنائی دی:

”ہاں جمیش... کیا رپورٹ ہے۔“

”بہت خوفناک سر... پہلے تو ہمیں ان فوجوں سے نجات دلوالی جائے...“ جو ہمیں گھیرے کھڑے ہیں۔

”کیا مطلب... اسکی کیا بات ہو گئی۔“

”فون پر بتانا ذرا مشکل ہے سر... یوں سمجھ لیں کہ پروفیسر عبدالقدوس صاحب کو بھی اخوا کر لیا گیا ہے۔“

”کیا!! نہیں۔“ صدر صاحب چلا گے۔

”یہی بات ہے سر... جب ہم یہاں پہنچے اور ہمیں پروفیسر صاحب کے کمرے تک پہنچایا گیا تو اندر ان کی بجائے سر بال موجود تھا۔“

”کیا کہ رہے ہو جمیش... یہ کیسے ممکن ہے... کہیں تم نے کوئی

خواب تو نہیں دیکھا۔“

”نہیں سر... میرے ساتھ باقی سب موجود تھے... یہ اب بھی میرے ساتھ ہیں... ایسا لگتا ہے جیسے ہم کسی شیطانی جال میں پھنس چکے ہیں... سر بال یا تو کوئی شیطان ہے... یا بہت سے شیطان اس کے قبضے میں ہیں... یا آپ یوں کہ لیں کہ جنات اس کے قبضے میں ہیں۔“

”جمیش! تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔“

”میں نے پہلے ہی کہا تھا سر کہ فون پر بتانا مشکل ہو گا... کیا آپ یہاں نہیں آسکتے ہیں سر...“

”ہاں کیوں نہیں... میں آ رہا ہوں۔“

”لیکن پہلے تو انہیں ہدایات دیں... یہ ہم پر انقلابیں نہ تائیں... ہم فوری طور پر اپنا کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... میں متعلقہ آفیسر سے بات کرتا ہوں... یہ براہ راست میرا حکم نہیں مانیں گے۔“

”جی کیا مطلب؟“

”یہی اصول ہے بھی... ظاہر ہے... انہیں ان کے آفیسر ہی براہ راست حکم دیتے ہیں... میں تو نہیں دیتا۔“

”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

پھر جلد ہی آفیسر کے موبائل کی گھنٹی بھی... موبائل پر بات سن کر اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا:

”ان پر سے رانقلین ہٹاؤ۔“

فوچی پیچھے ہٹ گئے:

”ہمیں فوری طور پر اسی کمرے میں لے چلیں... اور صدر صاحب آنے والے ہیں... انہیں بھی وہیں لے آئیں۔“

”یہ ہدایات بھی ہمارے آفیسر سے دلوائیں۔“ آفیسر نے مسکرا کر کہا۔

”اوہ ہاں! اچھا لٹھیک ہے۔“

انہوں نے پھر صدر سے بات کی... صدر صاحب نے آفیسر سے اور آفیسر نے اس فوجی آفیسر سے بات کی... ساتھ ہی اس نے کہا:

”یہ لوگ جو کہیں... وہ کرتے جائیں... اور بار بار اجازت کے لیے نہ کہیں۔“

”اوکے۔“ آفیسر نے کہا۔ پھر ان کی طرف مڑا:

”اب تکمیل اجازت ہو گئی... جو کہیں گے... ہم کریں گے۔“

”آپ بہت اچھے ہیں اور ہماں اصول ہیں... ایسا ہی ہونا چاہیے... اور پھر یہاں تو خاص طور پر ایسا کرنے کی ضرورت ہے... لیکن افسوس! ان تمام احتیاطی مذاییر کے باوجود وہ... وہ پروفسر صاحب کو اغوا کر کے لے گیا۔“

”ہم نے کسی کو جانتے ہوئے نہیں دیکھا... بس آپ لوگ ضرور یہاں جیپ میں بیٹھ کر آئے تھے... پھر آپ جیپ سے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔“

”حالانکہ ہم اب آئے ہیں... اس سے پہلے تو آئے ہی نہیں... ہم تو پروفیسر صاحب کے کمرے میں تھے۔“

”آخر یہ کیسے ممکن ہے۔“

”حالات جادوی قسم کے ہیں... یا تو ہمارا واسطہ کی جادوگر سے ہے“

یا پھر پینا نژم کا ماہر ترین شخص ہے... خیر آئے پہلے پروفیسر صاحب کا رہائشی حصہ دیکھ لیں۔ کیا پروفیسر صاحب یہاں اکیلے ہی رہتے ہیں۔“

”ہاں! وہ یہودی بچوں کو یہاں نہیں رکھتے... وہ ان کے آبائی گاؤں ہی میں رہتے ہیں... یہ ہر ماہ وہاں جاتے ہیں۔“

”خوب!“ ان کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ رہائشی حصے میں داخل ہوئے... ہر طرف دیکھا بھالا گیا... وہاں پروفیسر کہیں بھی نہیں تھے... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

”یہ کوئی ایسی بات نہیں... دیکھیں نا... آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ہم جیپ میں بیٹھ کر صدر دروازے کے پاس آئے تھے۔ وہاں سے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔“

”ہاں! ہم نے بالکل بھی دیکھا تھا۔“

”لیکن ہم بیٹھیں تھے... تو اسی طرح وہ جب یہاں سے جا رہا تھا اور پروفیسر صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا تو آپ لوگ اسے اور پروفیسر کو کیسے دیکھ سکتے تھے... جب کہ اس نے آپ سب کو پینا نژم کے ذریعہ اثر لے رکھا تھا۔“

”بات معقول ہے۔“

”مطلوب یہ کہ ہم پروفیسر صاحب سے ہاتھ دھو بیٹھیے ہیں اور ساتھ میں سربال بھی فرار ہو چکا ہے۔“

”بلکہ ان کے ساتھ وہ بریف کیس بھی ہاتھ سے نکل گیا... اف مالک! اس سے بڑی شکست کیا ہو گی۔“

”ہاں! ہم ہولناک ترین حالات کا شکار ہیں۔“

”یہ تو بعد کی بات ہے جو شید اپہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ سر بال کھاں ہے... پروفیسر صاحب کھاں ہیں۔ ان حالات میں اس کے لیے ملک سے باہر جانا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ صدر صاحب نے شدید ابحاث کے عالم میں کہا۔

”جی ہاں سر... بالکل بھی بات ہے... شاید تم اسے ملک سے باہر جانے سے بھی نہ روک سکیں۔“ اسپکٹر جمیشہ پڑپڑائے۔

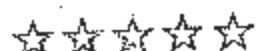
”اور جمیشہ! اب جب کہ پروفیسر صاحب کو انخوا کیا جا چکا ہے... اور وہ بریف کیس بھی ہمارے قبضے میں نہیں رہ گیا تو میں یہ بتانے پر مجبور ہوں کہ اس بریف کیس میں کیا تھا۔“

”کیا تھا سر...“ وہ ایک ساتھ یوں اٹھے۔

”تمام ایسی اسلیے کے پن کوڈ نمبر ۲،“

”کیا مطلب!!!“ وہ چلا اٹھے۔

ایسے میں اسپکٹر جمیشہ کے موائل کی گفتگی بھی:



پھر صدر صاحب وہاں پہنچ گئے... حالات کا انہیں پہلے ہی علم ہو چکا تھا... لہذا ان کا چہرہ زرد تھا... وہ آتے ہی بوالے:

”جمیشہ! اب کیا ہو گا... بریف کیس بھی ان کے قبضے میں چلا گیا اور پروفیسر صاحب بھی... آخر ہم انہیں انخوا ہونے سے کیوں نہیں بچا سکے۔“

”اس لیے سر کو وہ شخص کچھ جادویٰ حالتوں کا مالک ہے... اور ہذا ٹرم کا بھی اتنا بڑا ماہر ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے... مثلاً اس نے جانتے ہوئے

صدر دروازے پر موجود تمام ٹگرانوں کو یہ پیغام دیا کہ پروفیسر صاحب کے رہائشی ہے سے آنے والے لوگ اسپکٹر جمیشہ اور ان کے ساتھی ہیں... اور ان لوگوں نے ہمیں آتے ہوئے دیکھا اور پھر ہمیں اپنی گاڑی میں بیٹھتے دیکھا،

حالانکہ ہم سب اس حصے میں موجود تھے... اور وہ یہاں سے صرف پروفیسر صاحب کے ساتھ گیا تھا... ان حضرات کو نہ تو پروفیسر صاحب نظر آئے، نہ سر بال۔“

”تو اس کا نام سر بال ہے۔“

”اس نے انوار بروہی کو بھی نام بتایا تھا۔“

”سوال یہ ہے کہ اب کیا ہو گا... اگر وہ ابھی ملک ہی میں ہے اور تم اسے تلاش کر لیتے ہو... تو تم اسے کیسے روک سکو گے۔“

”ہمیں پہنا ٹرم کے ماہرین کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی...“
ہمارے ملک میں بھی پہنا ٹرم کے ماہرین ہیں... لیکن مجھے ڈر کو وہ اس سے بونے ماہر نہیں ہوں گے... اور اگر وہ بونے ماہر نہیں ہیں تو پھر وہ بھی کچھ نہیں کر سکیں گے... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مقابلہ کر کے دیکھیں گے ہی نہیں... مقابلہ ہم ضرور کریں گے۔“

آخری کوشش

انہوں نے جو شی موبائل آن کیا، سر بال کی آواز اپنی:
 ”اپنکر جشید... ہم لوگ پنگان جانے کے لیے تیار ہیں... وہاں
 ہمارا مرکز بٹوما میں ہے... ہم تمہیں بٹوما آنے کی دعوت دیتے ہیں... لیکن اس
 سے پہلے...“ وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

”اس سے پہلے ہم تم لوگوں کو ایک موقع اور دینا چاہتے ہیں... تم
 اپنے ملک میں ایک آخری کوشش اور کرلو... پروفیسر کو ہم سے چھڑا لو... درجنہ یہ
 ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ہو جائیں گے... اور ہمارے لیے کام کریں گے اور
 یہ بھی جان لو... یہ اپنی مرضی سے اور اپنی خوشی سے ہمارے لیے کام کریں
 گے... اپنے بیوی بچوں تک کو یاد نہیں کریں گے... انہیں بھول کر بھی ان کا
 خیال نہیں آئے گا... ہم جو چاہیں گے، ان سے کام لیں گے... بلکہ جو تم کو، ہم
 ان سے کرائے دکھادیں گے... ہم تمہیں بٹوما کی سیر کرائیں گے... وہاں اپنی
 الیکٹریکی چیزیں ہوں گی کہ تم نے کبھی دیکھی ہوں گی نہ سئی ہوں گی۔“

”تم ایک آخری کوشش کا ذکر کر رہے تھے۔“

”ہاں! اس وقت ہم باجوہ محل میں ہیں... تم نے شاید باجوہ محل نہیں
 دیکھا ہوگا... اس کی وجہ اس قدر لمبی ہے کہ ایک چھوٹا سا جہاز اس پر سے

اڑان بھر سکتا ہے... ہمارا راکٹ و مہجی تیار کر رہا ہے... پروفیسر کو اس میں بھا دیا
 گیا... میں بھی اس میں سوار ہونے والا ہوں... لیکن میں چاہتا ہوں...
 تمہاری بے بی کا تاشادیکیوں... لہذا آجاؤ... اور چھڑا لو اپنے پروفیسر کو ہم
 سے... باجوہ محل شہر کے مشرقی سرے پر جنگل کے کنارے پر واقع ہے... اور
 اس وقت باجوہ خاندان بھی ہمارے قبضے میں ہے... ہم تمہارا انتظار کریں
 گے... لیکن صرف آدھ گھنٹے تک۔ اس کے بعد ہم باجوہ محل کی چھت چھوڑ دیں
 گے... تمہارا نیا ہمراں... سر بال۔“

یہ گفتگو وہ سب سن چکے تھے... لہذا فوری طور پر صدر صاحب
 کی گاڑی میں روائہ ہو گئے... انہوں نے احتیاط صدر صاحب کو ساتھ نہیں لیا
 تھا... مارے بے چینی کے ان کا بڑا حال تھا... وہ جلد سے جلد باجوہ محل پہنچ جانا
 چاہتے تھے... لیکن ڈرائیور کا کہنا تھا کہ فاصلہ زیادہ ہے... اور وہ آدھ گھنٹے
 میں کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکیں گے... آخر اپنکر جشید بولے:

”ہمراں فرمائے آپ ڈرائیور گئے مجھے کرنے دیں۔“

”کیا آپ کے خیال میں آپ مجھ سے بہتر اور تیز ڈرائیور گ کر سکتے
 ہیں۔“ صدر صاحب کے ڈرائیور نے بہت ہی بڑا منہ بنا کیا۔

”میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہاں
 پہنچنے کے لیے نصف گھنٹے سے بھی کم وقت باقی ہے۔ اگر ہم نصف گھنٹے کے اندر
 اندر وہاں نہ پہنچ سکے تو وہ لوگ فرار ہو جائیں گے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا
 کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی ڈرائیور گ کرے... مشرقی سرے تک
 نصف گھنٹے میں نہیں پہنچ سکا۔“

”چیزے خیر... میں آپ کے دھوے کی لفی نہیں کرتا... معاملہ صرف وہاں پہنچنے کا ہے اور دشمن نے ہمیں صرف نصف گھنٹے کی مہلت دی ہے... آپ بس ڈرائیور گ بجھے کرنے دیں۔“

”شوک سے کریں... تشریف لاپئے۔“ یہ کہ کراس نے گاڑی کی رفتار کم کر لی اور سڑک کے کنارے کرتے ہوئے آخر روک دی۔ انپکٹر جمیش نے فوراً ڈرائیور گ سینھال لی... ابھی انہیں گاڑی چلاتے پانچ منٹ نہیں ہوئے تھے کہ بہت زبردست بریک لگانے کی ضرورت پیش آگئی... ان سب کو بہت خوفناک جھلکا لگا... بریک ہولناک آواز میں چڑھائے تھے... ایک بڑھیا عین سڑک کے درمیان میں اچانک آگئی تھی... گاڑی اس بڑھیا سے صرف ایک اشیٰ ادھر رکی... ساتھ ہی بڑھیا سڑک پار کر گئی... انہوں نے پھر گاڑی آگے بڑھاوی... اور یوں:

”اللہ کا شکر ہے... بڑھیا بال بال بچی۔“

”حیرت ہے... کمال ہے...“ ڈرائیور کے منہ سے نکلا۔

”اور آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔“ فاروق مسکرا کیا۔

”اس بڑھیا کے نقش جانے پر... جس رفتار پر گاڑی تھی... اور جس طرح اچانک بڑھیا سڑک پر آگئی تھی... کوئی ماہر سے ماہر ڈرائیور بھی اس مہارت سے بریک نہیں لگا سکتا تھا کہ گاڑی بھی اللہ سے نقش گئی اور بڑھیا بھی حفظ رہی...“

”تب پھر اب تو آپ جان لیں کہ ہم آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔“

”نہیں خیر... یہ تو کسی صورت ملکن نہیں۔“

”اچھا! اللہ مالک ہے۔“

اور پھر ٹھیک آدم گھنٹے بعد انہیں باجوہ محل دکھائی دے گیا... وہاں پہنچنے کا ہے اور دشمن نے ہمیں صرف نصف گھنٹے کی مہلت دی ہے... آپ

بلکہ ابھی چند سینڈ باتی تھے:

”آف مالک... کمال ہو گیا۔“ ڈرائیور چلا اٹھا۔

”انپکٹر جمیش... عین وقت پر آئے... ہم تو بس چلنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ خیر... اب تم اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھو... چھٹ پر راکٹوں موجود ہے... ہم اس میں سوار ہیں... اور یہ لو... اڑنے چلے ہیں... تم سے ہمیں روکنے کے لیے جو ہو سکے کر گزو... ہماری طرف سے اجازت ہے۔“

انہوں نے جلدی سے محل کی چھٹ کی طرف دیکھا... وہاں واقعی ایک چلغوزے کی شکل کا چھوٹا سا طیارہ اور پرانا ہاتھا... اس کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ تیر کی طرح اوپر جاتا نظر آیا... ان کے سر اور پرانٹھے چلے گئے... وہ ان حالات میں کرہی کیا سکتے تھے... ایسے میں انہوں نے ڈرائیور کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت دیکھی:

”آف... مالک! یہ کیا چیز ہے،“

”اس سے راکٹوں کہتے ہیں۔ میراں کی رفتار سے سیدھا اوپر جاتا ہے اور وہاں سے سیدھا اس مقام کی طرف نیچے جاتا ہے... جہاں اسے اترنا ہوتا ہے... وہ راکٹوں میں ہمارے ملک کے سائنس دان عبدالقدوس کو لے گئے... اور ساتھ میں ایک انتہائی اہم چیز بھی لے گئے۔ آئیے! اب چلیں... یہاں اب کیا رکھا ہے۔“

”دل... لیکن ابا جان... ان لوگوں نے باجوہ فیملی کو بھی تو کسی

کر سے میں بند کر رکھا ہو گا۔“

”اوہ ہاں! اگرچہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے... لیکن انسائیت کا تقاضا ہی ہے کہ ہم ان کی مدد کرتے جائیں۔“

اب وہ محل میں داخل ہوئے... اس محل کے افراد محل کے باخیچے میں کرسیدوں پر بیٹھے تھے... ان کی آنکھیں کھلی تھیں، لیکن جسم پھر کی طرح ساکت تھے۔ اسپکٹر جمیش اور ان پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھے:

”اوہ... یہ سب پیمانہم کے زیر اثر ہیں... فی الحال ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے... یہ خود بخود معمول پر آ جائیں گے۔ آؤ چلیں۔“

وہ وہاں سے سیدھے ایوان صدر آئے تو صدر صاحب بت بنتے بیٹھے نظر آئے:

”خیر تو ہے صاحب صدر۔“

وہ اس طرح اچھے جیسے کسی بچھوٹے ڈنگ مار دیا ہو۔ پھر چونک کربوں:

”اوہ اچھا... تم لوگ ہو۔“

”خیر تو ہے... آپ کہاں گم تھے۔“

”مجھے سر بال کا فون ملا تھا... کہہ رہا تھا... اسپکٹر جمیش اور ان کے ساتھی اگرچہ یہاں بیٹھ گئے ہیں... لیکن وہ ہمیں جانے سے نہیں روک سکے... لہذا ہم پروفیسر عبدال قادر کو لے کر جا رہے ہیں... آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے۔“ صدر صاحب نے بتایا۔

”لیکن آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں۔“

”تو میں اور کس طرح بیٹھوں۔“ صدر صاحب نے بڑا سامنہ بنا یا۔

اور وہ مسکراتے بغیر نہ رہ سکے:

”تم لوگ مسکرا رہے ہو... ہائی... اور میری جان پر بنی ہے... تم لوگوں کو معلوم ہوتا چاہیے، ہم اس وقت کس صورت میں حال سے دوچار تھے، لیکن اس کے باوجود یہی بھی آہی جاتی ہے: پروفیسر صاحب اور اس بریف کیس کا ان لوگوں کے ہاتھ لوگ جانے کا مطلب جانتے ہو کیا ہے... یہ کہ ہمارا ایسی اسلو ہمارے لیے تو بیکار ہو ہی گیا ہے... الا وہ ہمارے ہی خلاف استعمال ہو سکتا ہے... فرض کیا سر بال پروفیسر صاحب کو پینا نہ کے زیر اثر لا کر حکم دیتا ہے... تمام ایتم بہم اپنے ہی ملک میں چلا دوا اور وہ چلا دیتے ہیں... تو کیا ہو گا... سب کچھ آن کی آن میں ختم... نہ تم رہو گے، نہ میں اور نہ ملک...“

”نہ... نہیں۔“ وہ سب کے سب چلا اٹھے۔

”لیکن آخر... وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔“ محمود نے مارے حرمت کے کہا۔

”ہو سکتا ہے... ان کا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو، لیکن وہ ہمیں ایسا کرنے کی دھمکی دے سکتے ہیں اور اس دھمکی کے چکر میں اپنے نہ جانے کتنے مطالبات منوا سکتے ہیں... مثلاً وہ ہم سے مطالبه کریں کہ پروفیسر داؤڈ کو ہمارے حوالے کر دو... ورنہ ہم تم لوگوں کا ایسی ذخیرہ اڑادیں گے... اب ہم پورا ملک بچائیں گے یا پروفیسر داؤڈ کو بچائیں گے۔“

”اسے بپ... باپ رے۔“ پروفیسر داؤڈ بوکھلا اٹھے۔

اور انہیں پھر بھی آگئی... اگرچہ وہ حذر رہے خوفناک صورت حال سے دوچار تھے، لیکن اس کے باوجود یہی بھی آہی جاتی ہے:

”آپ پریشان نہ ہوں... ہم پنگان کے لیے روانہ ہو رہے ہیں... ہم جانتے ہیں... یہ ہم اجھائی مشکل ہے... اس میں کامیابی کا امکان صرف

ایک فیصلہ ہے... اور 99 نصف ناکامی کے امکانات ہیں... میں اس کے باوجود ہم جائیں گے۔"

"اور جمیل... کیا تم اکیلے جاؤ گے۔"

"نہیں سر... ہم تینوں پارٹیاں جائیں گی۔" اسپکٹر جمیل نے کہا، پھر

چونکہ کربولے:

"اس کے ساتھ ہی میری ایک تجویز ہے سر۔"

"اوہ... وہ کیا۔"

"وہ میں آپ کے کان میں بتا سکتا ہوں۔"

صدر صاحب نے کان ان کے منہ کے قریب کر دیا۔ وہ

انہائی دبی آواز میں اپنی بات کہنے لگے... پھر جو نبی انہوں نے بات مکمل کی...

صدر صاحب کے چہرے پر دلت دوزگی... وہ بول اٹھے:

"بہت خوب جمیل۔"

"اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ صدر صاحب کے موبائل کی گھٹنی نہ اٹھی...

انہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے موبائل آن کیا... اور دوسری

طرف کی آواز سننے لگے... انہوں نے دیکھا... صدر صاحب کے چہرے پر

خوف پھیلتا جا رہا تھا۔ آخر انہوں نے فون بند کر دیا... اور لگے انہیں پھٹی پھٹی

آنکھوں سے دیکھنے:

"خیرو ہے سر۔" اسپکٹر جمیل گھبرا گئے۔

"کچھ اور خوفناک خبریں ہیں جمیل... سر بال نے کچھ اور اسلامی

مالک میں اسی قسم کے کام کیے ہیں... تمام ایسے ملک حدود بجے پریشان

ہیں... وہ سب ہم سے مشورہ چاہتے ہیں... تم بتاؤ جمیل... ہم انہیں کیا جواب دیں۔"

"انہیں بتادیں سر کہ آپ اس ہم پر اپنے ملک کے کچھ لوگوں کو روادہ کر رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" صدر صاحب بولے۔ پھر انہوں نے یہی بات آگے پہنچا دی... دوسری طرف جواب سن کر انہوں نے اسپکٹر جمیل سے کہا:

"ان کا کہنا ہے... وہ بھی اپنے ملک کے بہترین ماہر ساتھ بھیجنے چاہتے ہیں... بلکہ اس قسم کا پروگرام وہ پہلے ہی طے کر چکے ہیں... ایسے تمام ماہرین کا اجلاس کل شام نمبریا میں ہو گا... وہ چاہتے ہیں... تم لوگ بھی وہاں پہنچ جاؤ۔"

اسپکٹر جمیل سوچ میں پڑ گئے... آخر بولے:

"ہمارے لیے اپنے طور پر جانا مناسب ہے... کیونکہ ہم اپنے انداز میں کام کرنے کے عادی ہیں... ان کے ساتھ شامل ہو گئے تو ہم اپنی مرضی کھین کر سمجھیں گے... اس لیے آپ معاف و مغایرہ کر لیں... اور ہمارا پروگرام انہیں بتادیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اب صدر صاحب نے پھر ان لوگوں سے بات کی... اوہر کا جواب سن کر انہوں نے ان سے کہا:

"ان کا کہنا ہے... تمام اسلامی ممالک کا فیصلہ ہی ہے کہ سب مل کر جلیں گے... اس طرح اس ہم میں ایک سے بڑھ کر ایک ماہر شامل ہو جائیں گے اور ہم کردار ادا کر سمجھیں گے۔"

”تو پھر... آپ کیا کہتے ہیں۔“ اسپکٹر جمیڈ بولے۔

”میں بھی بھی کہتا ہوں... تم لوگ یہاں سے نیزیا کے لیے روانہ ہو جاؤ... میں ان لوگوں کو فون کر دوں گا... وہ تمہیں ایر پورٹ سے لے لیں گے۔“

”جیسے آپ کی مرضی... ہمیں پھر اجازت دیں... کیونکہ ابھی ہمیں اسپکٹر کا مرزا اور شوکی برادر زکو بھی پیغامات دینے ہیں۔“
”ہاں ٹھیک ہے... اور جمیڈ تمہیں یہ بھی بتا دوں... تم اس اجلاس کو معمولی نہ خیال کر لینا... دنیا کے ماہر ترین لوگ اس میں شرکت کر رہے ہیں۔“
”آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے سر۔“

”جہاں چہاں سر بال نے اپنا کام دکھایا ہے... وہاں وہاں کی حکومتوں نے یہ فیصلہ کیا ہے... شاید ان کے پاس ہم سے زیادہ معلومات ہیں... یا پھر ان ملکوں میں سر بال کے کام کی نوعیت مختلف ہے۔“
”آپ کا مطلب ہے... تمام ملکوں میں ایک ہی شخص کام کر رہا ہے... اور اس کا نام سر بال ہے۔“

”مجھے معلوم نہیں کہ بہت سے لوگوں نے اپنا نام سر بال رکھ لیا ہے یا مکان اس بات کا ہے کہ لطف نہیں رہے گا۔“
ایک ہی سر بال نامی شخص نے تمام ملکوں میں کام دکھایا ہے... مجھے تو میں اتنا معلوم ہے کہ تمام ملکوں میں نے چینی پھیل گئی ہے... اور تو اور ان میں چند غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں... ان ملکوں کے لوگ یا حکومتیں مسلمان تو نہیں ہیں... لیکن مسلمان ملکوں سے ان کے دوستائی تعلقات ہیں اور جنگ کی صورت میں ان ملکوں کے آپس میں معابدات ہیں... مطلب یہ کہ بڑی بڑی غیر مسلم قوموں کے آپس میں مقابلہ جادو یا پیڑا ٹوٹ سے ہے... اور ظاہر ہے... حکومتیں اگر ملک کسی اسلامی ملک پر حملہ کریں تو یہ غیر مسلم ملک اس اسلامی ملک کا

ساتھ دیں گے... نہ کہ بڑی غیر مسلم طاقت کا۔“

”یا اچھی خبر ہے... تو ان غیر مسلم ملکوں میں بھی سر بال نے کام دکھایا ہے۔“

”ہاں! ان کاموں کی تفصیلات اس کا نفرنس میں بیان کی جائیں گے۔“

”ہوں ہم سمجھ گئے سر۔“

”اور ہمارے ملک کے مشرقی حصے کے ساتھی بھی شرکت کر رہے ہیں... یہ جان کر تم لوگوں کو شاید زیادہ خوشی ہو گی۔“

”آپ کا مطلب ہے... کتنی قریدی اور علی عمران وغیرہ۔“
”ہاں...“

ان کے چہروں پر سکرا ہیں پھیل گئیں... پھر فاروق نے کہا:

”لطفر ہے گا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ صدر صاحب عجیب سے انداز میں بولے۔

”یا آپ نے کیا فرمایا انکل صدر... ہو سکتا ہے۔“

”میں نے کہا ہے... ہو سکتا ہے... خوب لطف رہے... لیکن زیادہ

”مکان اس بات کا ہے کہ لطف نہیں رہے گا۔“

”اگر لطف خود نہیں رہے گا تو کیا ہوا... ہم اسے زبردستی لے آئیں

”قاروق نے منہ بنایا۔“

”میرا مطلب ہے... ہم اس قدر خوفناک ہے کہ تم سوچ بھی نہیں

”... اس مرتبہ تم لوگوں کا مقابلہ جادو یا پینا ٹوٹ سے ہے... اور ظاہر ہے...“

”لوگوں نے معمولی قسم کے ماہر تو وہاں جمع کیے نہیں ہوں گے۔“

جس شخص کو کامیاب کرایا جائے گا... وہ انشا رجہ کا خاص آدمی ہے۔"

"نہیں... لیکن سر... وہ یہ کس طرح کریں گے۔"

"میری پارٹی اکثریتی پارٹی ہے، لیکن اس کے سوآدمی اچانک اس شخص کی پارٹی میں چلے گئے ہیں... اور اب میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک شروع کی جائے گی... وہ اپنی اکثریت ثابت کر دیں گے اور ساتھ ہی وہ شخص صدر جن لیا جائے گا... گویا میری صدارت اب ایک یادو دن کی ہے... اور جیشید... تمہیں معلوم ہونا چاہیے... نیا صدر پہلا حکم کیا دے گا۔"

"کیا دے گا سر۔"

"یہ کہ اپنکڑ جمیشید اور ان کے ساتھی... ملک سے باہر نہیں جائیں گے... تھے صدر کی ہدایات پر عمل کریں گے۔"

"نہیں... لیکن سر... اس سے کیا ہو جائے گا... ابھی آپ نے بتایا ہے... دنیا بھر کے ماہرین پہنگان کا رخ کرنے والے ہیں۔"

"ہاں! رخ کرنے والے ہیں... لیکن وہ چاہتے ہیں... تم لوگ ان کے ساتھ نہ ہو۔"

"اوہ کتنی فریڈی اور علی عمران سر؟"

"ان دونوں پارٹیوں کو بھی کسی طرح روک دیا جائے گا۔"

"تب پھر ہم ابھی اور اسی وقت جا رہے ہیں۔"

"ہاں! جمیشید اب بھی کرنا ہو گا... مجھے اپنی حکومت کی فکر نہیں... ملک کی فکر ہے... پورا ملک اس وقت موت کے دہانے پہنچ چکا ہے۔"

"لیں سر... اب ہم رک نہیں سکتے... اللہ حافظ۔" یہ کہتے ہی وہ دوڑ پڑے۔

"جی ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے... لیکن انگل صدر... راستے میں تو لطف رہے گا ہی۔"

"راستے میں بھی وہ لوگ آخر قدم قدم پر رکا و نیس کھڑی کریں گے۔"

"خیر... دیکھا جائے گا... آپ بھی یہ بات جانتے ہیں... خطرات سے ڈرانے والے اے آسمان نہیں ہم۔"

"ہاں! یہ تو خیر میں جاتا ہوں۔" صدر مسکرا پڑے۔

اور انہوں کے ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کا اشارہ کیا، پھر موبائل آن کر دیا:

"السلام علیکم... شیرازی صاحب... خیر تو ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے... جلد ہی انہوں نے ان کا رنگ اڑنے دیکھ لیا... وہ ہوں باں کرتے رہے... آخر فون بند کر کے ان کی طرف مڑے... اس وقت انہوں نے دیکھا... ان کے چہرے پر حدود رہے خوف طاری ہو چکا تھا:

"خیر تو ہے سر۔"

"نہیں۔" ان کے منہ سے لکلا۔

"کیا مطالب؟"

"خیر نہیں ہے۔"

"کیا ہوا سر۔" وہ بولے۔

"میری حکومت کا تختہ اللہ کی تیاریاں کر لی گئی ہیں... میری جا

- ”آپ اپنے مہماں کو فوری طور پر ہمارے حوالے کر دیں... ورنہ ہیں...“
- ”تھے صدر نے ابھی چارچ نہیں سنھالا، لیکن... ایک دن بعد یا ان آپ کی ریاست کی ایمٹ سے ایمٹ بجادی جائے گی۔“
- ”ایک منٹ اپہلے میں ان سے بات کروں... پھر آپ کو بتانا دن ایسا ہونے والا ہے۔“
- ”تب تو فون اس وقت آئے گا... ابھی کیوں آنے لگا۔“ ”احمد کمالوں۔“
- ”ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں... آپ خود جواب دیں۔“
- ”مہماں کو اس کے دشمن کے حوالے کر دینا ہماری روایت نہیں۔“
- ”گویا آپ ان لوگوں کی خاطر پوری ریاست کو تھس نہیں کر دیں صاحب کا موبائل گلتگا اٹھا تھا... انہوں نے چونک کر سکریں کی طرف دیکھ لئے۔“
- ”ان لوگوں نے کئی بار پوری ریاست کو تھس نہیں ہونے سے بچایا بھی ان کے صدر کا نام نظر آیا:“
- ”یہ تو آپ کے پہلے والے صدر ہیں۔“
- ”اوہوا چھا... سن لیں پھر...“ اسپکٹر جمیش نے فوراً کہا۔
- ”احمد کمال نے بھن دیا دیا... فوراً ہی آواز سنائی دی:“
- ”تو اسپکٹر جمیش... آپ کے پاس ہیں... میں ہوں پاک لینڈ کا ہے ہوں... اب اس سوال کا میں کیا جواب دوں...“ اسپکٹر جمیش نے فوری صدر۔“
- ”ہاں آیہ کیا... صدر ہارون علیم کہاں ہیں۔“
- ”کیا پوچھا آپ نے؟“
- ”کیا اسپکٹر جمیش پارٹی کے ساتھ اسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادر ز قبضہ کر کے فوری طور پر مجھے صدر بنادیا ہے۔“
- ”بھلا پر کیسے ہمکن ہے۔“
- ”صح کے اخبارات میں پڑھ لیجیے گا، پہلے یہ بتائیں... یہ لوگ یہاں آتے کہ ہاں وہ ان کے ساتھ ہیں تو یہ جھوٹ ہوتا اور اگر کہتے نہیں ہیں... تو وہیں۔“
- ”ہاں آیہ نہاں ہیں اور میرے مہماں ہیں۔“

اگر تم نے ریاست پر حملہ کیا تو ہم نے تمہارے اتنے آدمی غائب کر رکھے ہیں... وہ ہمارے ننانے پر ہیں... جو نبی ریاست پر حملہ ہوا... انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔“

”اوہ... اوہ...“ ان کے مند سے ایک ساتھ لکلا۔

”ہاں بالکل... اپنے گرفتار شدہ شہریوں کی رہائی ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بن جائے گا اور وہ ریاست پر حملہ نہیں کر سکیں گے... اس دوران سے نکل چکے ہوں گے... اور صدر صاحب یہ اعلان کر سکیں گے ہم لوگ اب ان کی ریاست میں نہیں... لہذا وہ خود بخوبی حملہ کرنے سے روک جائیں گے۔“

”اوہ... اوہ بہت خوب! لا جواب... شاندار...“ تینوں ایک ساتھ بولے۔

”لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فرزانہ بولی۔

”اور وہ کیا؟“
”آخر ہم یہ تم کیوں سر کرنے جا رہے ہیں جب کہ ہمارے ملک کے نئے صدر ایسا نہیں چاہتے۔“

”نئے صدر ہمارے ملک کے خیر خواہ نہیں... وہ انشارجہ کے آدمی ہیں... جو کہ رہے ہیں، انشارجہ کی ہدایات پر کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے پاس درست ہیں، ایک یہ کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، دوسرے یہ کہ ہم اس ہم پر نکل جائیں... کیونکہ یہ صدر صاحب تو آج ہیں، کل نہیں ہوں گے... لیکن ان کی آڑ میں جو کام انشارجہ اور برٹائن لیتا چاہتے ہیں... وہ لے لیں گے اور اس سے جو نقصان پہنچے گا... وہ ہم سوچ بھی نہیں

سکتے... ہمیں اپنے ملک کو دیکھنا ہے... نہ کہ نئے صدر کو... واپس آنے پر ہم ان صدر صاحب کے معاملے کو بھی دیکھ لیں... یہ بے چارے کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

”جی کیا مطلب... یہ کیا کہا آپ نے... ملک کے صدر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”ہاں بس... تم دیکھتے جاؤ... اس وقت ہمارے سامنے ہم ہے... پہلے ہم سر بال سے نہنا چاہتے ہیں... ساری دنیا کے ماہرین ایسے ہی تو ایک جگہ سوچ بچار کے لیے جمع نہیں ہو رہے... تم سننا... وہ کیا کیا بتاتے ہیں... اسلامی دنیا کے لیے حالات اس قدر خوفناک ہو چکے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے...“

”اس کا مطلب ہے... آپ کو حالات معلوم ہیں۔“

”خبرات، ریڈیو اور دوسرے ذرائع سے جو خبریں مل رہی ہیں... ان سے بہت کچھ اندازہ لگا چکا ہوں... لیکن اصل حالات اُس کا فرنیس میں ہی معلوم ہوں گے۔“

”تب پھر ہم کب روائی ہوں گے۔“

”پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دوست کا کیا معاملہ رہتا ہے، ہمارے نئے صدر، انشارجہ اور برٹائن اس دھمکی میں آتے ہیں یا نہیں...“،“ نہ پھر ہمیں کوئی اور قدم اٹھانا ہو گا۔“

”مطلوب یہ کہ ابھی ہمیں کل نکل یہاں پھرنا پڑے گا۔“

”شاید... لیکن ہمارے پاس ابھی وقت ہے... ہم میٹنگ میں آسانی کے پہنچ سکتے ہیں۔“

ریاست کے لوگوں کو پکڑ لیں گے۔“

”انہیں پہلے ہی ادھر بلایا گیا ہے... اب وہاں ہمارا ایک آدمی بھی نہیں ہے... اس درمیانی وقفے میں ہم نے پہلی قاتم کام کیا ہے... لہذا پہلے آپ انشارج اور برٹائن کے بات کر لیں... پھر ہمیں فون کر لیجیے گا۔“

یہ کہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور صدر کی طرف مڑے:
”احمد کمال صاحب... لگتا ہے تیرنٹائن پر لگا ہے...“ صدر چونکہ پہلے ہی انشارج اور برٹائن کے اشاروں پر ناج رہے ہیں، اس لئے ان سے بات کیے بغیر فون کو کوئی حکم نہیں دیں گے... لہذا اب ہمیں ان کے فون کا انتظار کرنا ہے۔“

”چلیے پھر کھانا کھا لیتے ہیں۔“

اسی شام وہ بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ بہت سے قدموں کی آواز گونج آئی۔ انہوں نے سر اٹھائے تو انپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز دونوں پارٹیاں چلی آرہی تھیں:

”حد ہو گئی... یہ تو یہاں آرام سے بیٹھے چائے پی رہے ہیں...“
آنٹاب کی آواز گوئی۔

”ہم کھڑے ہو کر تو چائے پینے سے رہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔
”حد ہو گئی... نہ سلام نہ دعا... اور آتنے والی شروع ہو گئے۔“ انپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

”اوہ ہاں! پہلے تو السلام علیکم۔“
”تو پھر و علیکم السلام۔“

اور پھر انہوں نے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملاعے... کچھ تو

”اچھی بات ہے۔“

تمن گھنٹے بعد صدر صاحب ان کے کمرے میں داخل ہوئے...
انہوں نے پر جوش انداز میں کہا:

”سب کو خفیہ مقامات پر بینچا دیا ہے... بینچا یا بھی ہے مختلف مقامات پر... اور ایسے لوگ ان پر مقرر کردیے ہیں کہ جان تودے دیں گے... انہیں ادھر سے ادھر فرار نہیں ہونے دیں گے یا انہیں رہا کرنے کے لیے کسی طرح کوئی حلہ ہو جائے تو بھی ان کے مقابلے پر ڈٹ جائیں گے۔“

”بس ٹھیک ہے۔“
جلد ہی فون کی گھنٹی بھی... صدر صاحب نے موبائل کی طرف دیکھا:

”آگیا آپ کے نئے صدر کا فون۔“
”مجھے دیں موبائل... میں بات کروں گا آپ کی آواز میں۔“
”اوہ اچھا!“ انہوں نے کہا اور موبائل انہیں دے دیا۔
”السلام علیکم جناب صدر!“ اوہ صدر کی آواز میں بولے
”آپ انپکٹر چشید، انپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو ہمارے¹
حوالے کر دیں... درخواستے انجام کے لیے تیار ہیں۔“

”ہمیں ہر سے انجام کی دھمکی دینے سے پہلے یہ دیکھ لیں... انشارج اور برٹائن کے تمام اہم ترین آدمی اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں اور نامعلوم مقامات پر بھیج دیے گئے ہیں... اگر ہم پر حملہ ہوا تو انہیں اڑا دیا جائے گا... لہذا پہلے آپ انشارج اور برٹائن سے حلے کی اجازت لے لیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی... اس طرح تو ہم بھی اپنے ملک میں آپ کی

"یہ ہمارے ملک کو کس کی نظر لگ گئی... بے چارے صدر کو قید کر لیا گیا..."

"اسلامی ملکوں کے خلاف کوئی عالمی سازش ہوئی ہے... فوج کی مدد کے بغیر اس طرح ایک منتخب صدر کا تختہ نہیں الٹا جا سکتا... لیکن ان معاملات پر ہم اس مہم سے واپسی پر بات کریں گے... اس وقت مسئلہ ہے میٹنگ کا... ہمارے ملک میں آپ کے ہاں بھلا کیا خاص واقعہ پیش آیا؟" انپکڑ جمیل نے پوچھا۔

"ہم نے تو آپ کی طرف کی خبریں سنی تھیں... کوئی خوفناک آدمی اس طرف آیا تھا... جو چادو یا پیٹا ٹرم کا خاص ماہر ہے... اور وہ پروفیسر عبد القادر کا ایک بریف کیس لے گیا ہے... جس میں ایسی اسلحے کے پن کوڈ تھے۔"

"ہاں! یہی ہوا ہے... بلکہ وہ پروفیسر عبد القادر کو بھی انغو اکر کے لے گیا ہے... اور مزਬے کی بات یہ کہ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے لے گیا ہے... کوئی اسے روک نہیں سکا... اس لیے کہ جب وہ انہیں لے کر جا رہا تھا... اس وقت کوئی اسے اور پروفیسر صاحب کو دیکھنے نہیں سکا تھا... ان حالات میں کوئی کر بھی کیا سکتا تھا... بہر حال ہماری طرف یہ واقعہ ہوا ہے اور یہ ملک کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے... بلکہ اس ایک واقعے سے پورا ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے... وہ لوگ اگر پروفیسر صاحب سے وہ بریف کیس بھلوالیتے ہیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں... ہمارے ملک، میں موجود ایسی یہم ہمارے ہی ملک میں چل جائیں گے... سوچیں اس وقت کیا ہو گا... پورے ملک کی تباہی میں کوئی کسر رہے

جائے گی۔"

"عن... نہیں... وہ کانپ گئے۔

"یہی وجہ ہے کہ ہم اس مہم پر نکل رہے ہیں... ہمیں وہ بریف کیس ہر حال میں واپس حاصل کرنا ہے اور پروفیسر عبد القادر کو بھی..."

"لیکن اگر انہوں نے اس سے پہلے ہی پروفیسر صاحب سے بریف کیس بھلوالا...،" انپکڑ کا مردانہ مرزا بولے۔

"بس... پھر ہم گئے کام سے... لیکن...،" انپکڑ جمیل کہتے کہتے رک گئے۔

"اللہ کا شکر ہے...،" فاروق نے فوراً کہا۔

"دھت تیرے کی،" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"توہہ ہے تم سے۔" فرزانہ بھی جھلا کر بولی۔

"تم دونوں کو ہوا کیا... پہلے اس کی بات تو سن لو،" آفتاب نے ہم سامنہ بیٹایا۔

"کیا خاک سن لیں... اپا جان کہہ رہے ہیں... پھر گئے ہم کام سے اور یہ اس پر کہہ رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے۔"

"میں نے اس جملے پر اللہ کا شکر ہے، نہیں کہا۔" فاروق فوراً بولے، ساتھ ہی اس سے بڑا سامنہ بیٹایا۔

"تب پھر؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"اس جملے کے بعد اجاں نے جو لیکن کہا ہے تا، میں نے تو اس پر کہا تھا، اللہ کا شکر ہے، مطلب یہ کہ پھر ہم کام سے جاتے جاتے نجع سکتے ہیں... اس لیکن کی حدود سے...،" اس نے جلدی جلدی کہا۔

”توہہ ہے تم سے... بات کو کہاں کی کہاں لے جاتے ہو۔“ فرحت

لے جھٹکا کر کہا۔

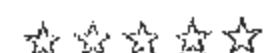
”مرے خیال میں ہمیں اور حراوزہ کی بالکنے کی بجائے کام کی بات کر لیں چاہیے۔ ہاں تو انکل! آپ لیکن کے بعد کیا کہاں چاہتے ہیں۔“

”یہ کہ... پروفیسر عبد القادر اس قدر رأسانی سے بات اگل دینے والے نہیں ہیں... ان کے اعصاب بہت مضبوط ہیں اور وہ اس قسم کے حالات میں پڑھنے کا کیا مطلب ہے۔“

”لیکن انکل! ان لوگوں کے پاس بھی آخر زبان... ارے۔“ شوکی کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کا خوف پھیل گیا۔ ”کیا ہوا بھئی؟“

”آف مالک آف... غور کریں انکل غور... وہ لوگ تو پہلے ہی پناہ نوم کے ماہر ہیں... کیا وہ پروفیسر عبد القادر کو پناہ نوم کے ذری اثر لَا کر بریف کیس کھولنے کا طریقہ معلوم نہیں کر لیں گے۔“

”اوہ! اوہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔ ایسے میں اسپکٹر جشید کے سوہاں کی سمجھنی نجاشی۔



جنگل جہاز

انہوں نے دیکھا، فون خفیہ فورس کے انچارج کا تھا:

”ہاں نہ رائیک! کیا خبریں ہیں۔“

”انہاں کی خوفناک... خاص طور پر آپ لوگوں کے لیے۔“

”ہم سننے کے لیے پہلے ہی تیار ہیں۔“ اسپکٹر جشید نے پرسکون انداز

میں کہا۔

”نیپریا کی انتظامیہ کو ہدایات دے دی گئی ہیں... آپ کی تینوں پیاریاں اور حکما رخ کریں تو تینوں کو اپر پورٹ ہی سے گرفتار کر کے ملک میں واپس بھجوادیا جائے۔“

”پیارنداز تو ہم پہلے ہی لگا پکے تھے۔“

”لیکن پھر آپ کریں گے کیا... جب آپ کی اپنی حکومت اس مہم سے آپ کو روکنا چاہتی ہے۔“

”ہم سے جو ہو سکا، کریں گے... یہ معاملہ اس قدر خوفناک ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، لیکن نئے صدر اسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں... اور ظاہر ہے اس کی بھی وجہ ہوگی... نئے صدر ایسے ہی تو اچاک صدر نہیں بنالیے گے... وجہ بھی ہے کہ اس کیس میں حکومت بس کچھ نہ کرے۔“

پیش از موت اور جادو کے ماہر ترین لوگوں سے ہے ... اور تم یہ دونوں فن نہیں جانتے ... لہذا ان کے چند چند جاؤ گے ... مارے جاؤ گے ... لہذا تم اپنی جگہ رہو ... تمہاری بیہاں ضرورت زیادہ ہے۔“

”جو حکم۔“ اس نے کہا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

”تم اب نیزیاں نہیں جاسکتے ... براہ راست ہٹوما جانا ہو گا اور ظاہر ہے ... جو لوگ نیزیاں جمع ہو رہے ہیں، وہ بھی آخر بٹوما آئیں گے ... لہذا ان سے راستے میں ملاقات ہو جائے گی یا وہیں کہیں ہو جائے گی ... ملاقات نہ ہو، تب بھی کوئی بات نہیں ... ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔“

”اس معاملے پر آپ میری ایک امتحان دور کر دیں۔“ ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی دی۔ سب اس کی طرف گھوم گئے۔

”ہاں فرزانہ! کہو، کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”فرض کیجیے! اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہم میں کامیابی عطا کر دیتے ہیں اور ہم بخیریت اپنے وطن آ جاتے ہیں ... تو کیا ہو گا ... نئے صدر تو ہمیں گرفتار کر لیں گے۔“

”اوہ اچھا... یہ امتحان ہے تمہارے ذہن میں ... اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمیں اس وقت گرفتار نہیں کر سکیں گے۔“

”لیکن کیسے؟“ فاروق نے جیران ہو کر کہا۔

”اس سوال کا جواب میں اس وقت نہیں دے سکتا ... بس تم ذہن میں امتحان نہ رکھو۔ اور بے فکر ہو جاؤ ... ہمیں اگر اس مہم پر نہ لکھنا ہوتا تو ہم پہلے اسی مسئلے کو لیتے ... اس وقت زیادہ خطرہ ہٹوما میں ہونے والی سازشوں سے ہے ... شد کئے نئے صدر سے۔“

”جی ہاں بالکل بھی بات ہے۔“

”تب پھر ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں ... اگر ہم پر نہیں جاتے تو پورا ملک تباہ ہو جائے گا ... کوئی ملک کا نام لینے والا بھی نہیں ہو گا ... ہاں شاید کوئی یہ کہہ دیا کرے گا کہ کسی زمانے میں اس جگہ ایک اسلامی ملک آباد تھا ... جس کے کھنڈ رات آپ دیکھ رہے ہیں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ ان سب کے مدد سے لکلا۔

”ای لیے ہمیں ہم پر لکھنا ہو گا ... اور اب ہمارے راستے میں دو رکاوٹیں ہوں گی ... ہمارے ملک کی طرف سے ہمارا راستہ روکا جائے گا ... دوسرے اس ساری گڑبڑ کے مہرے قدم قدم پر ہمیں روکیں گے ... اور ہر قیمت پر ہمیں ختم کرنے کے چکر میں رہیں گے۔“

”اللہ اپنارحم فرمائے۔“

”بہر حال ... تم بھی متاثر رہو ... اور جہاں تک ہو سکے ... ہمیں خبریں سناتے رہو ...“

”مطلوب یہ کہ آپ جلد اس مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔“

”ہاں نمبر ایک ... یہ تواب کرنا ہو گا۔“

”اچھی بات ہے سر ... میں مسلسل رابطہ رکھوں گا ... اور ہم پر بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

”ہاں میں ایسے کہا تم نے۔“

”میرا مطلب ہے سر ... ہم لوگ سائے کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے ... کیونکہ اس مہم پر قدم قدم پر خطرات ہیں۔“

”میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا ... نمبر ایک ... ہمارا مقابلہ

”چیلے ٹھیک ہے، ہمارا اطمینان ہو گیا... یہاں سے ہمیں کہاں جانا ہے۔“ محمود نے پوچھا۔

”یہ میں تم لوگوں کو صحیح فجر سے پہلے ہتاوں گا۔“

دوسرے دن فجر سے پہلے وہ سفر کے لیے تیار ہو چکے تھے... ایک بڑی گاڑی صدر کی رہائش کے اندر سے انہیں لے کر باہر نکلی۔ اس کے ششے اندر ہے تھے۔ باہر سے اندر بیٹھے لوگوں کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا... اس گاڑی نے انہیں ایک ساحل تک پہنچا دیا۔ یہاں ایک بڑی لامپ تیار کھڑی تھی... وہ اس پر سوار ہو گئے... ان کے دوست صدر اس گاڑی میں ان کے ساتھ آئے تھے... انہوں نے انہیں الوداع کہا اور لامپ رومنہ ہوئی... وہ ہاتھ پلا کر انہیں الوداع کہتے رہے۔ جواب میں وہ بھی ہاتھ پلاتے رہے۔ آخر وہ نظر وہی سے اوچھل ہو گئے... اس وقت وہ لامپ کے ڈرائیور کی طرف مڑے:

”ہمارا سفر کتنے گھنٹے کا ہے۔“

”جی... انہیں گھنٹے کا۔“

”اوہ... کافی طویل ہے پھر تو۔“

”جی ہاں! لیکن جہاں میں آپ کو اتنا روں گا... وہ ایک بالکل آزاد ریاست ہے... وہاں کسی بھی ملک کے لوگ بغیر کسی پابندی کے آ جاسکتے ہیں اور اس کے بالکل قریب بٹو ماہے... وہاں سے بٹوماں تک اپناراستہ آپ کو خود طے کرنا ہو گا... اور وہ راستہ آپ کپنے طے کرتے ہیں، یہ آپ کا کام ہو گا، آپ کو دیکھنا ہو گا، کیونکہ مجھے وہاں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں... اور ہمیں اس آزاد ریاست تک پہنچا دیں... پھر ہم جانیں ہمارا کام جانے۔“ اسپکٹر کا مران مرزابولے۔

اور پھر وہ لامپ کے ہال میں آگئے... ہال میں چاروں طرف کر سیاں بچھائی گئی تھیں اور درمیان میں گول میزیں رکھی گئی تھیں۔ وہ اس میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے:

”گویا... انہیں گھنٹے تک ہم بالکل فارغ ہیں... خوب گپ شپ لگا سکتے ہیں... ضرب الامثال اور محاورات کی ایک دوسرے پر بوچھاڑ کر سکتے ہیں...“

”نمایزوں کے اوقات کے علاوہ۔“ اسپکٹر جشید بول اٹھے۔

”جی ہاں... وہ تو ہے۔“ سب ایک ساتھ بولے۔

”تمیریاں میں جو لوگ جمع ہو رہے ہیں... کیا وہ بھی وہاں سے اس آزاد ریاست میں آئیں گے۔“

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں... لیکن شاید اس بارے میں ریاست میں پہنچ کر ہمیں معلوم ہو جائے گا۔“

”خیر دیکھا جائے گا... اب ہڑوں کی طرف ہمیں اجازت ہوئی کیونکہ ہم ایک مدت بعد طے ہیں...“

”اوہ... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

انہوں نے ڈرائیور کی آواز سنی... اس نے یہ جملہ اپنے کہیں سے ہولا تھا... لیکن مائیک اس کمرے میں بھی لگے ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے اس کا جملہ سن لیا... وہ چوک کاٹھے۔ اسی وقت اس کے نائب نے کہا:

”کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”ایک جنگلی چھاڑ۔“

”جنگ... جنگلی چھاڑ... بھلا جنگلی چھاڑ کا یہاں کیا کام۔“

ہے، یہ ہمیں روکنے کی کوشش تھی نہ کرے۔“

”جب کہ میرا خیال ہے... اسے خاص طور پر ہمارے لیے بھیجا گیا ہے۔“ ڈرائیور نے کہا۔

”اوہا چھا!“ اسپکٹر جمشید نے جمран ہو کر کہا۔

پھر انہوں نے موبائل پر اپنے دوست صدر کے نمبر ملائے۔

سلسلہ ملنے پر وہ بولے:

”السلام علیکم... ایک جنگلی جہاز ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔“

”اوہ!“ صدر مارے حیرت کے بولے۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... صرف اتنا بتا دیں... کیا ہم لائچ کے ڈرائیور اور اس کے نائب پر اعتماد کر سکتے ہیں۔“

”ہاں! یہ میرے خاص آدمی ہیں... جان تو دے سکتے ہیں... خداری یادھو کا فیصلہ کر سکتے... آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے... آپ انہیں جو پدراست دیں گے، یہ اس پر عمل کریں گے۔“

”بہت خوب!“

”اور چاہے انہوں نے یہ بات چیت سن لی ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا... یہ وفادار ہیں، وفادار ہیں گے۔“

”بہت خوب!“ اس پھر ہم ایک کام کرتے ہیں... ہم پوری رفتار کے ساتھ وہ واپس آنے کی کوشش کرتے ہیں... اس طرح کم از کم اتنا ہو گا کہ ہم آپ کی ریاست کے نزدیک سے نزدیک تو ہوتے چلے جائیں گے اور جنگلی جہاز اگر ہمارا تعاقب کرے گا تو آپ کی ریاست کی حدود میں آجائے گا... اس طرح آپ کے لڑاکا طیار ہے اسے آسانی سے نشانہ بنائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے... یہ جہاز ڈاکوؤں کا ہو... انہوں نے دور سے لائچ کو دیکھ لیا اور ہماری طرف بڑھنا شروع کر دیا ہو۔“

”جو بھی ہے... میں خطرے کی بوجھوں کر رہا ہوں۔“
ان کی گفتگوں کروہ باہر نکل آئے اور ڈرائیور کے کیمین کے باہر جمع ہو گئے... انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں... انہیں کوئی جہاز نظر نہ آیا... یہ دیکھ کر اسپکٹر کا مران مرزا کیمین میں داخل ہو گئے اور بولے:
”ہمیں تو جہاز نظر نہیں آ رہا۔“

”مستول پر کیمرہ لگا ہوا ہے... اس کی آنکھ جو دیکھ رہی ہے... وہ ہم یہاں سکریں پر دیکھ رہے ہیں... آپ اس طرف دیکھیے۔“ اس نے سکریں کی طرف اشارہ کیا... انہوں نے دیکھا... ایک جہاز کے اوپر والے حصے نظر آ رہے ہیں... لیکن کبھی نظر آنے لگتے... کبھی نظروں سے اوچھل ہو جاتے۔“

”تو ڈری میں یہ صاف نظر آنے لگا... اسی طرح وہ لوگ ہماری لائچ کو دیکھ رہے ہیں۔“ ڈرائیور نے بتایا۔

”ہوں... لیکن لائچ کی رفتار تو جہاز کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے... لہذا ہم اسے نزدیک کیوں آنے دیں... اسپکٹر کا مران مرزا بولے۔“
آپ غلط سوچ رہے ہیں۔“ ڈرائیور سکرا یا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔
”یہ جنگلی جہاز ہے، اس کی رفتار لائچ سے بہت زیادہ ہوتی ہے... ہم کسی سوتھے نکل جانا چاہیں، یہ پھر بھی ہمیں آئے گا۔“

”اچھی بات ہے... تب پھر اپنے راستے پر چلتے رہیں... ہو سکتا۔“

کرتے آگے گز رکھے... انہوں نے جہاز کے مسٹول گرتے دیکھے... اس کے ساتھ ہی جہاز کا رخ بدل گیا، اور ہر طیارے پھر آرہے تھے... وہ ایک بار پھر فائرنگ کرتے گز رکھے... انہوں نے جہاز کا ایک حصہ ٹوٹتے دیکھا:

”بہت خوب! کافی ماہر ہیں یہ لوگ۔“ خان رحمان نے تعریف کی۔

”آہ... جہاز سے سفید جھنڈا ہرایا جا رہا ہے۔ گواہ یہ لوگ صلیٰ پر اتر آئے ہیں۔“ خان رحمان بولے۔

”تب پھر طیاروں کو روک دینا چاہیے۔“

یہ کہتے ہی انپکٹر جمیل نے صدر سے رابطہ کیا اور صورت حال انہیں بتائی۔ پھر فون بند کر دیا۔

انی دیر میں طیارے پھر آگئے... اب انہیں تو سفید جھنڈوں کے بارے میں پتا نہیں تھا... لہذا وہ پھر فائرنگ کرتے گز رکھے... عرش پر کھڑے افراد میں سے چند اچھل اچھل کر پانی میں جا گئے... لیکن اس میں لڑاکا طیاروں کے پائلوں کا کوئی قصور نہیں تھا... پھر اس سے پہلے کہ وہ چوتھی مرتبہ حملہ کرتے... انہیں ہدایات مل گئیں اور وہ جہاز کے اوپر چکر کاٹنے لگے... اور چند لانچیں جہاز کی طرف بڑھنے لگیں... ان پر سے اعلان کیا گیا:

”تم لوگ ہتھیار گراو... ورنہ طیاروں کی فائرنگ سے جاہ کر دیے جاؤ گے اور سب کے سب سمندر کی دریں پہنچ جاؤ گے۔“

انہوں نے جلدی جلدی ہتھیار پھینک دیے:

”اب تم لوگ ہاتھ اور پر اٹھائے، منہ دوسرا طرف کر کے اس جگہ سے عرش کے دوسرا سرے پر چلے جاؤ۔“ انہیں ہدایات دی گئیں۔ انہوں نے اس پر بھی عمل کیا... اس طرح سب کو گرفتار کر لیا گیا... اور ان کے ہاتھ کر نہیں رہے تھے... پھر اچانک فضا میں طیارے غمودار ہوئے اور جہاز پر فائرنگ

”ہوں! لھیک ہے... میں اپنی فضائی حدود میں لڑاکا طیارے بھیجا دیتا ہوں...“

”بہت بہت شکر یہ۔“

”آپ نے سننا... ہمارا کیا پروگرام ہے۔“

”ان حالات میں اس سے بہتر طریقہ کوئی ہو بھی نہیں سکتا...“

ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا۔

”اور ایسے طریقے ہم نے اپنے دوست خان رحمان سے سنے ہیں۔“

”وہ... وہ کون ہیں...“

”ایک ریٹائرڈ فوجی... یہ رہے ہمارے ساتھ۔“

خان رحمان مسکرا دیے... اب لانچ پر ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا... ساتھ ساتھ وہ جہاز کی پوزیشن کو دیکھتے رہے... جہاز بدستور ان کا تعاقب کر رہا تھا... جب کہ پہلے ایسا نہیں تھا... پہلے وہ ان سے نزدیک ہو بنے کے لیے ان کی سیدھی میں آ رہا تھا... پھر جو نیکی لانچ کا رخ بدلتے دیکھا، انہوں نے بھی جہاز کا رخ ریاست کی طرف کر دیا۔ انہوں نے دیکھا ڈرائیور لانچ کو تیز چلا نے میں اپنی پوری مہارت صرف کر رہا تھا... اس کی پوری کوشش کے باوجود جہاز کا اور لانچ کا درمیانی فاصلہ بڑھ رہا تھا... آخر ڈرائیور نے اعلان کیا:

”وہ مارا... ہم ریاست کی فضائی حدود میں داخل ہو چکے ہیں... یہاں ہمارے طیارے اس کی خبر لے سکیں گے۔“

”یہ ہوئی نباتت۔“ وہ بول اٹھے۔

جہاز الحجہ بہ لامہ لانچ سے نزدیک ہو رہا تھا... لیکن اب وہ فکر مند نہیں رہے تھے... پھر اچانک فضا میں طیارے غمودار ہوئے اور جہاز پر فائرنگ

ڈرائیور نے لائچ کی رفتار پڑھا دی... اور اس طرح وہ اس جہاز سے دور ہوتے چلے گئے... یہاں تک کہ اس سے بہت آگے نکل گئے... اس وقت انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... لیکن ان کا یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار رہ رکا۔ اس بار انہوں نے جو منتظر رکھا... وہ ان کے لیے زندگی کا سب سے عجیب ترین منظر تھا۔

☆☆☆☆☆

کے پیچے باندھ دیے گئے... اب وہ جہاز کے عرش پر آگئے: ”ہاں دوستوا! اب بتاؤ... تم لوگ کون ہو... اور کیا ارادے تھم لوگوں کے۔“

”ہم تو بس ڈاکو ہیں۔“

”اور یہ جنگی جہاز؟“

”یہ بھی ہم نے فوجوں سے چھینا تھا... اس وقت سے ہم اس کے ذریعے ڈاکے ڈالتے ہیں...“

جہاز کی ملاشی لی گئی... بہت دولت ان کے ہاتھ گئی... ڈاکوؤں کا بیان بھی درست ثابت ہو گیا... اس طرح انہوں نے جہاز اور سارا مال اپنے دوست صدر کے حوالے کیا اور ایک بار پھر دہاں سے روانہ ہوئے... اس مرتبہ پائچ گھنٹے تک وہ بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتے رہے... پائچ گھنٹے بعد انہیں ایک جہاز نظر آیا... وہ ایک بار پھر گھبرا گئے... جہاز ان سے کافی دور دائیں طرف تھا... لیکن اس کا رخ انہی کی طرف تھا:

”لو بھی... ایک اور جہاز... اب اس کا کیا کریں۔“

”پہلے تو ان کے ارادے معلوم کرتا چاہیں... تبھی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔“

”ٹھیک ہے... ویسے کیا ہم اس جہاز سے کنی کتر اکر نکل سکتے ہیں... یہ تو جنگی نہیں ہے۔“

”ہاں اباکل نکل سکتے ہیں۔“

”بس تو پھر ایجھنے کی کیا ضرورت ہے... ہم لگکے چلتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

سرخی

”بے کیا... یہ تو آگے جا رہی ہے۔“

”جی ہاں! اور اس کا مطلب صرف اور صرف ایک ہے۔“

”اور وہ کیا؟“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”لائچ کسی انجامی طاقت کے کنٹرول میں ہے، وہ طاقت لائچ کو اس سمت میں کھینچ لیے جا رہی ہے اور اس سمت میں وہ پہاڑ ہمارے راستے میں کھڑا ہے۔ اسی پہاڑ کو دیکھ کر ہم نے لائچ روکنے کے لیے کہا تھا...“

انہوں نے دیکھا پہاڑ اپنی جگہ کھڑا تھا... اس کا اوپر والا سر انظر نہیں آ رہا تھا... گویا پہاڑ کی چوٹی نظر نہیں آ رہی تھی... یونچ سے وہ زیادہ چوڑا نہیں تھا، یوں لگتا تھا جیسے ایک بہت چوڑا ستون سیدھا اور امتحنا چلا گیا ہے اور ان کی لائچ پوری رفتار سے اسی کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ لائچ ڈرائیور کے کنٹرول سے باہر تھی۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ تھا کہ لائچ اسی سے کوئی دم کلرا نے والی ہے... ان سب کے چہروں پر پریشانی کے آثار اب صاف نظر آ رہے تھے:

”ہم... ہم اب کیا کر سکتے ہیں۔“ پر دیسرا اور دھبرا کر بولے۔

”کچھ بھی نہیں۔“

”تو پھر کیوں نہ لائچ سے چھلانگیں لگا دیں... اس طرح ہم اس زبردست جھٹکے سے نجات جائیں گے... جو لائچ کے کلرانے سے لگے گا... پانی میں تو ہم اس صورت میں بھی گریں گے۔“

”ہاں! اب بھی کرنا ہو گا۔“ اسپکٹر کامران مرزا کھونے کھوئے انداز میں بولے۔

”اور پھر... اس کے بعد؟“ شوکی کے منہ سے لکلا۔

”لائچ کو روک لو۔“ انہوں نے اپنے ڈرائیور سے کہا۔

”جی اچھا،“ اس نے کہا اور لائچ بند کر دیا... لیکن لائچ اسی طرح آگے بڑھتی رہی... انہوں نے خیال کیا، ظاہر ہے، کافی رفتار پر چل رہی تھی۔ لائچ بند ہونے پر بھی کچھ دور تو آگے جائے گی... لیکن دو مشت گز ریگے اور لائچ تدر کی تو انہیں حیرت ہوئی۔

”کیا بات ہے... لائچ روک کیوں نہیں رہی؟“

”میں اسے جام کر چکا ہوں... لیکن اس کا آگے بڑھنا رک نہیں رہا۔“ ڈرائیور نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”حیرت ہے... کمال ہے... بھلا ایسا کیوں ہو رہا ہے۔“ اسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”میں خود حیران ہوں... یہ میری زندگی کا عجیب ترین واقعہ ہے۔“

”تب پھر لائچ مشارکت کریں اور اسے پیچھے لے چلیں۔“

”جی اچھا۔“

اب اس نے لائچ مشارکت کیا... اور لائچ کو یورسی گیریں ڈال دیا... انہوں نے دیکھا... لائچ بدستور آگے جا رہی تھی۔

”اس کے بعد... اس کے بعد کیا؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”اس کے بعد کیا ہوگا۔“

”اس کے بعد وہی ہوگا... جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا... چھلانگ میں تو لگانا ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے... ہم تیار ہیں... اس سے پہلے کہ لائج اس ستون نما پہاڑ یا پہاڑ نہ استون سے گرانے... ہم چھلانگ میں لگادیں گے۔“

”ٹھیک ہے... سب تیار ہیں۔“

”لیکن...“ ایسے میں ڈرائیور کے حصہ سے نکلا۔

”لیکن... یہ آپ ان حالات میں ایک عدد لیکن کہاں سے لے آئے۔“

”لیکن... میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا... صدر صاحب کی ہدایات ہیں... میں آپ لوگوں کو بچانے کے لیے جان تودے دوں... لیکن آپ کوئی نقصان نہ پہنچنے دوں۔“

”آپ اب کہی کیا سکتے ہیں... لہذا ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں... آپ بھی چھلانگ لگادیں۔“

”نہیں... میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا... کشتی کے گرانے سے اگر میری جان جاتی ہے تو جائے... ڈوب کر جاتی ہے تو جائے... لیکن میں آخر وقت تک کشتی سے نہیں اتروں گا۔“

”لیکن اس کا فائدہ،“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

”فائدے اور نقصان کی بات سوچنا میرا کام نہیں... جس نے مجھے آپ لوگوں کے ساتھ بھیجا ہے... اس کا کام ہے... لہذا آپ اترنا چاہتے ہیں،“

اتر جائیں... میں نہیں اتروں کا... حادی... تم بھی چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”نہیں فہر صاحب! میں آپ کا ماتحت ہوں... آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔“

”اوہ... اس کا کوئی فائدہ نہیں... پاہنچ پن ہے... پانی میں کوہ جانے کی صورت میں ہم تیرنے کے قابل رہیں گے... ہو سکتا ہے... تیرتے ہوئے کسی جزیرے پر پہنچ جائیں جب کہ لائق۔“ تون سے گرانے کے بعد تم ہوش میں رہتے بھی ہو یا نہیں... کچھ نہیں کہا جا سکتا... اس لیے مناسب بھی ہے کہ تم دونوں ہمارے ساتھ چھلانگ لگادو۔“

”یہ نہیں ہوگا...“

”لیکن...“ انسپکٹر جمیل نے سخت لمحے میں کہا۔

”لیکے! اب آپ ایک عدد لیکن اٹھالائے... شجائے کہاں ہے۔“ فاروق کے حصہ سے نکلا۔

”میں ان سے یہ کہنا چاہتا ہوں... کیا صدر صاحب نے آپ کو یہ ہدایات نہیں دی تھیں کہ جو ہم کہیں، وہ کرنا۔“

”اوہ ہاں! یہ ہدایات تو انہوں نے دی تھیں۔“

”بل تو پھر ہماری ہدایت یہ ہے کہ چھلانگ میں لگاؤ۔“

اب ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی... اس پر آقتاب نے

ہٹ کر کہا:

”لگتا ہے... انکل کا یہ لیکن کار گر ثابت ہو گیا ہے۔“

”ہاں! واقعی... نہیں تو آپ کا حکم مانتا ہے۔“

”بس تو پھر چھلانگیں لگانے کے لیے تیار ہو جائیں... اس کے بعد ہماری ہر ممکن کوشش ہو گی کہ آپ دونوں کی زندگیوں کو بچائیں... یعنی اپنا خیال ہم اتنا نہیں کریں گے... جتنا تم دونوں کا کریں گے۔“

”آپ... آپ ہماری فکرمند کریں... ہم ملاج ہیں... سمندر میں بہت دیر تک تیر سکتے ہیں اور ہمیں یہ بھی اندازہ ہے کہ یہاں سے باکیں طرف اگر ہم شیرنا شروع کر دیں تو ایک جزیرہ ہمارے راستے میں آجائے گا... ہم اس پر پناہ لے سکیں گے۔“

”بہت خوب! یہ ہوئی ناپات۔“

”اور... اب ہم اس ستون سے بالکل نزدیک ہو چلے ہیں... لامیں میں مکرانے والی ہے۔“

”اوہ... اوہ...“

اور پھر ان سب نے اللہ کا نام لے کر... ضروری چیزیں جیبوں میں ٹھوں کر سمندر میں چھلانگیں لگادیں... اور لگے تیر نے... وہ باکیں طرف تیر رہے تھے... لیکن مژ مژ کر لامی کی طرف بھی دیکھ رہے تھے... اچانک لامی اس ستون سے مکرانی... لیکن کوئی دھماکا نہیں ہوا... کوئی جھکتا نہیں لگا... نہ لامی کے نکڑے ہوئے... وہ تو اس طرح آرام سے اس ستون سے جا چکی تھی... جیسے لوہے کی چیز کو مقناطیس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو:

”یہ... یہ کیا... لامی کو تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“

”تب تو ہم پھر اس پر سوار ہو سکتے ہیں... آؤ...“ اسپکر جمیل نے پروجوس انداز میں کہا۔

اب وہ سب کشتی کی طرف چل پڑے۔ لمحہ پر الجہ اس کے نزدیک

ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ لامی تک پہنچ گئے... اور باری باری اس پر سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے انجمن شارٹ کیا... اور اس جگہ سے لامی کو ہٹانا چاہا... لیکن لامی اس سے پہ ستو رپھکی رہی:

”یہ کیا... لامی تو اس سے الگ نہیں ہو رہی۔“

”اوہ...“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”یہ... یہ ستون آخر کیا بلایا ہے۔“

اچانک ستون میں سے دو ہاتھ مودار ہوئے... دونوں ہاتھوں نے لامی کو کپڑا... بالکل اس طرح جیسے کوئی انسان کسی پیالے کو پکڑ لیتا ہے اور پھر ان دونوں ہاتھوں نے اس لامی کو پانی کی سطح سے اوپر اٹھایا:

”ارسے باپ رے... یہ... یہ تو کوئی جتن ہے...“ شوکی چلایا۔

”کیا کہا... جتن۔“

”ہاں... جتن... ایسے کام تو پھر جن ہی کر سکتے ہیں۔“

اسی وقت کشتی اوپر اٹھنے لگی... وہ کسی لفت کی طرح اوپر اٹھ رہی تھی:

”یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں جتن بھائی۔“ کمھن نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”کیا کہا... جتن بھائی... حمد ہو گئی... اب یہ حضرت جن کو بھائی بنانے ہاں پر مل گئے۔“

”میں تو ہم اس وقت سمجھی رہے ہیں۔“

”جتن میاں آپ کا ارادہ کیا ہے۔“

”ہو ہو... ہو... ہاہاہا۔“ انہوں نے گویا بادلوں کے گرنچے کی آواز

تھے... ایک بار پھر انہوں نے وہی آواز سنی:

”ہو ہو ہو... ہا ہا ہا۔“

اور پھر لائق تر چھپی ہونے لگی:

”ارے ارے... یہ کیا کر رہے ہو بھائی... ہم گر جائیں گے۔“

شوکی چلا اٹھا۔

لائق اور تر چھپی ہو گئی... ان کے لیے لائق میں مٹھرے رہنا مشکل ہو گیا۔ ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ انہوں نے لائق کے کناروں کو پکڑ لیا، لیکن کب تک... جب لائق بالکل اللہ ہو گئی تو کنارے بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور وہ بہت اوپنجائی سے پانی کی طرف گرنے لگے۔ ایسے میں کئی گھٹی گھٹی چیخیں بھی سنائی دی... شاید یہ حادی اور فہد کی تھیں، کیونکہ وہ تو اس قسم کے حالات کے عادی تھے۔

ایک زور دار چھپا کے کی آواز کے ساتھ ہی وہ پانی پر گرے اور پانی ان کے جسموں کو پیچے لے گیا، پھر اس نے انہیں اوپر اچھال پھینکا... اس وقت انہوں نے فوراً تیرنا شروع کر دیا، لیکن وہ مختلف جگہوں پر گرے تھے... کسی کو کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا... انہوں نے نظریں گھما کر دیکھا... توستون نظر نہ آیا... اب تو وہ چکرا گئے... کیونکہ ستون کو دیکھ کر وہ باہمیں طرف کارخ کر سکتے تھے... لیکن اب ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا...

اب انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ جزویہ کس سمت میں ہے... اور چونکہ پانی میں تھے... لہذا تیرنے کے سوا کچھ کرہی نہیں سکتے تھے... تاہم اس وقت انہوں نے ایک کام کیا... ہوا کے رخ پر تیرنے لگے... کیونکہ ہوا کے مخالف سمت میں تیرنا اور زیادہ مشکل ہوتا۔ اس طرح وہ بہت جلد تھک جاتے۔

سی۔

”یہ... یہ آپ کی آواز ہے... یا بادل گر جے ہیں۔“ آفتاب نے ہاگک لگائی۔

”ہو ہو ہو... ہا ہا ہا۔“ اس نے پھر کہا۔

”اس جملے کا ترجمہ تو کر دیں... اب ہمیں کیا پتا... یہ کون سی زبان کے الفاظ ہیں... اگر یہ جمالی زبان ہے تو ہم نہیں جانتے جمالی زبان۔“ فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

”کچھ بھی ہو... ان صاحب کے ارادے تھیں نہیں ہیں... ورنہ یہ لائق کو پانی کی سطح سے اتنا اوپنجا کیوں اٹھاتے۔“ پروفیسر داؤڈ نے کہا۔

”شش شاید... یہ حضرت ہمیں جنوں کے دلیں میں لے جانا چاہتے ہیں اور وہاں لے جا کر یہ ہمیں مکھیاں بنادیں گے... جیسا کہ پرانے زمانے کی کہانیوں میں ہوتا تھا...“

”تو پہ کرو بھائی... تو پہ... اللہ کو یاد کرو...“

”یہ تو خیر کام کی بات کہی تم نے... ان حالات میں اللہ کو یاد کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔“

اور وہ لگے اللہ کو یاد کرنے... اوپر لائق مسلسل اوپر اٹھ رہی تھی... ستون اب بھی ان کی نظریوں کے سامنے تھا... اور ستون میں سے لئے ہوئے دونوں ہاتھ کششی کو اوپر ہی اوپر اٹھا رہے تھے... ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی گھلگلی بندھ چکی تھی... وہ تھر تھر کانپ رہے تھے... کسی قدر خوف انہیں بھی محسوس ہوا تھا... کیونکہ اس وقت وہ خود کو مکمل طور پر بے بس محسوس کر رہے تھے... حالات کے رحم و کرم پر تھے... خود کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں

جیرے تک وہ تین ہی پیچے سکے تھے... جلد ہی ان دونوں نے آنکھیں کھول دیں... ان کی طرف دیکھ کر وہ دھیرے سے مکارے... اور پھر ایک ساتھ انہوں نے کہا:

”اور ہمارے باتی ساتھی۔“

اور جب انہوں نے انپکٹر جمیش کو خاموش پایا تو ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... وہ بولے:

”نہ... نہیں... نہیں۔“

میں اس لمحے جیرے کے درمیان سے ایک خونثاک آواز

سنائی دی:



وہ تیرتے چلے گئے... تیرتے چلے گئے... کوئی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا... سب ایکلے ایکلے تیر رہے تھے... ان حالات میں امید کا دامن کمی پار چھوٹا محسوس ہوا۔ ایسے میں انہوں نے اللہ کا ذکر شروع کر دیا...

اور پھر تیرتے تیرتے... وہ بے ہوش ہو گئے... انپکٹر جمیش کی آنکھ کھلی تو وہ ایک ساحل پر پڑے تھے... انہوں نے سراخایا... تو جزو یہ نظر آیا... پل پھر کے لیے انہیں خوشی کا احساس ہوا، لیکن پھر خوشی کا یہ احساس غم میں بدلت گیا... کیونکہ اپنے بچوں اور باتی ساتھیوں کا خیال آگیا تھا... وہ اٹھے اور جیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے... تاکہ کوئی اور ساتھی ساحل پر پڑا ہو تو معلوم ہو جائے... انہیں دور سے ایک جسم پڑا نظر آیا... ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی... وہ لگے دوڑنے... نزدیک پہنچے تو وہ آفتاب تھا... انہوں نے فوراً کہا:

”یا اللہ! تیرا شکر ہے... ایک ساتھی تو ملا...“

اب انہوں نے آفتاب کو ہوش میں لانے کی کوشش کی... لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں تو وہ اسے اٹھا کر ایک درخت کے نیچے لے آئے... اسے الٹا لٹا کر اس کے پیٹ سے پانی لکائے کی کوشش کرنے لگے، لیکن اس کے پیٹ میں پانی نہیں تھا... اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تیرتے ہوئے ہی یہاں تک آ گیا تھا، لیکن پھر تھکن سے بے ہوش ہو گیا ہو گا۔

اب انہوں نے اسے تو وہیں چھوڑا اور ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑتے چلے گئے... جلد ہی انہیں شوکی نظر آیا... انہوں نے ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور اسے اٹھا کر آفتاب کے پاس لے آئے... اس کے بعد انہوں نے باتی ساحل کا چکر لگا دیا... لیکن کوئی اور ساتھی نظر نہ آیا۔ اس کا مطلب تھا، اس

نیکوٹال

”وہ... وہ دیکھئے انکل جہاز۔“ شوکی نے چلا کر کہا۔

انہوں نے اس سمت میں دیکھا... ایک جہاز جزیرے کی طرف

بڑھ رہا تھا:

”اللہ کا شکر ہے... کوئی چیز تو نظر آئی۔“

”لیکن ہو سکتا ہے... یہ کوئی دشمن جہاز ہو۔“ شوکی بولا۔

”کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا... جزیرے سے تو بہتر رہے گا

۔۔۔
نا۔“

”ہاں... بالکل۔“

انہوں نے کپڑے ہلانے شروع کر دیے... ان کے پاس آگ جلانے کے لیے کچھ نہیں تھا... سب پائی میں بھیگ چکا تھا... اس لیے آگ جلانے کے لیے کچھ نہیں تھا... سب پائی میں بھیگ چکا تھا... اس لیے آگ جلا کر دھواں نہ دکھا سکے... تاہم جہاز کا رخ تو پہلے ہی جزیرے کی طرف تھا... اس لیے انہیں اطمینان تھا کہ جہاز جزیرے کے پاس ہی سے گزرے گا... اس لیے یہ ہوئیں سکتا کہ وہ لوگ انہیں قد دیکھیں:

پھر جہاز قریب آگیا... اور جزیرے کے پاس لگراہداز ہو گیا:

”عرش پر کھڑے ایک باور دی آدمی نے چیکر پر کہا：“

”تم لوگ کون ہو... اور اس جزیرے پر کہے پہنچ۔“

”ہماری لائچ ڈوب گئی ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”لائچ... سمندر میں لائچ بھلا کہہ سکتے کام آسکتی ہے۔“ اس کے

لائچ میں حیرت تھی۔

”ہمیں اپنی ریاست سے ایک ملک تک جانا تھا... لیکن... وہ ایسا

انپکٹر کامران مرزا کی آنکھیں کھلی تو انہوں نے خود کو ایک ساحل پر پڑے پایا... وہ جلدی سے اٹھ یعنی... انہوں نے دیکھا، ان کے پاس محمود بے ہوش پڑا تھا اور اس سے کچھ فاصٹے پر مکحن پڑا تھا... انہوں نے سوچا، شاید کوئی اور ساتھی کہیں اور پڑا ہو... چنانچہ انہوں نے وہاں سے دوڑ لگا دی... وہ دوڑتے چلے گئے، لیکن کوئی اور ساتھی نظر نہ آیا، آخر تھک کر واپس اس جگہ آئے جہاں وہ دونوں پڑے تھے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے گہرے گہرے وہاں ان کے پاس ہی پروفیسر داؤد بھی پہنچ چکے تھے۔ وہ بھی بے ہوش تھے۔

انہوں نے انہیں ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دیں... جلد ہی ان تینوں نے آنکھیں کھول دیں:

”بب باقی ساتھی کہاں ہیں۔“ پروفیسر داؤد کے مدد سے نکلا۔

”مجھے کچھ معلوم نہیں... اس جزیرے پر تو آپ ہی مجھے مل سکے ہیں۔“

”اوہ... اوہ... اب کیا ہو گا...“

”اللہ پر بھروسہ رکھیں... اللہ بہت کا رساز ہے... وہ ہمیں ضرور

ملائے گا۔“

گی۔“

”ضرور دے دیجیں گے۔“
”اوکے۔“

اب جہاز کی طرف سے ایک کشی بھی گئی... انہیں اس پر سوار کر کے جہاز کے عرضے پر پہنچا یا گیا... یہاں جہاز کا کپتان ان کے استقبال کے لیے تیار کھڑا تھا... اس کے ہاتھ میں پستول تھا... جب کہ اس کے دس ساتھی رانقلین ان کی طرف تارنے کھڑے تھے:

”ہاں تو سب سے پہلے بات ہو جائے معاوضہ کی... اگر ہم تم لوگوں کو کسی محفوظ ساحل پر پہنچا دیں... جہاں سے تم اپنے ملک تک جاؤ کو تو اس کام کے بدالے میں تم ہمیں کیا دے سکتے ہو؟“

”بہت کچھ۔“

”پہلے تو آپ لوگوں کی تلاشی لی جائے گی۔“ کپتان نے کہا۔

”ضرور لے لیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

چاروں کی تلاشی لی گئی... کچھ بھی نہ لکھا... یہ دیکھ کر ان لوگوں کے منہ بن گئے... کپتان نے تو جلاتے ہوئے انداز میں کہا:

”تم لوگوں کے پاس تو کچھ بھی نہیں... ہمیں کیا دو گے۔“

”آپ لینے والے بیش۔“

”کیا!!!“

”تیرے۔“ ایکٹر کامران مرزا مسکرا رہے۔

”جھوٹ... غلط... فضول... جب تم لوگوں کے پاس ہیرے ہیں اُنہیں تو دو گے کہاں سے۔“

”اگر ہم آپ کو ہیرے نہ دیں تو آپ ہمیں اٹھا کر سمندر میں پھینکے گے، اکوئی نہیں ہو گا... ہم تم سب کو سمندر میں دھکا دے دیں گے۔“

”خیر... تمہارا تعلق کس ملک سے ہے۔“ اس نے پوچھا۔

اس لمحے اس سوال کا جواب دینا ایکٹر کامران مرزا کو بہت مشکل لگا... اگر وہ کہتے کہ ان کا تعلق پاک لینڈ سے ہے تو اس بات کا امکان نہ ہوا... ان کی حکومت نے ان کے بارے میں اخبارات میں کچھ شائع کرادیا ہوا... اگر وہ دوست صدر کی ریاست کا نام بتاتے تو بھی بات صدقی... اب وہ جواب دیتے تو کیا... آخر ہمیں اس وقت انہیں ایک آزاد ریاست کا خیال آگیا... اس ریاست میں پوری دنیا کے لوگ آزاد نہ آباد تھے... کوئی روک نہ کیا تھی... چنانچہ انہوں نے فوراً کہا:

”ہمارا تعلق ایسا سے ہے۔“

”خوب خوب ا تم لوگ جہاز پر آ سکتے ہو... لیکن سوال یہ ہے کہ تم بطور معاوضہ ہمیں کیا دے سکتے ہو۔“

”آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کو کافی کچھ دے سکتے ہیں... لیکن۔“

”میں اس لیکن کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اس سلسلے میں آپ کو ہماری کچھ مدد کرنا ہو گی۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”کیا آپ جہاز کے کپتان ہیں۔“

”ہاں ابھی بات ہے۔“

”تب پھر سنئے... ہم آپ کو آپ کی امیدوں سے زیادہ دے سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... لیکن اگر یہ بات بزرگ ثابت ہوئی تو پھر مجھے کوئی نہیں ہو گا... ہم تم سب کو سمندر میں دھکا دے دیں گے۔“

دیں... ہیرے دے دیں تو ساحل پر پہنچا دیں۔“

”بات معقول ہے... نکالو پھر ہیرے۔“

”پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں۔“

”اور وہ سوال کیا ہے؟“

”کیا اس جزیرے کے آس پاس کوئی اور جزیرہ ہے؟“

”کوئی ایک جزیرہ... سمندر کے اس حصے میں تو کوئی جزیرے ہیں۔“

اس نے بتایا۔

”اوہ... اوہ... تب تو مزہ رہے گا۔“ پروفیسر داؤڈ بول اٹھے۔

”کیا کہا... مزہ رہے گا... وہ کیسے۔“

”بھی مزے کا کیا ہے... وہ تو کسی طرح بھی آلتا ہے۔“ پروفیسر داؤڈ مسکراۓ۔

”پتا نہیں آپ کیا کہ رہے ہیں... صاف صاف بات کریں۔“

”پستان صاحب... صاف صاف بات یہ ہے کہ ہمارے چند ساتھی اور ہیں... ہم ایک لائق میں تھے... لائق الٹ گئی تھی... ہم چار اس جزیرے پر آگئے... دوسرے آس پاس کے کسی جزیرے پر ہوں گے... اگر آپ تھوڑی سی مدد کریں تو وہ لوگ بھی ہمیں مل جائیں گے... اس کے بعد ہم آپ کی ہیروں نے خدمت کریں گے۔“

”لیکن کہاں سے کرو گے... ہم تلاشی لے چکے ہیں... تم لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“

”آپ نے نیگوٹال کا نام سنائے۔“ کامران مرزا بول اٹھے۔

”نیگوٹال... کیا مطلب؟“ وہ نور سے اچھا۔

”آپ سوال کا جواب دیں۔“ انسپکٹر کا مردانہ مسکراۓ۔

”ہاں امیں چاہتا ہوں... وہ افریقہ کا ایک علاقہ ہے... جو ہیرے کی کافوں کے لیے مشورہ ہے۔“

”بہت خوب بھی میں سننا چاہتا تھا آپ سے... ہمارے ان ساتھیوں میں ایک ساتھی ایسا ہے... جو نیگوٹال کی دس ہیرے کی کافوں کا اکیلا ایک ہے۔“

”کیوں گپ ہائک رہے ہیں۔“

”اور اس کے پاس بہت سے ہیرے ہر وقت موجود رہتے ہیں... اگر میری بات غلط ثابت ہوئی تو میری گردن اڑادیں... بس آپ ان جزیروں کی تھیں لے چکیں۔“

”اچھی بات ہے... لیکن اتنا سن لیں... بات غلط ہونے کی صورت میں تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

اور پھر جہاز وہاں سے روانہ ہوا... کچھ دری بعد وہ ایک جزیرے پر تکش کے... وہاں انسپکٹر جمشید، آفیڈ اور شوکی موجود تھے... انہیں بھی سوار کر لیا گیا:

”ان میں سے ہیرے کس کے پاس ہیں۔“

”وہ ساتھی ان میں نہیں ہے... ہمیں ایک دوسرے جزیرے پر دیکھنا پڑیں گے۔“

”جزیرے پر لٹھنے والے دیکھ لیں گے... اور پھر انہیں اپنے بھائیوں کو پہنچانے پڑے گے۔“

لیکن ساتھی پر دیکھ لیا گیا۔

سے بولائی۔

”بالکل صحیک کہا جشید۔“ خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

”یہ بات نہیں ہوئی تھی... اپنے ساتھی سے پوچھ لیں۔“ کپتان نے مشہد نایا۔

”یہ صحیک ہے... لیکن آپ نے وحدہ کیا ہے... کہ ہمیں کسی ساحل پر اتار دیں گے۔“

”بالکل... بالکل... تم لوگ فکر نہ کرو۔“

”خان رحمان... انہیں چار عدد ہیرے دے دو۔“

”کیا کہا... چار عدد... یہ بات نہیں ہوئی تھی۔“ کپتان نے چلا کر کہا۔

”تب پھر کیا بات ہوئی تھی۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”تمام ہیرے دینا ہوں گے۔“

”اچھی بات ہے... خان رحمان... انہیں سب ہیرے دے دیں۔“

انہوں نے خفیہ جیب سے ہیرے نکال کر سردار کی طرف بڑھا دیئے... وہ ان کی چمک دمک دیکھ کر چونک اٹھا... لیکن پھر بولا:

”کیا خبر ایسی تلقی ہیرے ہوں۔“

”جی نہیں... دیکے آپ اپنا اطمینان کر لیں۔“

”شر جوں کو بلاو۔“ کپتان نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

اس نے دوڑ لگادی... اور بیڑھیاں اترتے ہوئے غائب ہو گیا... ہلدتی اس کی واپسی ہوئی۔ اس کے ساتھ بہت بڑے بالوں والا ایک

آدمی تھا:

”اگر ہمارے وہ ساتھی مل گئے تو ہیرے آپ کو ضرور مل جائیں

گے۔“

”تمہاری باتوں پر شہزادے کیوں یقین نہیں آ رہا۔“

”تب پھر سن لیں... میں اس ساتھی کا حلیہ بتائے دیتا ہوں۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“

انہوں نے خان رحمان کا حلیہ بتا دیا... ان کا نام بھی انہیں دیا... اب وہ پھر رداٹ ہوئے... اور آخر ایک جزیرے پر باقی لوگ مل گئے۔ اب تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی... وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملے۔ البتہ ان میں حمادی اور فہر نہیں تھے۔ ان کی تلاش کے لیے باقی جزیرے پر دیکھے گے، لیکن وہ نہ ملے۔ اب کپتان کی نظریں خان رحمان پر جنم گئی تھیں... وہ بولا:

”تو یہی ہیں وہ۔“ اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب؟“ خان رحمان چوکے۔

”ہمارا ان کا ایک سوداٹے ہوا ہے... ہم تک جزیروں پر پھر پڑے تھے... ہم نے ان سے بات کی... یہ کہنے لگے... اگر وہ ہمیں ایک جمیع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں کیا ملے گا۔ اس پر میں نے کہہ دیا کہ آپ ہیرے طلبیں گے... خان رحمان... میں نے ان سے غلط تو نہیں کہا۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”بالکل نہیں۔“ وہ چکے۔

”تب پھر نکالیں وہ ہیرے۔“ کپتان پہنچا شہ بولے۔

”ہیرے تو ہم آپ کو ساحل پر پہنچ کر دیں گے۔“ انسپکٹر جمشید جلدی

”شرجون حاضر ہے۔“

”مسٹر شرجون... ذراں ہیروں کا جائزہ لینا۔“

”بہت بہتر ماسٹر۔“ اس نے کہا اور ہیروں پر جٹ گیا... پھر وہ

اچھل پڑا۔ اس کے منہ سے نکلا:

”آف ای یو بہت قیمتی ہیرے ہیں۔“

”کیا واقعی۔“

”آپ سوچ بھی نہیں سکتے ماسٹر۔“ شرجون نے کہا۔

”بہت خوب! لاڈ بھی... ہیرے مجھے دے دو۔“

اس نے ہیرے کپتان کو دے دیے:

”م... مجھے اجازت ہے ماسٹر... یہ میرا آرام کرنے کا وقت

ہے۔“

”ہاں! ٹھیک ہے... تم جاؤ۔“ کپتان بولا:

وہ لگامڑ نے، اسی وقت فرزانہ کی آواز لہرائی:

”ولیکن مسٹر شرجون! آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چوک کر مڑا۔

”میں نے کہا، آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔“

”ایڑکی! تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”تم نے تمام ہیرے کپتان کو نہیں دیے... ایک اپنے پاس رکھ لیا

۔۔۔۔۔

”کیا!!“

کپتان چلا اٹھا۔

ٹائب

اس کی نظریں شرجون پر جم گیئیں... پھر وہ سائب کی طرح

پہنکارا:

”یہ... یہ میں نے کیا سنائے شرجون۔“

”ایڑکی غلط کہہ رہی ہے ماسٹر۔“ شرجون نے بھٹائے ہوئے انداز

میں کہا۔

”ہیرا برآمد کرنا میرا کام ہے۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”ایڑکی از پان سنبھال کر بات کرو... تمہیں نہیں معلوم... ماسٹر کے

زدیک میری کیا حیثیت ہے۔“

”اس صورت میں تمہیں ماسٹر کو دھوکا نہیں دینا چاہیے تھا۔“

”اور میں نے انہیں دھوکا نہیں دیا۔“

”لیکن شرجون... تم نے سنائیں... یہ کہہ رہی ہے... یہ ہیرا برآمد

کر سکتی ہے۔“

”تب پھر یہ ایسا کر دکھائے ماسٹر۔“

”ایڑکی... بتاؤ... ہیرا اس نے کہاں چھپا یا ہے۔“

”بائیں طرف کی جیب میں۔“

”تم اس کی جیب کی ملاشی لو۔“ کپتان نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

اس نے آگے بڑھ کر اس کی جیب میں ہاتھ دال دیا۔ باہر
باہر نکلا تو اس میں ہیرا موجود تھا:

”شرجون! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

اب شرجون خاموش کھڑا تھا۔ اس کے پہرے پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا جارہا تھا۔ آخر اس نے کہا:

”شاید! یہ اس لڑکی کی شرارت ہے۔“

”کیا مطلب... بھلا اس کی شرارت کیسے ہو سکتی ہے... یہ تو اپنی جگہ کھڑی رہی ہے اور تم اس سے کافی قاطلے پر تھے... اب یہ نشانہ لے کر ہمراہ تھہاری جیب میں تو پھینک نہیں سکتی تھی۔“

”ان لوگوں نے کوئی شکوئی چکر ضرور چلا�ا ہے... تاکہ آپ کی نظرؤں میں ان کی جگہ بن جائے۔“

”میں اس بات کو مانتے پر تیار نہیں... اب تم سزا بھگتے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پکڑ لو اسے اور لٹا دو اور شے پر۔“

”نن... نہیں ماشر نہیں... میں تھہارا بہت پرانا ساتھی ہوں... یاد کرو... کب سے میں...“

”خاموش...“ کپتان گرجا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے بولا:

”گولیوں سے چھلنی کر دو اسے۔“

”ایک مشت ماشر... تم مجھے موت کے گھاث اٹا رہے ہو... ہیرے کس سے چیک کرایا کر دے گے۔“

”میں کوئی اور آدمی تلاش کرلوں گا۔“ کپتان بے رحمی سے بولا۔

”رحم کرو... ما ستر حرم... مجھے معاف کرو... مجھے سے غلطی ہو گئی۔“

”تم جانتے ہو... ہمارے ہاں معافی نام کی کوئی چیز نہیں ہے... چھلنی کر دو اسے...“

”ماشر... کہیں ماشر... میں نے تمہاری کتنی خدمت کی... ڈاکو

کہیں کے تم لوگ سن لو... جو میری موت کا سبب بنا رہے ہو... یہ سب کے

سب ڈاکو ہیں۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے... ہیرے لے کر تمہیں کسی ساحل

نہیں بچنا گیں گے۔“

”کیا!!!“ وہ ایک ساتھ چلا اٹھے۔

کپتان فوراً ان کی طرف مزاں

”انہیں نشانے پر لے لو۔“

نشانے پر وہ پہلے ہی تھے... اب فوزی طور پر ان کے گرد اور

بیارہ لوگ آ کھڑے ہوئے:

”کیا شرجون کی یہ بات صحیک ہے... تم لوگ بھری ڈاکو ہو... یہ

جاڑی ڈاکوں کا ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے... لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے... تم

ووں کو موت کے گھاث اٹا راجانا تھا... سوا اساریں گے... ابھی اور اسی وقت

اٹا ریں گے۔“

”جب پھر پہلے شرجون کو ہلاک نہ کریں۔“ ایسے میں فاروق کی آواز

لکی۔

”کیا مطلب؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”ہم میں سے کسی کا اس سے مقابلہ کرائیں... موت اور زندگی مقابلہ... اگر یہ ہم میں سے کسی کو نکست دے دے... یعنی اسے جان سے ڈالے تو اسے چھوڑ دیا جائے... ورنہ یہ ہم میں سے کسی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔“

”بات دلچسپ ہے۔“ کپتان مسکرا یا... پھر اس نے شرجون طرف رخ کر کے کہا:

”کیوں... کیا تم ان میں سے کسی سے مقابلہ کر دے گے؟“

”ہاں کیوں نہیں... انہی کی وجہ سے تو میں موت کے منہ میں ہوں... اچھا ہے... ان میں سے ایک آدھ کو خشم کروں۔“

”ٹھیک ہے... اسے چھوڑ دو... چلو بھی... تم میں سے کون اس مقابلہ کرے گا، لیکن پہلے یہ جان لو... یہ بہت لاکا قسم کا آدمی ہے... اس ساری زندگی سندھر میں ڈاکے ڈالنے کی رگنی ہے... لڑائیوں بھڑائیوں میں وقت گزرا ہے... میرا مطلب ہے، اسے معمولی آدمی شہ خیال کرنا۔“

”آپ نے اچھا کیا... بتا دیا... ورنہ ہم تو خیال کرتے کہ اس نکست دینا کیا مشکل کام ہے... فاروق! یہ تجویز تم نے پیش کی ہے... لہذا ہم مقابله کرو۔“

”نج... نج... یہ آپ نے کیا کہہ دیا... میں اور اس قدر ڈویل ڈالے آدمی سے مقابلہ کروں گا...“ فاروق بوکھلا اٹھا۔

”اور مقابلہ بھی زندگی اور موت کا... شرجون اگر اس مقابلے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے... ما سٹر اس کی جان بخشی کرنے پر مجبور ہو گا... لہذا یہ توڑے گا جان توڑ کر... ورنہ دوسرا صورت میں موت اس کا مقدر ہے۔“

گی۔“ آفتاب نے ہستے ہوئے کہا۔

”تو داشت کیوں نکال رہے ہوئے“ فاروق جل گیا۔

”یہ لو... میں نے داشت بند کر لیے... مقابلہ تو تمہیں اب کرنا ہو گا... بزرگیں کے۔“ آفتاب بھٹکا اٹھا۔

”انتہے بہادر ہو تو تم کر لوئا اس کا مقابلہ۔“

”انکل مجھے حکم دیں گے تو میں کروں گا۔“ اس نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”نہیں آفتاب... اس سے فاروق مقابلہ کرے گا۔“ انہوں نے گویا اعلان کیا۔

اس وقت تک شرجون اٹھ کر مقابلے کے لیے تیار ہو چکا تھا... اور گویا اپنے م مقابلہ کا انتظار کر رہا تھا:

”فاروق کچھ خیال کرو... تمہارا مقابلہ تمہارا انتظار کر رہا ہے... جتنی تم دیر کر دے گے... اتنا ہی وہ شیر ہو گا...“ محمود نے گویا اسے خبردار کیا۔

”سب لوگ مجھے ہی بھیجنے پر ٹل گئے ہیں... دور دور تک کوئی میرا ہمدرود نظر نہیں آ رہا۔“

”ایسی بات نہیں فاروق... تم پسند کرو تو میں اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ اپنے میں فرحت نے جلدی سے کہا۔

”شکریہ فرحت... فرزانہ کو دیکھو... ذرا جو اس نے کوئی اپنا بیت دکھائی ہو۔“

”اوہ بھی یہ بات نہیں... ایسا جان تمہیں بھیجننا چاہتے ہیں تو ضرور اس کی کوئی وجہ ہے۔“

”نہیں! فاروق ہی مقابلہ کرے گا۔“

”مارا گیا... غریب کا بال۔“ فاروق بولا اور باقی سب نہ پڑھے... ایسے میں اشپکٹر کامران مرزا کی نظریں کپتان پر پڑیں... اس کے چہرے پر انہیں جماعت ہی جماعت دکھائی دی... اس کی جماعت پر انہیں جماعت ہوئی... وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ یہ کس بات پر چران ہے... لیکن کوئی بات سمجھنے نہ آسکی۔

ادھر فاروق ایک ایک قدم شرجون کی طرف بڑھنے لگا... پھر مناسب فاصلے پر جا کر رک گیا:

”میرا نہیں خیال تھا کہ یہ مقابلے پر آئے گا... ماسٹر اپ دیکھیں گے، میں اسے کیسے ناک آؤٹ کرتا ہوں۔“

”اس صورت میں تمہارا قصور معاف ہو جائے گا اور تم پھر سے میرے ساتھی ہو گے۔“

”خیر یہ ماسٹر۔“ شرجون نے خوش ہو کر کہا... فاروق پر قیچ پانا سے بہت آسان لگ رہا تھا۔

”میں حملہ کرنے لگا ہوں، پھر نہ کہنا...“ شرجون نے کہا اور اس کی طرف دوڑ لگا دی، شاید اس نے سوچا کہ اس سے پورے زور سے ٹکرایا جائے گا اور وہ چاروں شانے چت گرے گا... اس کے بعد وہ اسے چکل دے گا، ادھر فاروق اپنی جگہ کھڑا تھا... اس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا... پھر جو نہیں شرجون اس کے نزدیک پہنچا... وہ چلا اٹھا:

”وہ نہیں... نہیں۔“

ویکھنے والوں کو یوں لگا کہ وہ فاروق سے بس ٹکرانے ہی والا

”کیا مطلب؟“ فاروق چونکا۔

”ماستر ایسے لوگ وقت ضائع کر رہے ہیں...“ شرجون کی آواز گونجی۔

”ہاں واقعی... چلو بھی مقابلہ شروع کرو... ورنہ میں شرجون کو حملہ کرنے کا حکم دوں گا۔“

”اُسے بآپ رے... نن... نہیں۔“ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

”اس کی تو ابھی سے شی گم ہو گی... یہ بے چارہ کیا لڑے گا... اس کی جگہ کسی اور کوچھ جو، یوں کیا زرہ آئے گا۔“

”تم نے سن افروق اخیال کرو۔“

”لگ... کیسے خیال کروں... ان حالات میں بے چارے خیالات بھی تو کوچ کر جاتے ہیں...“

”اس مقابلے کی تجویز تم نے ہی دی ہے... لہذا ب پھگتو۔“ آصف

ہنسا۔

”کے مقابلہ ہو تم۔“ فاروق چلا اٹھا۔

”بلاؤ جہ ڈر رہے ہو... یہ تو تمہارے ایک ہاتھ کی مار بھی نہیں۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”ذیل ڈول دیکھا ہے اس کا۔“ فاروق نے بھتا کر کہا۔

”اللہ تعالیٰ نے دو دو آنکھیں دی ہیں سب کو...“

”اور پھر بھی یہ کہہ رہے ہو... کہ ایک ہاتھ کی مار رہے۔“

”انکل! فاروق تو زیادہ ہی ڈر رہا ہے... اس کی جگہ مجھے حکم دیں... میں مقابلہ کروں گا اس کا۔“ آصف نے بڑا سامنہ بنایا۔

ہے اور فاروق کی صورت اس کی نگرست نہیں بچ سکتا... لیکن پھر ان سب نے عجیب مظہر دیکھا... فاروق ذرا ساترچھا ہو گیا تھا... شرجون اپنی جھوک میں آگے بڑھ گیا... پھر وہ جھلا کر پلٹا اور خوفناک انداز میں فاروق کی طرف دوڑ پڑا... فاروق نے اب ایک بیچ ماری اور بجا گئے لگا... اب سب کے سب اس دوڑ میں اس قدر محوج ہوئے کہ کسی کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا... دوڑ پوری رفتار سے جاری تھی... فاروق آگے آگے اور شرجون پیچھے پیچھے... درمیانی فاصلہ بچھا بچھا رہا تھا... یہاں تک کہ شرجون نے محسوس کر لیا... وہ فاروق کو دوڑ کے مقابلے میں نہیں ہرا سکے گا... اس تک نہیں بچھیں سکے گا... لہذا وہ رک گیا... اس کا سانس پر یہ طرح پھول چکا تھا... عرش پر موجود لوگ ان سے کافی فاصلے پر نظر آ رہے تھے... ایسے میں فاروق نے شرجون کی طرف دوڑ لگادی... کہاں تو شرجون اس کی طرف دوڑ رہا تھا... کہاں اتنا فاروق اس کی طرف دوڑ تے لگا... یہ مظہران سب نے حیران ہو کر دیکھا... نزدیک بیچ کر فاروق نے نہایت پھرتی سے سر کی نگر اس کے پیٹ میں دے مازی، وہ پیٹے ہی پیٹے دم ہو چکا تھا... نکر کھا کر گزا... ساتھ ہی فاروق اس کے سینے پر سوار ہو گیا... اس نے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر جمادیے اور پوری طرح اس پر جھک گیا... اس وقت اس نے سرگوشی کی:

”میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا... لہذا دباؤ ہمارا ہوں... لیکن تم بھی خلاہ کرو... کہ جیسے تمہارا دم نکل گیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اس نے انتہائی آہستہ آواز میں کہا۔

”ہم لوگ تمہارے ہمراور ہیں... تمہیں مارنا نہیں چاہتے... لیکن اس بات کا پتا نیال ماشر کو نہیں چلتا چاہیے... لہذا میں تمہارے گلے پر مصنوعی

دباوڈال کر اٹھ جاؤں گا، جب تک میں مصنوعی دباوڈال تار ہوں... تم تو پہنچے اور پھر کے کی اداکاری کرتے رہنا... کرلو گے یہ۔“

”ہاں... کیوں نہیں... بت... تم... تم بہت اچھے ہو۔“

”بس خاموش... ماشر کو شک نہ ہو جائے کہ ہم باقیں کر رہے ہیں... اب میں ظاہر پورا زور لگاؤں گا۔“

اور پھر فاروق کے انداز سے سے یوں لگنے لگا جیسے وہ پورا زور لگا رہا ہے... جب کہ شرجون کے گلے پر ذرا بھی دباوڈال نہیں تھا اور وہ آسانی سے سانس لے رہا تھا... تاہم اس کے جسم میں حرکت ہو رہی تھی... گویا وہ ترک پر رہا ہے، پھر کر رہا ہے۔

اور پھر فاروق اس کے اوپر سے اٹھ کھڑا ہوا... اس نے دونوں ہاتھ جھاڑ دیے... اب وہ لڑکھرانے کے انداز میں ان کی طرف بڑھا... لیکن پھر مسکرا دیا اور وہیں رک گیا... اس نے بلند آواز میں کہا:

”یہ کیا ماشر... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

”کیا دیکھ رہے ہو۔“ کپتان نے حیران ہو کر کہا۔

”میرے ساتھی نظر نہیں آ رہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ پوری قوت سے دھاڑا... اور اس طرف مڑا... جس طرف وہ سب کھڑے تھے... وہاں واقعی ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آ رہا تھا... اب جو وہ بوكھلا کر فاروق کی طرف مڑا تو پوری طرح اچھا:



اب وہ مختلف ستوں میں دوڑ پڑے... اس وقت کپتان کی
گردن ایک بارو کے شکنچے میں آگئی... ساتھ ہی سرداواز سنائی دی:
”مسٹر کپتان... عرف ماضر... اب ذرا حرکت کر کے دکھاؤ۔“
”لگ کیا... نہیں۔“ اس کے مدد سے مشکل سے یہ
الفاظ لٹکے۔

”اب دیکھو... میں ایک بہت بہلا سا جھٹکا تمہاری گردن کو دوں گا...“
بہت ہی بہلا... اتنا کہ اس سے بہلا جھٹکا شاید دیا ہی نہیں جا سکتا۔“
یہ کہ کر انپکٹر جمیش نے اسے واقعی بہت آہستہ سے جھٹکا دیا۔
اس کے مدد سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی... لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی:
”کیا خیال ہے... تارے نظر آئے یا نہیں۔“
”ہاں آئے... کیا چاہتے ہو۔“
”اب اس سے ذرا زور دار جھٹکا دینا چاہتا ہوں۔“
”نہیں نہیں... میری جان نکل جائے گی۔“
”ایسی نہیں نکلے گی... وہ تیرے جھٹکے پر نکلے گی... لو دوسرے جھٹکے
کا ترہ چکھو۔“

”نہیں نہیں۔“ وہ چلا اٹھا۔
انہوں نے اسے دوسرا جھٹکا دیا... اس مرتبہ اس کی چیخ اور
زیادہ دل دوز تھی:
”اب کیا خیال ہے... تیرا جھٹکا دوں۔“
”نہ نہیں...“ وہ کانپ گیا۔
”اچھا تو اپنے ساتھیوں کو آواز دو... ان ہے کہو... سب کے سب

مہُوما

”یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... یہ سب لوگ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے... کیا یہ لوگ جادو گر ہیں؟“ اس نے بلند آواز میں کہا۔
”ماستر! ایسا لگتا ہے... وہ مستولوں کے پیچھے چھپ گئے ہیں، لیکن
بھلا اس طرح وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں... جہاز تو سمندر میں ہے، فرار تو یہ ہو
نہیں سکتے... ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں... یہ مستولوں کے پیچھے چھپ کر کر کیا
لیں گے،“ اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

”ہوں... بات تھیک ہے... پکڑ لو انہیں... کوئی گڑبوکرنے کی
کوشش کرے تو اسے بھون ڈالو۔“

اب وہ لوگ شور چاٹے مستولوں کی طرف دوڑے... ان کی
تعداد کم از کم ایک سو کے قریب تو ضرور ہوگی... جب کہ مستول دس کے قریب
تھے... اور مختلف جگہوں پر تھے... یہ لوگ اس خیال سے بے فکر تھے کہ ان کے
پاس ہتھیار نہیں ہیں... بے وہڑک مستولوں کے دوسری طرف پہنچ گئے... یہ
دیکھ کر انہیں حدود رجے حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا...“

”ارے یہ کیا... یہ لوگ تو مستولوں کے پیچھے بھی نہیں ہیں۔“
”تب پھر وہ ادھر ادھر کہیں چھپ گئے ہیں... ملاش کرو انہیں۔“

تمہارے سامنے آکھڑے ہوں۔“

”کیسے آواز دوں... گلے پر تو سخت دیا وَ ہے۔“

”میں دباؤ میں کی کر رہا ہوں... تم انہیں آواز دو۔“

انہوں نے جو نبی کی کی... وہ بے تابا شہ بولا:

”سنو... سب لوگ ادھر آ جاؤ... جہاں میں کھڑا ہوں... ان لوگوں کی فکر چھوڑو۔“

اس کی آواز گونج گئی... کچھ لوگوں نے سن لی... انہوں نے دوسروں کو کپتان کا پیغام دے دیا... اس طرح جلد ہی سب سامنے آکھڑے ہوئے... وہ بہت ڈیل ڈول والا تھا... ایک پیشہ قریب قریب اس کے پیچے چھپے ہوئے تھے... فوری طور پر تو انہیں کچھ بھی بھائی نہ دیا... لیکن جلد ہی انہوں نے یہ بات بھانپ لی:

”یہ... یہ کیا مسٹر ای ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”میں اس وقت اس شخص کے بالکل قابو میں ہوں... اگر میں نے ذرا بھی حرکت کی تو میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔“

”کیا کہا آپ نے۔“

”ان سے کہوا پہنچا ہتھیار پھینک دیں... ورنہ ہمارے ساتھ تو جو ہو گی، ہوگی... تم پہلے جان سے جاؤ گے...“

”تم لوگ فوراً ہتھیار پھینک دو۔“

”بہت بہتر۔“ آوازیں اجھریں... پھر انہوں نے ہتھیار پھینک دیے۔

”اب تم لوگ پیچھے ٹھٹھے چلے جاؤ... جب تک میں نہ کہوں... بنتے

رہو۔“ ایک پیشہ قریب نے انہیں براہ راست حکم دیا۔

وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ٹھٹھے گئے... جب وہ بہت دور

بہت بگئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا:

”آگے بڑھ کر ان کے ہتھیار سنپھال لو... اور مورچے سنپھال لو۔“

سب لوگ نہ جانے کہاں اکہاں سے نکل کر آگے آگئے اور ہتھیار

سمیث کر مناسب جگہوں پر پوزیشن سنپھال کر کھڑے ہو گئے:

”کیا اب یہ سب لوگ ہماری زد پر ہیں۔“

”ہاں جمیشید... بالکل... تم فکر نہ کرو... ان میں سے ایک بھی

ہماری روئے باہر نہیں ہے۔“

”ہوں... مسٹر کپتان عرف ماسٹر... اب کہو... کیا تمہارا پروگرام

اہم سب کو قتل کرنے کا تھا۔“

”نہیں۔“ اس نے کہا۔

”جهوٹ نہ بولو... چ ہتا دو۔“

”صحیح بات یہی ہے... کہ ہمارا پروگرام تم لوگوں کو قتل کر کے سندھر

میں ڈال دینے کا تھا۔“

”اور تم لوگ ڈاکو ہو۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”بھری جہازوں کو لوٹنا تمہارا پیشہ ہے۔“

”ہاں۔“

”اچھا دہ بھرے کہاں ہیں۔“

”میری جیب میں۔“

اب انپکٹر جمیش نے ماسٹر کی گردن چھوڑ دی اور اس سے بولے:

”اور اب تم بھی عرش پر چلو۔“

وہ فوراً ان کے قدموں پر گر پڑا... انپکٹر جمیش نے اسے بازو
سے پکڑ کر اٹھایا اور لے چلے عرش کی طرف:

”کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے۔“

”نہیں... تم قاتل ہو... ایک دوسرے نہیں، نہ جانے کتنے لوگوں
کے... لہذا تمہیں سزا تو ملے گی۔“

اب اس کی ٹانگوں سے جان ٹکل گئی... اس سے چلانیں چارہا
تھا... انپکٹر جمیش اسے کھینچ کر آگے لے آئے... پھر شر جوں سے بولے:

”مرشیر جوں اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔“

”شر جوں تو مر چکا ہے۔“

”نہیں... وہ زندہ ہے... ہم نے اس سے معافی کیا ہے... اب یہ
مارے ساتھ سفر کرے گا... ہمیں راستہ بتائے گا۔“

”یہ... یہ کیا۔“ اس نے شر جوں کو اٹھتے دیکھا تو بول اٹھا۔ مارے
جھٹ کے اس کا برا احوال تھا... آخر اس نے کہا:

”تم... تم لوگ آخر کوں ہو... جب سے جہاڑ پر آتے ہو... مجھے
جھٹ میں بنتا کر رہے ہو۔“

”مرنے سے پہلے جتنا حیران ہو سکتے ہو، ہو لو... ہمیں لوگ انپکٹر
جمیش، انپکٹر کامرزا اور شوکی برادرز کے نام سے جانتے ہیں۔“

”یہ... یہ نام سنے ہوئے تلتے ہیں۔“ اس نے کھونے کھونے انداز
میں کہا۔ ادھر انپکٹر جمیش نے اسے عرش پر لا کھڑا کیا اور خود پیچھے ہٹ گئے:

انہوں نے اس کی جیب سے ہیرے ٹال لیے... پھر اپنے

ساتھیوں سے بولے:

”یہ لوگ بھری ڈاکو ہیں... اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کو لوٹ چکے
ہیں اور قتل کر چکے ہیں، ان لوگوں کو عرش کے عین کنارے پر کھڑے ہونے کا
حکم دیا جائے۔“

انپکٹر کامرزا ان کا اشارہ کیجوں گے۔ انہوں نے بلند آواز
میں کہا:

”تم سب لوگ عرش کے عین سرے پر کھڑے ہو جاؤ۔“
وہ لگے تھر تھر کاپنے... وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کرنا چاہتے
ہیں... تاہم انہوں نے حکم کی تعییں کی، لاکھراتے قدموں سے عرش کے
کنارے کی طرف بڑھنے لگے... جب وہ سب بیٹھ گئے تو انپکٹر جمیش نے ماسٹر
سے کہا:

”لو! اپنا اور اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھو... تم نے ان گنت لوگوں
کو دولت کے لیے قتل کیا... اب بد لے میں اپنا انجام دیکھو۔“

”نہیں۔“ وہ پوری قوت سے چلا یا۔

”لیکن کیوں نہیں... وجہ...“
”ہمیں معاف کر دیں۔“

”کیا تم دوسروں کو معاف کرتے رہے ہو۔“

جواب میں وہ پچھنہ کہہ سکا... ادھر انہوں نے انپکٹر کامرزا
مرزا کو اشارہ کر دیا... تمام ڈاکوؤں پر فائر کھول دیا گیا... وہ گولیاں کھا کھا کر
سمندر میں گرتے چلے گئے۔ بیہاں تک کہ عرش ان لوگوں سے پاک ہو گیا...

”لگا دو سے بھی لٹکانے۔“ وہ بولے۔

اس سے پہلے کہ اس پر فائرنگ کی جاتی، اس نے پانی میں

چھلانگ لگادی:

”اس پر فائرنگ کریں... زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔“

وہ دوڑ کر عرشے کے کنارے پر آئے... اور پھر تیرتے ہوئے
ماستر پر فائرنگ شروع کر دی... پانی اس کے خون سے سرخ ہوتے دیکھ کر
انہوں نے اطمینان کا سائنس لیا... اب وہ شرجون کی طرف مڑے:

”اب تم کہو... تم کیا کہتے ہو?“

”میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔“ اس نے فوراً کہا۔

”چہاز کون چلاتا ہے۔“

”وہ اپنے کہیں میں موجود ہے... اس نے یہ سب کچھ دیکھا ہے...“
لیکن وہ لا ای بھڑائی نہیں کرے گا... اس لیے کہ وہ خود ان ڈاکوؤں کا قیدی
تھا... اب تو اس قید سے نجات مل سکتی ہے۔“

”ہاں بالکل... ہم تم دونوں کو اپنے گھروں کو جانے دیں گے...
بس تم ہمارا ساتھ دو۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”ہمیں بٹوما جانا ہے۔“

”کیا کہا... بٹوما۔“ وہ بہت زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھوں میں
خوف پھیل گیا۔

انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا... پھر خان رحمان
نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا:

”کیا ہوا... خیر تو ہے... بٹوما کا نام سن کر آپ کے ہاتھوں کے
ٹوٹے کیوں اڑ گئے۔“

”ایک منٹ... میں ڈرائیور کو بلا کر لاتا ہوں۔“

”محمود... آصف... تم ان کے ساتھ جاؤ۔“

”یہ کیوں۔“ شرجون چونکا۔

”ابھی ہماری نئی نئی ملاقات ہے... ہم آپ دونوں کے بارے میں
کچھ نہیں جانتے... آپ ہمارے بارے میں نہیں جانتے... اس لیے احتیاط

ضروری ہے... جب ہم ایک دوسرے کو جان لیں گے، اس وقت ایسا کوئی قدم
نہیں اٹھایا جائے گا۔“

”خیر... کوئی بات نہیں۔“ اس نے فوراً کہا اور انہیں روم کی طرف
بڑھ گیا... محمود اور آصف اس کے پیچھے قدم اٹھاتے چلے گئے... آخر وہ

ڈرائیور کے ساتھ واپس آئے۔

”ان کا نام پشکا ہے... راستوں کے ماہر یہ ہیں، میں نہیں... میں

☆☆☆☆☆

نے انہیں بتا دیا ہے کہ جہاز اب آپ لوگوں کے قبضے میں ہے... اور یہ کہ اگر ہم نے انہیں دہاں پہنچا دیا جہاں یہ جانا چاہتے ہیں تو اس کے بعد یہ ہمیں آزاد کر دیں گے۔"

"آزادی کا طریقہ کار بعد میں طے کریں گے... لیکن بھر حال آپ دلوں کو آزاد کر دیا جائے گا... بلکہ آپ کو آپ کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا۔"

"ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی... بچپن سال سے میں ان ڈاکوؤں کی قید میں ہوں۔" یشو کا نہ درد بھرے انداز میں کہا۔

"کیا!!!" ان سب کے مندر سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں جناب ایسی میرا حال ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ایک جو ہری تھا... میری جواہرات کی دکان تھی... مامن ہیرے خریدنے کے بھانے میری دکان پر آیا... پھر اس نے مجھے اپنے گھر آپ کی دعوت دی... تاکہ ہیروں کی خرید فروخت کی جاسکے... یہ اس نے پہلے ہی اطمینان کر لیا تھا کہ میں ہیروں کو پر کھنے کا ماہر ہوں... اور دراصل اسے ایسے تھے ایک آدمی کی ضرورت تھی... بس گھر لا کر اس نے مجھ پر قابو پالیا... پھر نہ جانتے کس طرح بھری جہاز پر منتقل کر دیا۔ اس وقت سے یہاں ہوں۔" یہ کہ کر شرجون رو نے لگا۔

"اور کیا مسٹر یشو کا کی کہانی بھی ایسی ہی ہے۔"

"یہ ایک جہاز پر ڈرائیور تھے... ان ڈاکوؤں نے اس جہاز کو لوٹ لیا... باقی سب کو قتل کر دیا... اس بے چارے کو زندہ رہنے دیا... تاکہ یہاں

کا جہاز چلایا کرے۔" شرجون نے بتایا۔

"ہمیں آپ دونوں سے ہر روزی ہے... اگر آپ ہماری تھوڑی سی مدد کریں تو ہم بھی وعدہ کرتے ہیں... آپ دونوں کو آپ کے گھروں تک پہنچا کر دم لیں گے۔"

"ٹھیک ہے... ہمارے لیے بھلا اس سے اچھی بات کیا ہوگی... ہم تو اپنے گھروں کی یاد میں دن رات آنسو بھاتے رہتے ہیں۔"

"ویکھو! تم اکیلے اپنے گھر تک نہیں پہنچ سکو گے... کیونکہ جس ملک کے ساحل پر بھی اترو گے... تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا... ان لوگوں کو اپنی کہانی سناو گے تو وہ یقین نہیں کریں گے... یقین کر بھی لیں گے تو انہیں آپ لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی... ہاں آپ کے لیے یہ اس صورت میں آسان تھا جب کہ آپ کے پاس اپنے کاغذات ہوتے... اور ڈاکوؤں نے ایسی کوئی چیز آپ دونوں کے پاس رہنے نہیں دی ہوگی۔"

"جی ہاں! ایسی بات ہے۔" دونوں ایک ساتھ جلدی سے بولے۔
"بس تو پھر... اپنے اپنے گھروں تک جانے کے لیے آپ کو ہماری مدد کیا ہر حال ضرورت ہوگی... لیکن ہم اس وقت اپنے ملک سے ایک ہم کے سلطے میں نکلے ہوئے ہیں، لہذا آپ کو پہلے بٹومایا اس کے آس پاس پہنچانا ہو گا۔"

"من نہیں۔" اس بار یشو کا خوف زدہ ایک نیا چلا اٹھا۔

"بٹوما کا نام سن کر پہلے مسٹر شرجون خوف سے چلا اٹھے تھے اور اب آپ۔ آخر یہ کیا عامل ہے۔"

"آپ... آپ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں۔"

”فی الحال اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے مشکل ہے۔“ اپنے جمیں نے کہا۔

”جلیے خیر کوئی بات نہیں... میں بٹوما کے راستے سے تو واقع ہوں... لیکن آپ کو وہاں جانے کا مشورہ نہیں دوں گا... اس لیے کہ وہاں صرف موت ہے... وہ بھی ہولناک موت۔“

”ہم سمجھنے نہیں۔“

”وہ جنون کا علاقہ ہے... بہت بڑے بڑے شیطانوں کا گرد ہے... ان سب نے بٹوما پر قبضہ کر رکھا ہے... بٹوما میں کوئی داخل نہیں ہوا تا... داخل ہونا تو دور کی بات... بٹوما کے کوئی نزدیک بھی نہیں ہیچ پانتا۔“

”ایسا بھی کیا۔“ شوکی بڑا بڑا یا۔

”پہلے آپ لوگ بتائیں... آپ بٹوما کے اندر تک جانا چاہئے ہیں یا اس کے باہر کہیں جائیں گے۔“

”ہمیں بٹوما کے اندر جانا ہے۔“

”تب پھر ہمارا کیا بنے گا۔“ شر جون نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ آصف نے چوک کر کہا۔

”بٹوما سے آپ لوگ تو زندہ واپس آئیں گے نہیں... ہم لاہ جائیں گے اکیلے... اور اس قدر طویل سمندری سفر ہمیں اس قدر خوف زدہ کر دے گا کہ ہم شاید خوف سے ہی مر جائیں گے۔“

”ایسا نہیں ہوگا... ان شاء اللہ۔“ پروفیسر داؤڈ مسکرائے۔

”یہ بعد میں کیا کہا آپ نے۔“

”میں نے اشاء اللہ کہا ہے... اس کا مطلب ہے، اگر اللہ نے چاہا تو۔“

”مطلب یہ کہ آپ لوگ مسلمان ہیں۔“

”ہاں! الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور آپ؟“

”ہم عیسائی ہیں۔“

”ہوں... خیر... آپ لوگ ہمیں بٹوما کے پاس پہنچا دیں... اور خود اتنے فاصلے پر بھرے رہیں کہ واپسی پر ہم تیر کر آپ لوگوں تک آجائیں... پھر ہم واپسی کا سفر اختیار کریں گے۔“

”یہی تو ہم کہہ رہے ہیں... ایسا ہونیں سکے گا۔“ یشوکا بولا۔

”آپ کا مطلب ہے... ہم ان جنون کا شکار ہو جائیں گے۔“

”ہاں! وہاں ایک سے بڑھ کر ایک جن موجود ہے... شیطان موجود ہے... پتا نہیں اتنے بہت سے جنات اور شیاطین وہاں کیسے جمع ہو گئے ہیں... سونے پر سہاگہ یہ کہ...“ یشوکا کہتے کہتے رک گیا۔

”سو نے پر سہاگہ کیا؟“

”یہ کہ ان جنون اور شیطانوں سے بھی اور اپر ایک عجیب و غریب مخلوق وہاں موجود ہے... اس مخلوق سے وہ جن اور شیطان بھی ڈرستے ہیں اور ان کے اشاروں پر ناپتھے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ان کے مذہ سے نارے چیرت کے نکلا۔

”ان لوگوں کے ہاتھوں میں جانے کوں کی طاقت ہے... انہوں نے ان جنات اور شیاطین کو اپنا غلام بنارکھا ہے... دنیا بھر کے کام ان سے لیتے ہیں۔“

”انشاء اللہ؟“ ان دونوں نے بھی کہا۔
 یہ کردار سب مکار دیے... پروفیسر داؤڈ نے خوش ہو کر کہا:
 ”واہ! یہ ہوئی نا بات... بس آپ اللہ کو یاد کریں اور سفر شروع
 کریں... دیسے: ہمایہاں سے کتنے دن کے فاصلے پر ہے۔“

”یہ میں نقشہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔“
 ”تو جائیں... ذرا نقشہ دیکھاں گے۔“

وہ جانے لگا تو مزکر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھنے لگا... جیسے کہ رہا
 ”آپ اپنے ساتھی کو ساتھ نہیں بھیجیں گے۔“
 ”بلیں! اب اس کی ضرورت نہیں... ہم آپ کا چہرہ پڑھ پکے ہیں۔“
 ”دو شکریہ۔“

وہ چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی:
 ”ہمیں پندرہ دن لگیں گے۔“
 ”اوہ... پندرہ دن؟“
 ”ہاں! پندرہ دن... اس سے کم نہیں لگیں...“
 ”اور جہاز پر اتنا یہ دن اور راشن ہو گا۔“
 ”اس کی آپ فکر نہ کریں... اس میں اتنا خیزہ موجود ہے کہ ایک
 سال تک ختم نہیں ہو گا۔“

”بہتر خوب اپ پھر سفر شروع کریں۔“

”اس سے پہلے ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں... آپ وہاں جانے کا
 خیال چھوڑ دیں اور میں سے وطن لوٹ جائیں۔“ یہ کابو لے۔

”جرت ہے... کمال ہے... یہ تو پرانے زانے کی جادوئی
 کہانیوں والی کوئی بات ہو گئی... وہ جادوگر جنات کو اپنے قابو میں کر لیتے
 تھے... اور ان سے کام لیتے تھے۔“ شوکی نے گھیرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”بس! ابھی وہ کرتے ہیں۔“

”لیکن مسٹر یشو کا... آپ کو اتنی معلومات کیسے حاصل ہیں؟“

”میں جہاز پر ڈرائیور تھا، ایک مرتبہ وہ جہاز طوفان کی زد میں آ
 کر بٹھا کے پاس چاٹکا تھا... ساحل پر موجود کچھ لوگ خوف کی حالت میں
 بھاگتے ہوئے آرہے تھے... بس وہ بدحواسی کے عالم میں جہاز پر سوار ہو
 گئے... یہ تمام باعثیں ان لوگوں نے بتائی تھیں۔“

”اوہ... اوہ ان لوگوں کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔“

”ایک ساحل پر پہنچا دیا تھا... وہاں سے وہ کیسے اپنے گھروں تک
 گئے ہوں گے۔ یہ معلوم نہیں۔“

”ہوں... خیر... بس آپ ہمیں انہی حدود تک پہنچا دیں...“ خطره
 ہرگز نہ مول لیں... ہم آگے تیر کر چلے جائیں گے... اور آپ ہمارا انتظار
 کریں... ہم انشاء اللہ اسی جہاز پر آپ کو اپنے ملک لے جائیں گے... اور
 وہاں سے آپ کو آپ کے گھروں تک پہنچا نہیں گے۔“

”جب کہ آپ لوگوں کے وہاں جانے کا سن کر ہی ہمارے دل پیٹھے
 جا رہے ہیں... ہم دراصل آپ لوگوں کو اپنا عجات دہندا خیال کر رہے ہیں۔“

”اللہ نے جاہا تو ہم آپ لوگوں کے عجات دہندا ثابت ہوں گے۔“
 خان رعنان بولے۔

”انشاء اللہ،“ باقی سب نے کہا۔

”افسوس ایہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔“

”آخر کیوں؟“

”بٹوما کے شیطان ہمارے ملک کے ایک سائنس دان کو انغو اکر کے لے آئے ہیں اور ایک بریف کیس بھی لے آئے ہیں... اس بریف میں گویا ہمارے ملک کی جان ہے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”ہمارے ملک میں جو ایتم بم ہیں... یادوں رے میزائل ہیں... ان کے پن کوڑا اس بریف کیس میں موجود ہیں۔“

”اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اب آپ سمجھے کہ کیوں ہمارے لیے وہاں جانا ضروری ہے... یعنی آفتاب نے کہا۔“

”ہو سکتا ہو یہ ہمارا آخری سفر ہو... یکونکہ ایک تواریخت میں خوفناک اس بریف کیس کے بغیر جانا بے فائدہ ہے...“

”ہوں... خیر... ہم آپ کو بٹوما تک لے چلتے ہیں... لیکن براہ راست بٹوما کی طرف جانا اس جہاز کے لیے عذر رجے خطرناک ہو گا... جب کہ تو بھی کوئی بات ہے... وہاں تو سنائے ہے... پورا شہر بلااؤں سے اماڑا تو آپ کے لیے خطرات ہی خطرات منہ کھو لانظر آئیں گے۔“

”آپ کا مطلب ہے... وہ جنگل ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔“

”ہاں! اس جنگل سے اگر آپ بچ نکلتے ہیں تو بٹوما شہر میں ہوں گے... اور ادھر جہاز تھوڑا ہو گا... آپ کو واپس بھی اس جنگل سے ہی آتا ہو اور شیاطین کے علاوہ کوئی اور خوفناک مخلوق بھی آباد ہے... آخر ہماری یہ مختصری تھا یعنی اتنا بہت سی بلااؤں کا مقابلہ کیسے کر سکتے گی۔“ فاروق نے گھبرائی ہوئی اور انہیں منور علی خان یاد آگئے... انہوں نے سوچا، کاش وہ ہم اواز میں کہا۔

”یہ تو ہم نہیں جانتے...“ آصف نے فوراً کہا۔

سے آٹھیں... اب اسپکٹر کا مران مرزانے ان سے کہا:

”تب پھر ہم کیا جانتے ہیں۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”یہ کہ ہمیں جانا ہے۔“ آفتاب مکرایا۔

”اور ان سے مکرانا ہے۔“ محمود گلغایا۔

”جملے کہنا آسان ہے... جب ان بلاوں سے ملاقات ہوگی تو گھلی بند ہو جائے گی۔“ فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”بس! جا چکے آپ لوگ۔“ شرجون نے بڑا سامنہ بنایا۔

”کیوں... کیا ہوا۔“

”آپ کے یہ ساتھی تو ابھی سے ڈر رہے ہیں۔“

”بلکہ یوں کہیں... بھگی بلی بن گئے ہیں۔“ آصف چکا۔

”ہاں! الگتا تو ایسا ہی ہے۔“

”ہمارا مطلب ہے... جب آپ کے یہ ساتھی ابھی سے ڈر رہے ہیں تو آگے کیا ہوگا... یہ تو جنگل ہی میں ہوش و حواس کہو بیٹھیں گے۔“

”بس! اب ہم ان کے بارے میں کیا کہیں... یہ ہیں ہی الو۔“

اسپکٹر جشید نے بڑا سامنہ بنایا۔

”اہا جان! آپ نے ہمیں آلو کہا...“ فاروق جلدی سے بولا۔

”ہاں اور کے؟“

”لیکن انکل ہم میں سے آپ نے کس کس کو آلو کہا۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”دہشمیں، آفتاب اور بمحضن کو۔“

”اللہ کا شکر ہے... باقی سب کو نہیں کہا۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ ہم اپنا آلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں... ہمیں

اس سے غرض نہیں کہ ہم آلو نظر آتے ہیں یا کیا نظر آتے ہیں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”تمہارا مطلب ہے... تم صرف آلو نظر آتے ہو... ہو نہیں؟“ محمود نے پوچھا۔

”ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔“

”پہاڑیں جائے گا... جب وہ جنگل سامنے آئے گا۔“

”ایک بار پھر مجھے انکل منور علی خان یاد آگئے۔“

”اوہ یہ منور علی خان کون ہیں۔“

”ہمارے ساتھی... لیکن عام طور پر ہمارے ساتھ نہیں ہوتے...“

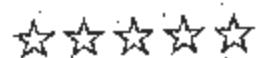
ہاں کہیں کہیں ساتھ ہوتے ہیں... دراصل وہ ایک بہت بڑے شکاری ہیں۔“

”اوہ ہاں... جنگل میں...“

یشوکا کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے... اسے سمندر میں کوئی

جنگل

نظر آئی تھی:



حصہ دو

”کیا ہوا بھی... خرتو ہے... بات کرتے کرتے رک کیوں گئے... کوئی بھوت تو نظر نہیں آگیا۔“ آصف نے برا سامنہ بنایا۔
”مچھے ایک جہاز کا اوپر والا حصہ نظر آیا ہے۔“

”اوہ!“
”اوہ!“ آصف کا بولا۔

”فاروق مستول پر چڑھ کر دیکھو،“ اسپکٹر کامران مرزانے چل دی۔

فاروق فوراً مستول کی طرف بڑھا... اور تیزی سے اوپر چڑھنے لگا:
”یہ... یہ کیا؟“ یشوکا اور شرجون کے منہ سے مارے جیرت کو نکلا۔

”کیا ہوا؟“ آفتاب ہنسا۔
”یہ حضرت اس قدر تیزی سے مستول پر چڑھ رہے ہیں، گویا یہ مستول نہیں سُر گی ہے... کمال ہے۔“

”اور ابھی آپ اسے بزدل ہزار ہے تھے۔“

”وہ اس لیے کہ یہ ڈرے ڈرے انداز میں باقی کر رہے تھے۔“

ایسے میں انہوں نے فاروق کی آواز سنی:

”آن کا خیال ٹھیک ہے... جہاز ہماری طرف آ رہا ہے... لیکن یہ

کوئی سافر جہاز ہے... اس پر خطرناک لوگ نہیں ہیں... واجبی سے حفاظتی انتظامات نظر آ رہے ہیں... لہذا اُرنے کی ضرورت نہیں۔“

”بہت خوب! آ جاؤ پھر یچے... جب جہاز نزدیک پہنچ جائے گا تو دیکھ لیں گے،“ اسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر جہاز الحمد للہ بہ نجہنڈیک ہوتا چلا گیا... اس پر سفید جہنڈا الہ رہا تھا، گویا یہ نہ تو جنگی جہاز تھانہ ڈاکوؤں کا... بس عام سافر جہاز تھا:

”اوہ!“
”اوہ!“ آصف کا بولا۔

”اور نزدیک آنے سے پہلے انہوں نے سفید جہنڈا کیوں لہرایا ہے... تاکہ ہماری طرف سے انہیں جلتے کا کوئی خطرہ نہ رہے۔“ آفتاب ہنسا۔

”ہاں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟“
”کہیں یہ سفید جہنڈے سے دھوکا نہ دینا چاہتے ہوا۔“ شوکی نے پوششائی کے عالم میں کہا۔

”اس صورت میں ہم انہیں دیکھ لیں گے... ویسے اختیاٹ ہمیں سورج پر سفہاں لینے چاہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”یا انکل ٹھیک ہے۔“
اور پھر وہ حرکت میں آگئے۔ آن کی آن میں انہوں نے خان

”کیا واقعی آپ کا تعلق...“
 ایسے میں دوسرے جہاز کے عرش پر کوئی اس طرف دوڑ پڑا
 جس طرف دونوں جہاز آئنے سامنے تھے:
 ”یہ کیا... کون دوڑ رہا ہے؟“
 ”اے میاں... خبردار... اس طرف سے کہیں فائرگ نہ ہو
 جائے۔“
 ”نہیں ہوگی۔“ دوڑنے والے نے کہا۔
 ”کیا...“ اس طرف سے سب بول پڑے۔
 ”ہاں کہی بات ہے۔“ دوڑنے والا ہٹا۔
 ”انکل... زندہ باد... ہم ابھی ابھی آپ کو یاد کر رہے ہیں... اللہ
 کی قدرت کہ آپ آگئے۔“ آصف نے پر جوش انداز میں کہا۔
 ”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔
 ”کیا مطلب؟“ دوسرے جہاز پر بھی کئی آوازیں ابھریں۔
 ”ہم نہیں بچپے گزار رہے ہیں انکل۔“
 ”ضرور... ضرور۔“ وہ نہ۔
 ”یہ... یہ کون ہیں... وہی شکاری۔“ شرجون کے منہ سے لگلا۔
 ”ہاں یہ وہی ہیں... بہت انوکھے وقت پر آئے... کمال ہو گیا۔“
 اور پھر ان کے لیے کشی پانی میں اتاری گئی۔ اس پر بیٹھ کر وہ
 ان کے جہاز پر آگئے... بس پھر کیا تھا... سب سے پہلے فرحت چلاتے ہوئے
 ان کی طرف دوڑ پڑی:
 ”ایسا جان۔“

”رحمان کی ہدایات کے مطابق پوزیشن سنjal لی۔“
 ”جیرت ہے... یہ لوگ کس قدر مہارت سے مورچے سنjal رہے
 ہیں۔“ یشوکا کی آواز نائی دی۔
 ”اس کا مطلب ہے... یہ لوگ عام لوگ نہیں، خاص ہیں... اور
 لوائی بھڑائی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں... ماشر پر قبضہ اتفاقیہ نہیں تھا... بلکہ یہ
 اس قسم کے کام کرتے رہتے ہیں۔“ شرجون نے جلدی جلدی کہا۔
 ”تم نے ٹھیک کہا شرجون۔“ انہوں نے اسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔
 ایسے میں دوسرے جہاز کے چیکر سے آواز گئی:
 ”ہمارا جہاز مسافر جہاز ہے... یہ ایک طوفان میں گھر گیا تھا... ہم
 سات دن بھنوں میں پہنچنے رہے... اس طرح خوراک کا ذخیرہ زیادہ خرچ ہو
 گیا... اور جب تک ہم منزل پر پہنچیں گے... ہمارے پاس خوراک بالکل ختم
 ہو چکی ہوگی... ہم اس سلسلے میں گلرمنڈ نہیں کہ ایسے میں آپ کے جہاز کے
 مستول نظر آگئے اور ہم نے اپنا رخ آپ کی طرف کر دیا... ہمیں کچھ خوراک کی
 خردورت ہے... ہم آپ کو اس کی قیمت ادا کریں گے۔“
 ”خوراک آپ لوگوں کو مل جائے گی... اور قیمت کے بغیر ملے گی...“
 پہلے یہ بتائیں آپ کا تعلق کس ملک سے ہے... کیونکہ جہاز کے اوپر کسی بھی
 ملک کا جنڈا نہیں ہے...“
 ”وہ ہم نے آپ کا جہاز دیکھ کر اتار دیا تھا،“ ادھر سے جواب ملا۔
 ”کیوں؟“
 ”ہمارا تعلق پاک لینڈ سے ہے... سفید جنڈا الہانے کی غرض سے
 اسے اٹارا تھا... کہ صرف سفید جنڈا انظر آگئے۔“

”انکل۔“ سب بولے۔

پھر ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے:

”انکل! انہم آپ کی بہت شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے... لیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچ دیا... بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”لیکن آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟“

”شامی افریقہ سے۔“ وہ بولے۔

”لیکن آپ کو بھری جہاز کے سفر کی کیا ضرورت پڑ گی۔“

”کبھی کبھی جان بوجھ کر بھری سفر کرتا ہوں... اس سفر میں اپنی شکاری

زندگی سے فائدہ اٹھاتا ہوں... سمندری ٹلوخ کا بھی شکار کیا جاتا ہے تا... اور سمندری شکار میں تو بہت زبردست چیزیں ملتی ہیں... ایسے ایسے قیمتی موتنی ملے ہیں کہ کیا بتاؤں۔“

”خیر... آپ کے موتی تو ہم بعد میں دیکھیں گے... پہلے آپ کو اپنی کہانی اور درپیش ہم کے بارے میں ہاتھیں گے... بلکہ اس سے پہلے اس جہاز پر غلہ لدواتے ہیں۔“

”ہاں! اصل کام تو یہ ہے... پاک لینڈ پنجاب سے 4 دن پہلے اس جہاز پر غلہ ختم ہو جائے گا... اور ہم اس سلسلے میں پریشان تھے۔“

”لیکن کیوں... آپ مجھلیاں وغیرہ شکار کر کے کام چلا سکتے تھے۔“ آصف نے کہا۔

”بھی صرف مجھلی سے پیٹھ نہیں بھرتا... کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے... پھر اس قدر مقدار میں مجھلیاں پکڑنا بھی آسان نہیں ہوتا،

بہر حال پہلے غلہ لدواتے ہیں۔“

اور پھر انہوں نے اپنے جہاز کے نچلے حصے سے غلہ اٹھوایا اور ان کے جہاز پر لدوا دیا... یہاں تک کہ اتنا غلہ پنجھ گیا جس سے ان کی گزر بر آسانی سے ہو سکے... اب اس جہاز والوں نے ان سے اجازت لی:

”اور میں اب ان لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔“

”آپ ایک تحریر لکھ دیں... کونکہ حکام ہم سے پوچھیں گے، یہ صاحب کہاں گئے تو ہم کیا بتائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“

انہوں نے کہا اور تحریر لکھ کر دی۔ اب انہوں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور پھر ہاتھ ہلانے تھے رخصت ہوئے، وہ اس جہاز کو جاتے ہوئے موجودہ دیکھتے رہے، یہاں تک کہ وہ نظر وہی سے او جھل ہو گیا:

”ہاں تواب ہو جائے تفصیل موجود ہم کی۔“ منور علی خان مسکرا گئے۔

انہیں ساری تفصیل سنادی گئی... جھلک اور جنگل سے آگے بڑھا گئی تفصیلات سن کر منور علی خان فکر مند ہو گئے۔ انہوں نے کہا:

”ذی یہ جنگل جنگلی درندوں کے لحاظ سے خوفناک نہیں ہے۔“

”تب پھر؟“

”میں نے ایک بار اس جنگل میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی... لیکن پھر میں واپس نہیں آگیا تھا۔“

”لیکن کیوں انکل۔“ آصف نے حیران ہو کر کہا۔

”اس جنگل میں کوئی قوم رہتی ہے... وہ بہت لاکا قوم ہے... اپنے خلاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتی... کوئی جنگل میں داخل ہو جائے تو اسے قتل کر

”جیتے ہیں۔“

”تب ہم جنگل میں کیوں جائیں... چکر کاٹ کر بٹوما جاسکتے ہیں۔“

فرزاد نے جلدی سے کہا۔

”یہ بھی ممکن نہیں... جنگل بہت طویل ہے... جب ہم پورے جنگل کا چکر کاٹیں گے تو ادھر دوسرے ملک کی حدود دشروع ہو جائے گی اور ادھر سے بھی نہیں جا سکیں گے، ہائیں طرف بھی بھی مسئلہ پیش آئے گا۔“

”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں بہر حال جنگل میں سے گزرا ہو گا...“ فرحت بولی۔

”ہاں! اس کے علاوہ راست جہاز کا ہے... لیکن ظاہر ہے... جہاز اپرٹ پر اترتا ہے اور ہم جیسوں کو وہاں روک لیا جائے گا۔“

”لے دے کر ہمیں جنگل سے جانا پڑے گا اور جنگل عبور کرنا آسان کام نہیں... جیلیے آپ اس قوم کے بارے میں بتائیں۔“

”لبس... وہ ان پڑھا اور جاہل قوم ہے، صرف مرنا اور مارنا جانتی ہے اور کچھ بھی نہیں... ہم ان کی زبان بھی نہیں جانتے کہ اپنی کوئی بات انہیں سمجھا سکیں۔“

”اس صورت میں ہین الاقوامی زبان استعمال کی جاسکتی ہے۔“ فاروق مسکرا یا۔

”ہین الاقوامی زبان... سبے وقوف آدمی... وہ بھلا انگریزی کیا جائیں۔“ آفتاب نے بھتتا کر کہا۔

”بے وقوف ہو گئم ہیرا اشارہ اشارات کی زبان کی طرف ہے۔“ فاروق نے جل کر کہا۔

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے اپنی ران پر ہاتھ مارا... جو آصف کی ران پر لگا... وہ تملکا کر بولا:

”خوزی کی نشانہ بازی کی مشق بھی کر لیا کر دو... یا اپنے اس دھت تیرے کی کو چھوڑ دو۔“

”اچھی بات ہے...“ محمود جلدی سے بولا۔

”ادھر ادھر جانے سے پرہیز کرو... وقت پہلے ہی بہت صرف ہو گیا ہے... وہ لوگ پروفیسر سے بن کوڈ کھلوانے کی پوری کوشش کر رہے ہوں گے۔“

”اور میرے خیال میں یہ کام ان کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہو گا... انہیں پہناؤم کے ذریثہ لا کر معلوم کر لیں گے۔“ خان رحمان نے مایوسانہ انداز اختیار کیا۔

”شاپید ایسا نہ ہو سکے۔“ اسکرچ جشید نے انکار میں سر ہلا کیا۔

”جی... وہ کیسے؟“

”ایسے کہ پروفیسر عبد القادر زبردست قوت ارادی کے مالک ہیں اور انہیں پہناؤم کے ذریثہ لا آسان کام نہیں ہو گا... ایسا کرنے والا خود پھنس سکتا ہے۔“

”اوہ... اچھا۔“ کئی حیرت زدہ آوازیں اپھریں۔

”اوہ... اچھا تو پھر یشو کا صاحب... آپ ہمیں جنگل کے کنارے چہار سے تار دیں اور خود پانی میں لنگر انداز ہو جائیں... ہمیں واپسی میں چند دن لگ سکتے ہیں۔“ اسکرچ کا مردانہ مرزابو لے۔

”ٹھیک ہے۔“

”اور بھائی یشوکا... یہ بھی ہو سکتا ہے... کہ ہم واپس ہی نہ آئیں... اس صورت میں تو آپ ہمارا انتظار کرتے کرتے بوڑھے ہو جائیں گے...“ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

”اوہ ہاں اواتری! اس کا عین امکان ہے... خیر... اگر ہم میں دن تک نہ لوٹیں تو تم دونوں آزاد ہو گے... جہاں چاہو، جاسکو گے۔“

”اے باپ رے۔“ یشوکا اور شرجون گھبرا کر بولے۔
”کیوں... کیا ہوا۔“

”اس صورت میں ہم دونوں بہت زیادہ گھبرا جائیں گے... ذرا سوچیں... سمندر میں اتنا طویل سفر کیسے کریں گے دوا کیلے آدمی۔“

”ہاں! یہ بات بھی ہے... لیکن ہم کرہی کیا سکتے ہیں... یہ تو اللہ کو پتا ہے کہ آئندہ کیا ہو گا... ہمیں نہیں معلوم۔“

”ہذا تم بھی اللہ پر بھروسہ کر کے سمندر میں انتظار کرو...“ فاروق نے کہا۔

”ہم انتظار کریں گے... اس وقت تک انتظار کریں گے... جب تک کہ بالکل ہالیوس نہیں ہو جائیں گے۔“

”سفر شروع کرنے سے پہلے ہم جہاز کے نچلے حصے کو دیکھ لیں... ہم نے ابھی تک پورا جہاز نہیں دیکھا۔“ ایسے میں شوکی نے خیال ظاہر کیا۔

”اوہ ہاں شوکی... بہت اچھا خیال دلا یا... کیوں بھی شرجون صاحب... ہم جہاز دیکھ لیں گا۔“

”ضرور... کیوں نہیں... جہاز اپنا آپ کا ہے... آپ نے اسے ڈاکوں سے حاصل کیا ہے... ڈاکوں کا مقابلہ کیا ہے... ہمارا تو بس ایک ہی

”مطلوب ہے... یہ کہ ہمارے گھروں تک پہنچا دیں۔“

”آپ فکر نہ کریں... زندگی رہی تو ہم یہ کام ضرور کریں گے... اب ہمیں نچلے حصے دکھا دیں۔“

وہ ان کے ساتھ جہاز کی دوسری منزل میں آئے... اس منزل میں انہیں بے تحاشہ ساز و سامان نظر آیا... کھانے کا سامان... پینے کا سامان اور جنگ کا سامان... ان کے علاوہ استعمال کی بے شمار چیزیں موجود تھیں... ان میں بہت قیمتی چیزیں بھی تھیں... اور ظاہر ہے، یہ ڈاکوں نے مسافروں بے لوٹی تھیں... اس کے بعد وہ تیرے حصے میں آئے۔ اس حصے میں انہیں بہت بڑے بڑے صندوق نظر آئے... اور یہاں کچھ نہیں تھا:

”ان صندوقوں میں کیا ہے۔“

”ان میں لوٹا ہوا مال ہے... لیکن ہر صندوق پر بھاری مجرم تالے گئے ہوئے ہیں... اور چاہیوں کے بارے میں صرف ماشر کو پتا تھا... مطلب یہ کہ چاہیاں ہیں تو جہاز پر... کہاں ہیں، یہ ہمیں معلوم نہیں۔“

”ہوں... خیر... ہم چاہیاں تلاش کر لیں گے... آئے ہمیں ماشر کے کمرے تک لے چلیں۔“ اسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ اور پر آئے... اس وقت اسپکٹر جمشید بولے:

”اس کمرے میں چاہیوں کا چھلا تلاش کریں۔“

یہ لوگ تلاش میں جست گئے... آخر مکhn نے چاہیاں تلاش کر لیں۔ اب وہ پھر چلی منزل میں آئے... ایک صندوق کو کھولا گیا... اور وہ کئے رہ گئے... صندوق سونے اور قیمتی موتویں وغیرہ سے بھرا پڑا تھا۔

”اے باپ رے... اتنی دولت نے...“ خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

یہ سوچ رہے ہوں گے کہ آپ لوگ تو جہاز سے اتر کر چلے جائیں گے جنگل میں... اس کے بعد جہاز اور جہاز پر موجود دولت کے انبار ہم دونوں کے قبضے میں ہوں گے... کہیں ہم لے کر فرار نہ ہو جائیں... لیکن ذرا سوچیں ہم بھلا اس جہاز کو لے کر کہاں جائیں گے... کس ساحل پر جائیں گے... لہذا آپ اطمینان رکھیں... جب آپ واپس آئیں گے تو ہمیں سمندر میں موجود پائیں گے۔" یہ الفاظ شریون نے کہے تھے اور اس کے الفاظ سے چائی جھلک رہی تھی۔ اس وقت یشو کا نئے کہا:

"میں بھی بالکل بھی کہتا ہوں... سمندر میں رہ رہ کر میں اس قدر اکتا چکا ہوں کہ اب صرف اور صرف اپنے گھر جانا چاہتا ہوں... اس جہاز پر موجود دولت یا کہ اس جیسے دس اور جہازوں سے بھی زیادہ چاہت مجھے اپنے گھر کی ہے..."

اس کے انداز سے بھی چائی ٹپک رہی تھی... آخر اسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"ٹھیک ہے... ہمیں آپ دونوں پر یقین ہے... ہم آپ کو آپ کے گھروں تک ضرور پہچائیں گے اور اس دولت میں سے آپ کو حصہ بھی دیں گے... اب بسم اللہ کریں۔"

بسم اللہ کریں سن کر وہ مسکرانے لگے... دوسرے بھی مسکرانے پیش نہ رہ سکے۔

ان کا سفر شروع ہوا... اور وہ خیریت سے اس جنگل کے کنارے پہنچ گئے، لیکن وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا... جنگل کا کنارا سطح سمندر سے بہت اوپر چاہتا:

اب جوانہوں نے دوسرا صندوق کھولا تو سکتے میں آگئے... اس میں بھی سونے کے زیورات بھرے پڑے تھے:

"آف ما لک... ان لوگوں نے کتنی دولت لورٹ رکھی ہے... دولت کی ہوں بھی کیا تھی ہے... بخلاف اس دولت سے فائدہ کیا اٹھاتے تھے... سوائے اس کہ کہ لوگوں سے چھین چھین کر جمع کرتے رہتے تھے۔" پروفیسر داؤڈ نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

اس کے بعد انہوں نے باری باری تمام صندوق کھول ڈالے۔ اب سب کے سب حرمت زدہ تھے... پریشان تھے... اور ہکا ہکا تھے۔ کیونکہ یہ بات تو ان کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس جہاز پر اس قدر دولت ہوگی۔ یہ دولت تو ایک بڑے ملک کے مالی معاملات بہتر بنائی تھی... انہوں نے تمام صندوقوں کو تالے لگادیے... وہ اس قدر روزی تھے کہ دو آدمی مل کر ایک چھندوق کو نہیں اٹھا سکتے تھے۔

وہ بیچے سے اوپر آئے... اب ان کے لیے ایک نیا مسئلہ آ کھڑا ہوا تھا... جہاز سے اتر کر انہیں ہر حال اس جنگل میں جانا تھا... اور جہاز پر ان دونوں کو چھوڑ کر جانا تھا... واپسی کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا... اب سوال یہ تھا کہ وہ کیا کریں... اسپکٹر جمشید نے کامران مرزا کی طرف اور پھر باتی سب کی طرف دیکھا... جیسے کہ رہے ہوں، اب کیا کریں... جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اسپکٹر جمشید نے ان دونوں سے کہا:

"اب کیا کریں۔"

"ہمیں اس دولت سے کوئی دلچسپی نہیں... دیے بھی یہ آپ کا ہے... کیونکہ جہاز ڈاکوؤں سے آپ نے حاصل کیا ہے... ہم نے نہیں... اب آپ

”یہ کیا... یہ تو بہت اونچائی پر ہے۔“ پروفیسر بولے۔

”کوئی بات نہیں... میرا آنکڑہ کس دن کام آئے گا۔“ منور علی خان مکران۔

”کس دن کیا... وہ تو بار بار کام آچکا ہے... اور زندگی رہی تو نہ جانے کب کب کام آئے گا۔“ آفتاب بولا۔

”اللہ کی مہربانی سے۔“ منور علی خان بولے۔

پھر انہوں نے آنکڑہ گھماٹا شروع کر دیا... یشوکا اور شرجون نے حیران ہو کر اس عمل کو دیکھا، پھر وہ بولے بغیر نہ رہ سکے:

”یہ... یہ کیا ہے۔“

”ہم لوگ اسے آنکڑہ کہتے ہیں... بہت کام کی چیز ہے... ابھی آپ اس کا کام دیکھیں گے۔“

اور پھر انہوں نے آنکڑے کا سرا ایک درخت میں الجھت دیکھا... منور علی خان نے اس کا اس طرف والا سر ایک مستول کے گرد کس دیا... اب مستول اور درخت تک ایک ری تین گئی... انہیں گویا اس رسی کو پکڑ کر لٹکتے ہوئے جنگل کے سرے پر پہنچنا تھا...“

”سب سے پہلے میں جاتا ہوں۔“ اسپکٹر کامران مرزانے کہا۔
”حلیے ٹھیک ہے۔“

”اور جانے سے پہلے میں یشوکا اور شرجون سے کہتا ہوں... اس دنیا کے خالق اور مالک کو پہچانو... اس کے سوا کوئی معبوڈ نہیں... اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے... اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی سے جانا گیا۔ وہ اکیلا ہے... کوئی اس کے برادر کا نہیں... مطلب یہ کہ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے... نہ وہ کسی کا

بیٹا... میں صاف لفظوں میں کہوں گا... تم مسلمان ہو جاؤ... کلمہ پڑھلو۔
یہاں تک کہ کروہ خاموش ہو گئے۔

چند لمحے تک یشوکا اور شرجون چرت زدہ انداز میں ان کی
طرف دیکھتے رہے... آخر شرجون نے کہا:

”ہم آپ لوگوں کو عبادت کرتے دیکھتے رہے ہیں... اپنی کتاب کو
پڑھتے ہوئے بھی سنتے رہے ہیں... ہمارے دل اس آواز کی طرف کھینچتے رہے
ہیں... لیکن ہم منہ سے نہ کہہ سکے... آپ جائیں... ہم اس دوران اس پر غور
کریں گے۔“

”ہم تم لوگوں کے لیے یہاں قرآن رکھ رہے ہیں... پسند کرو تو
اگر یہی زبان والا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیتا... وقت تو تم دونوں کے پاس ہو
گا ہی۔“

”ہاں! ہم ایسا کریں گے۔“ دونوں نے ایک ساتھ بھرائی ہوئی
آواز میں بولے۔

اسپکٹر کامران مرزانے ان سب پر ایک نظر ڈالی... اللہ حافظ کہا
اور پھر ہم اللہ پڑھ کر رسی سے لٹک گئے... دونوں ہاتھوں کے ذریعے وہ جنگل
کی طرف بڑھنے لگے... وہ سب اس قسم کے کام اکثر کرتے رہتے تھے... اس
لیے نہ تو ان کے لیے یہ عجیب تھا نہ مشکل... لیکن یشوکا اور شرجون حیران ہو
رہے تھے۔ پانچ منٹ بعد اسپکٹر کامران رسی کو چھوڑ چکے تھے... وہ اس درخت
پر نظر آئے جس میں آنکڑہ والا تھا:

”کامران مرزا ذرا دیکھ لیتا... یہ پوری طرح مضبوطی سے تو الجھا ہوا
ہے تا، ورنہ اسے اور مضبوط کر دیں۔“

ہوا نظر آیا:

انہوں نے اس شاخ کا جائزہ لیا... اور آنکھوں پوری طرح کسا

”انتے چھپنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ مسکرا لے۔

اب وہ باری باری اوہر آئتے چلے گئے... یہاں تک کہ سب
کے سبب پیش گئے:

”مشترجون... اب آپ اس طرف سے رسی کھول دیں۔“

”اس کی کیا ضرورت ہے... اسے اسی طرح بندھا رہے دیں...
واپس بھی تو آپ کو اسی طرح آنا پڑے گا۔“

”هم کے دوران میں آنکھے کی ضرورت پیش آسکتی ہے... واپسی
پر تو اسے باندھنا اور زیادہ آسان ہو گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ وہ بولے۔ پھر انہوں نے رسی کھول دی اور منور
علی خان نے اسے کھینچ لیا۔ اب انہوں نے ہاتھ ہلاکے... یشو کا اور شرجون نے
بھی ہاتھ ہلاکے... پھر وہ جنگل کی طرف بڑھنے لگے... انہیں دہاں دور دور تک
کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا... نہ ہی جنگل میں درندے نظر آ رہے تھے... البتہ
پرندوں کی آوازیں براہ راستی دے رہی تھیں۔

”لگتا ہے... اس جنگل میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“ آفتاب بڑھا۔

”ابھی ہم جنگل کے بالکل سرے پر ہیں... وہ مخلوق یہاں نہیں...
آگے کہیں رہتی ہے۔“ منور علی خان نے کہا۔

”آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی چکے ہیں۔“ محمود نے پوچھا۔

”ہاں بالکل۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“

”جلد ہی تم بھی انہیں دیکھ لو گے۔“

”سوال یہ ہے کہ انکل... ہم پوری ایک قوم سے کس طرح جنگ کر
لیں گے۔“ شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”عقل سے... ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل ہے...“

”ان کے پاس ہتھیار کس قسم کے ہیں۔“

”وہ خیروں، بھالوں اور تکواروں سے لڑتے ہیں۔“

”گویا آشیں اسلمان کے پاس نہیں ہے۔“

”اسلخ ضرور ہے... لیکن اسے استعمال کم کر دیں... وہ اپنے
تیروں سے وہ کام لیتے ہیں جو ہم پستوں سے لیتے ہیں۔“

”میں اس لمحے کوئی چیز ان کے سرروں پر سے سنتائی ہوئی گزر
گئی۔ وہ سنتا ہے، بہت خوفناک تھی... منور علی خان پلاٹے:

”لیٹ جائیں۔“

☆☆☆☆☆

ان کا کام

انہوں نے زمین پر لیٹنے میں دیر نہیں لگائی... ساتھ ہی وہ درختوں کی اوٹ میں بھی ہو گئے... انہوں نے پستول ہاتھوں میں لے لیے۔ خان رحمان نے سڑا یک طرف کو کیا ہی تھا کہ ایک تیر بلا کی رفتار سے آتا نظر آیا۔ انہوں نے فوراً سر درخت کے پیچھے کر لیا اور تیر سننا تا ہوا ان کے بالکل نزدیک سے گزرا گیا:

”بہت ماہر ہیں یہ لوگ... پروفیسر صاحب فوراً حرکت میں آ جائیں۔“ خان رحمان چلاستے۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ لوٹے۔

انہوں نے اپنے بیک میں سے چند چیزوں نکالیں اور خود کو درخت کی اوٹ سے نکالے بغیر سامنے کی طرف مختلف زاویوں میں اچھال دیں... وہ چیزوں گرتے ہی زور دار آواز کے ساتھ ہٹھیں اور گھاس پھوس نہ فوراً ہی آگ پکڑی... فوراً ہی چند چیزوں ابھریں اور انہوں نے وہ دس کے قریب افراد کو دیکھا... اب چونکہ ان کے رخ اس طرف نہیں تھے، اس لیے وہ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھے... انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا... اور فائر گشید کر دی... دیکھتے ہی دیکھتے وہ دس کے دس گرے اور توڑپے لگے۔

وہ اسی طرح دیکھ رہے تھے... کیونکہ ان کے علاوہ بھی دشمن وہاں ہو سکتے تھے:
”کیا خیال ہے خان رحمان۔“ اسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔
”ابھی اپنی جگہ پر ہیں۔“
”میں بھی تھی کہتا ہوں۔“ منور علی خان بولے۔
”اچھی بات ہے۔“

چند منٹ اسی طرح گزر گئے... پھر فرزانہ کی آواز ابھری:
”زور دور تک کسی دشمن کا پتا نہیں... یہ دس کے دس دم توڑ پکے ہیں۔“ رزانہ کی آواز کہیں اور پر سے آئی۔
”ماں نہیں... یہ کیا فرزانہ... تم نیچے ہو اور تمہاری آواز اور پر سے آرہی ہے... کہیں تم دو حصوں میں تقسیم تو نہیں ہو گئیں۔“
”نہیں! اللہ کی مہربانی سے میں ایک بھی جگہ موجود ہوں... اور درخت پر ہوں... میں نے سوچا تھا کہ اور پر چڑھے بغیر ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ دشمن کہاں کہاں ”وجود ہیں۔“

”بہت خوب فرزانہ... تم ہم سب کے کان کاٹ گئیں۔“ منور علی خان نے شوخ انداز میں کہا۔

”نہ نہیں تو... کم از کم آپ تو یہ بات نہ کہیں۔“ فرزانہ نے شکایت بھرے لیجے میں کہا۔
”کہہ تو اس طرح رہی ہو جیسے داقی کان کاٹ لیے ہوں تم نے۔“
آفتاب نے جمل کر کہا۔

”یہ وقت آپس میں لڑنے کا نہیں... جنگل میں پہلی جھٹپٹ ہو چکی ہے... یہ جھٹپٹ ساری قوم کو ہمارے خلاف کھڑا کر دے گی... ہمیں تو جنگ کی

تیاری کرنی چاہیے... اور میرے خیال میں ہم فی الحال بھیں ٹھہر کر ان کا مقابلہ کریں گے... ہم ابھی ساحل پر ہی موجود ہیں... خطرے کی صورت میں ہم پانی میں چھلانگیں لگا سکتے ہیں... اور جہاز بک جاسکتے ہیں۔" منور علی خان نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن انکل... ہم سر کیے بغیر ہم پیچھے نہیں ہیں گے۔" فاروقی چادری سنتے بولا۔

"بھی! یہ پیچھے ہوتا نہیں، اسے حکمت عملی کہتے ہیں۔" خان رحمان

نکراستے۔

"ہوں... ٹھیک ہے۔"

"اور میرے لیے کیا حکم ہے۔" اوپر سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"تم ابھی اسی طرح ٹھیک رہو۔" پیچے سے آفتاب نے ہاتک لگائی۔

"آپ نے نہ انکل... فرزانہ بولی۔"

"کون سے انکل نے کہہ رہی ہو... یہاں تو انکلوں کی لائی گئی ہے۔" محمود ہنسا۔

"خیر... اب اتنی تعداد میں بھی نہیں ہیں انکل۔" فرحت بولی۔

"فرزانہ تمہارا اوپر رہنا ہی بہتر ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"بہت بہتر انکل... میں آپ کو ساتھ ساتھ خبریں سناتی رہوں گی۔"

"ہاں! لیکن اپنا خیال رکھنا۔"

"آپ فکر نہ کریں... ویسے انکل... دور دور تک کہیں بھی کوئی خدا کی چیز نظر نہیں آرہی... جب کہ ہمارا خیال تھا... یہ جنگل انتہائی خطرناک

"تمہارا بطل... درندوں اور زہریلے کیڑوں وغیرہ ہے۔"

"جی ہاں... اور پرستے میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا ہے... اس جنگل میں سوانح پر امن پرندوں کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

"یہ سن کر خیرت ہوئی... لیکن اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس جنگل میں اصل خطرناک خیریہ قوم ہے... جس کی تھوڑی سی تعداد سے ابھی ہمارا دامن پڑا ہے۔"

"اگر بات بھی ہے کہ پورا جنگل درندوں، ساپوں اور پھوپھوں وغیرہ ہے بالکل پاک ہے تو یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔" منور علی خان مکرانے۔

"وہ... وہ کیسے انکل۔" محمود کی آواز ابھری۔

"اس طرح کہاں تو اس مقابله صرف اس قوم سے ہے... جو اس جنگل میں ہے۔"

"بھلا اس سے مقابلہ کس طرح ممکن ہے... جب کہ وہ یہاں کے پیچے سے واقف ہیں اور ہمارے لیے یہ جنگل بالکل نیا ہے... "شوکی کی آواز لہرائی۔

"اس میں شک نہیں... بات واقعی بھی ہے... لیکن ہماری مجبوری ہے... ہم ہٹوٹک اسی جنگل کے راستے جاسکتے ہیں... گویا اس قوم سے ہمیں نکل لینا ہوگی۔"

"خیر... اب ہمیں مقابلے کی تیاری شروع کر دینی چاہیے... وہ لوگ اب پوری تیاری سے ہمارے مقابلے پر آئیں گے، کیونکہ اپنے دس ساتھیوں کے مارے جانے کی خبر بہر حال انہیں ہو جائے گی... اور ہو سکتا ہے،

ہو بھی چکی ہو۔“

”پا لکل ٹھیک ہے۔“

اور پھر وہ اپنی تیاریوں میں لگ گئے... خان، حمان اور منور علی خان انہیں مسلسل ہدایات دے رہے تھے... گویا اس چھوٹی سی فوج کے دو سالاڑ تھے... ایک جنگل کے لحاظ سے دوسرا فوج کے لحاظ سے... فرزانہ ان سب سے الگ درخت کے عین اوپر موجود تھی... اور وہ درخت دوسروں کی نسبت تھا بھی بہت بلند... ابھی کچھ ہی دیرگز ری ہو گی کہ فرزانہ کی سرسراتی آواز سنائی دی:

”میرے خیال میں ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش ہو رہی ہے۔“
”اوہ... کیا واقعی۔“

”فی الحال یہ صرف میرے محبوسات ہیں... میں نے آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا... لیکن لگتا ہے... جنگل میں نقل حرکت ہو رہی ہے۔“
”اوہ... اوہ... شہر و فرزانہ... میں کسی اور درخت پر چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوں۔“

منور علی خان نے کہا اور ایک درخت پر چڑھنے لگے... اس جنگل میں درخت صرف ایک ہی قسم کے تھے... قسم قسم کے نہیں تھے... یہ بلند و بالا اور قدر سے نیڑھے والے تھے... ان پر بھی جنمائیں جھوول رعنی تھیں... ان جنمائیں کی مدد سے اور پر چڑھنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا... جلد ہی منور علی خان اوپر نظر آئے... اب سب کی نظریں ان پر جم چکی تھیں... اور وہ اوپر چڑھے، چاروں طرف کا بغور جائزہ لے رہے تھے... چند منٹ جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بیچے اترنے لگے... ساتھ ہی انہوں

نے فرزانہ کو بھی بیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

دونوں بیچے آگئے... اب سب ان کے نزدیک آگئے۔ ایسے میں منور علی خان نے دلبی آواز میں کہا:
”وہ... ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں... چاروں طرف سے ہم پر حملہ کرنے کا پروگرام ہے ان کا۔“

”اور وہ ہیں کتنے۔“

”ان گنت... پورا جنگل گویا ان سے اٹا پڑا ہے۔“

”من... نہیں۔“ وہ کانپ گئے۔

”اب... اب کیا ہو گا... ہم کیا کریں گے۔“ پروفیسر داؤڈ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

”ہمیں فوراً پسپائی اختیار کرتا ہو گی... جہاں سے ہم چلے تھے... دہاں پہنچنا ہو گا... یعنی آنکڑے کے ذریعے جہاں اترے تھے... بلکہ میں تو کہتا ہوں... کہ ہمیں جہاز پر واپس چلتا چاہیے۔“

”کیا... یہ... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔“

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں... ہمیں غور کرنا ہو گا... سوچنا ہو گا کہ ہم ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں... یہ پورا جنگل ان سے بھرا پڑا ہے... ہم کب تک ان کا مقابلہ کریں گے... آخر ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے، لہذا ہمیں فوری طور پر جہاز پر واپس جانا ہو گا... جہاز کو سمندر میں اتنے فاصلے پر لے جانا ہو گا... کہ ان کے تیر وہاں تک نہ بخیج سکیں... اور وہاں رک کر سوچنا ہو گا... فوری طور پر عمل شروع کر دیا جائے۔“ خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

اور پھر انہوں نے اسی وقت واپسی پر عمل شروع کر دیا... منور

علی خان کے آنکھے کو پھر سے مستول پر باندھا گیا... اور وہ ماری باری جہاز پر پہنچتے چلے گئے:

”یہ کیا! آپ لوگ اتنی جلدی واپس آگئے؟“ یشوکا کے سنجھ میں حیرت تھی۔

”ہاں! اسے محکم عملی کہتے ہیں... پہلے تو جہاز کو بہت قیزی سے حرکت میں لا گیا... ہمیں اس جگہ سے کافی دوزخا کر رکنا ہے... ورنہ وہ سن کے تیر میں نقصان پہنچا سکتے ہیں... جلدی کریں۔“

”اوہ اچھا...“

اور جہاز وہاں سے پہنچے ہٹھ لگا... ایسے میں جنگل کی طرف سے بہت خوفناک آوازیں آنے لگیں... یوں لگتا تھا جیسے ہزاروں آدمی پیچ اور چلا رہے ہوں... ساتھ ہی وہ دوزخی رہے ہوں:

”شاید وہ ساحل کی طرف آزدے ہیں اور کیا خبر... انہوں نے کشتیاں بنا رکھی ہوں گی۔“ خان رحمان چلتا ہے

”اس کی آپ غفرانہ کریں... ان کی کشتیاں اس جہاز کی گرد کو بھی نہیں چھو سکیں گی۔“

”سمندر میں گرد کہاں پڑی ہے بھائی۔“ فاروق بولا۔

اور سب مسکرانے لگے... وہ ساحل سے کافی دور پہنچ چکے تھے... جب انہوں نے ہزاروں افراد کو ساحل پر آ کر رکھتے اور پھر تیر کمانوں میں چڑھاتے دیکھا:

”جلدی سے اوٹ لے لو... پہاںچیں ان کے قیڑیہاں تک پہنچ سکتے ہیں یا نہیں اور ہم ابھی ان پر فارغ نہیں کریں گے۔“ خان رحمان نے بلند آواز

میں کہا۔

”یہ کھوں بھی...“

”بھی فوج کا کام عمل کرنا ہوتا ہے... کیوں اور کیا کرنا نہیں ہوتا،“

”جی اچھا انقل۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

اور پھر اونہ سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی... لیکن تیر جہاز تک نہیں پہنچ سکے... پہلے کہ خان رحمان نے یشوکا سے کہا:

”جہاز کو روک لیں... ہم ان کے تیروں کی زد سے انکل آئے ہیں۔“

”اور... اب یہ کیا کریں گے،“ اسکھ جمشید بڑا سے۔

”ہو سکتا ہے... یہ سمندر میں پھلا گک لگا دیں اور تیر کر جہاز تک آنے کی کوشش کریں۔“

”نہیں کر سکتیں گے... انسان اس جہاز کی رفتار سے نہیں تیر سکتا...“

”چاہے کوئی کتنا تیز کیوں نہ تیرے۔“

”اچھی بات ہے... ہم مناسب فاصلے پر رک کر انتظار کر لیتے ہیں... ویسے ہمیں جنگل کی تیاری رکھنی چاہیے... حالات کوئی بھی رخ اختیار کر سکتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک... میں بات کرتا ہوں... ہم فرض کر لیتے ہیں... دُشمن سمندر میں نہیں کوہتا... لیکن ہمیں تو بہر حال اس جنگ کا پروگر کرنا ہے... لہذا ان لوگوں کا مقابلہ توہر حال میں کرنا ہو گا... اس لیے تیاری کرنی ہے... نہ کہ اس بات کی کہ اگر ان لوگوں نے حملہ نہ کیا تو ہم کیا کریں گے... وہ حملہ کریں یا نہ کریں... ہمیں توہر حال اس جنگ کو عبور کرنا ہے۔“

”ان کے حملہ نہ کرنے صورت میں ہمیں پھر ساحل کی طرف بڑھنا ہو

گا... انہیں حملہ کرنے پر مجبور کرنا ہوگا... وہ ہم پر حملہ کریں گے تو بات آجے
بڑھے گی... جنگل میں ہم ان کے مقابلے میں بے بس ہوں گے... ان کی تعداد
اس قدر زیاد ہے کہ ہم ان کے لیے سے نکل نہیں سکتے۔“

”لیکن جہاز پر رہ کر بھی ہم کیا کر لیں گے۔“ شوکی کی آواز سے
پریشانی پک رہی تھی۔

”اس سوال کا جواب خان رحمان دیں گے... اس وقت فوج کی
کمان ان کے ہاتھ میں ہے...“

”میں بتاؤں... یشو کا... آپ جہاز کو یہیں لٹکرا نہداز کر لیں...“
”جی اچھا۔“

اور ساحل پر جنگلی پوری قوت سے شور مچا رہے تھے... پہاڑیں
وہ کیا کہہ رہے تھے... پھر اچانک سمندر میں کشتیاں نظر آئے لگیں... وہ شہ
جانے کس طرف سے کشتیاں چلا کر اس طرف آئے تھے:

”ارے باپ رے... جنگ شروع ہونے والی ہے...“
”شروع ہونے والی ہے تو ہوا کرے... ہم تو گھر سے نکلے ہی لڑنے
کے لیے ہیں۔“

”ہاں ایہ تو ہے۔“
”ہاں تو خان رحمان... اب آپ فوج کو ہدایات دیں۔“
”سب لوگ اپنا اپنا اسلحہ ہاتھوں میں لے لیں... یشو کا آپ جہاز کو
اسٹنے فاصلے پر کر لیں کہ ان کے تیر جہاز پر آ کر گریں۔“
”کیا کہہ رہے ہیں۔“ یشو کا گھبرا گیا۔

”بھی! جہاز کے ایک طرف تیر آئیں گے... جب کہ ہم بالکل

دوسری طرف ہوں گے... وہ بھی اوٹ میں... اس کے بعد میرا کام شروع ہو
گا۔“ خان رحمان نے جلدی کہا۔

”اچھی بات ہے... ہمیں تو آپ جو کہیں گے، کریں گے۔“

”تاہم انکل... اس کا فائدہ کیا ہوگا۔“

”ایک تو ہم اس طرح دشمن کے تیر ضائع کریں... دوسرے ان کی
مہارت کا اندازہ ہوگا... تیرے ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو
گا۔“

”واہ... کتنی کام کی باتیں معلوم ہوں گی... آپ تو واقعی فوجی
ہیں۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں یہیں... کیا تم آج تک یہ سمجھتے رہے ہو کہ میں جھوٹ موت کا
فوجی ہوں۔“ خان رحمان نے آنکھیں نکالیں تو آفتاب گھبرا گیا اور گزر ہوا کر
بولا۔

”عنہیں انکل... میں یہ نہیں سمجھتا رہا ہوں... آپ اور فوجی نہ
رہے ہوں... یہ تو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”ہاں واقعی... نہ ہم آیندہ کبھی ایسی بات سوچیں گے۔“ آصف نے
جلدی سے کہا۔

”اور آپ فرمائیں تو ہم تو ایسی بات خواب میں بھی نہیں سوچیں
گے۔“

”اچھا بابا... نہ سوچنا... پڑ گئے سوچنے کے پیچھے۔“ فاروق جلا
انٹھا۔

”ٹکر کرو... تمہارے پیچھے نہیں پڑے... ورنہ تمہارے تو اڑ جاتے

دوسری طرف ہوں گے... وہ بھی اوٹ میں... اس کے بعد میرا کام شروع ہو گا۔ ”خان رحمان نے چل دی جلدی کہا۔

”اچھی بات ہے... میں تو آپ جو کہیں گے، کریں گے۔“

”تاہم انکل... اس کا فائدہ کیا ہوگا۔“

”ایک تو ہم اس طرح دشمن کے تیر ضائع کریں... دوسرے ان کی مہارت کا اندازہ ہوگا... تیر سے ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو گا۔“

”واہ... کتنی کام کی باتیں معلوم ہوں گی... آپ تو واقعی فوجی ہیں۔“ آفتاب سے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں گئیں... کیا تم آج تک یہ سمجھتے رہے ہو کہ میں جھوٹ موت کا فوجی ہوں۔“ خان رحمان نے آنکھیں بھالیں تو آفتاب گھبرا گیا اور گڑ پڑا کر بولا۔

”نن نہیں انکل... میں یہ نہیں سمجھتا رہا ہوں... آپ اور فوجی نہ رہے ہوں... یہ تو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”ہاں واقعی... نہ ہم آپنہ کبھی ایسی بات سوچیں گے۔“ آصف نے چل دی سے کہا۔

”اور آپ فرمائیں تو ہم تو اسی بات خواب میں بھی نہیں سوچیں گے۔“

”اچھا بابا... نہ سوچنا... پڑ گئے سوچنے کے پیچھے۔“ فاروق جلا اٹھا۔

”شکر کرو... تمہارے پیچھے نہیں پڑے... ورنہ تمہارے تو اڑ جاتے“

گا... انہیں حملہ کرنے پر مجبور کرنا ہوگا... وہ ہم پر حملہ کریں گے تو بات آئے گی... جنگل میں ہم ان کے مقابلے میں بے بس ہوں گے... ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم ان کے گھیرے سے نکل نہیں سکتے۔“

”لیکن جہاز پر رہ کر بھی ہم کیا کر لیں گے۔“ شوکی کی آواز سے پریشانی پک رہی تھی۔

”اس سوال کا جواب خان رحمان دیں گے... اس وقت فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں ہے...“

”میں بتاؤں... یشوکا... آپ جہاز کو نہیں لٹکرا انداز کر لیں۔“

”میں اچھا۔“

اور ساحل پر جنگلی پوری قوت سے شور چار ہے تھے... پکا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے... پھر اچانک سندھر میں کشتیاں نظر آنے لگیں... وہ جائے کس طرف سے کشتیاں چلا کر اس طرف آئے تھے:

”اڑے باپ رے... جنگ شروع ہونے والی ہے...“

”شروع ہونے والی ہے تو ہوا کرے... ہم تو گھر سے نکلے ہی لڑنے کے لیے ہیں۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔“

”ہاں تو خان رحمان... اب آپ فوج کو ہدایات دیں۔“

”سب لوگ اپنا اپنا اسلحہ ہاتھوں میں لے لیں... یشوکا آپ جہاز کو احتقان فاصلے پر کر لیں کہ ان کے تیر جہاز پر آ کر گریں۔“

”کیا کہہ رہے ہیں۔“ یشوکا گھبرا گیا۔

”بھی! جہاز کے ایک طرف تیر آئیں گے... جب کہ ہم بالکل“

ہاتھوں کے طوطے۔

”ہاتھوں میں طوطے ہوں گے تو اڑیں گے تا۔“

یشوکا نے جہاز جنگل کے کنارے کی طرف بڑھانا شروع کر دیا... جو نبی جہاز جنگل کی طرف بڑھنے لگا... جنگلی یک دم خاموش ہو گئے... شاید وہ اس بات پر حیران ہوئے تھے... پھر ان کی خاموشی یک دم جوش اور شور سے بدلتی گئی... پہلے تو وہ اچھتے لگے... پھر کمائوں میں تیر پڑھا کران کی طرف پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے:

”یشوکا... فاصلے کا خیال رہے... ایسا نہ ہو، ہم تیروں کا نشانہ بن جائیں۔“

”آپ لوگ دوسرے مرے پر ہو جائیں... اور پستول تیار رکھیں... فاصلے کا فیصلہ تو ان کے تیر ہی کریں گے... جو نبی تیر عرش پر گرنے لگے کے میں لنگر ڈال دوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

پھر جو نبی تیر عرش کو چھوئے لگے... یشوکا نے جہاز کو روک لیا... کچھ اور آگے بڑھ کر جہاز رک گیا... اس طرح تیر عرش کے درمیان تک گرنے لگے... تیروں کی تو گویا بارش ہونے لگی تھی... وہ اس بارش کو پر سکون انداز میں دیکھتے رہے... ایسے میں خان رحمان چلاعے:

”ہمیں اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے...“ انہوں نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

”کس خیال میں؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”اس خیال میں کہ یہ لوگ بے وقوف کی طرح تیر بر ساتے رہیں۔“

”کے۔“

”تب پھر... کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ عقل مندوں کی طرح تیر بر سار ہے ہیں۔“ فاروق نے حیرت ظاہر کی۔

”یہ بات نہیں... ہمیں چاہیے، انہیں عقل سے بالکل پیدل خیال نہ کریں... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمیں تیروں کی بارش میں الجھا کر یہ اور رخ سے حملہ کرنا چاہر ہے ہوں۔“

”اوہ... اوہ...“ وہ سب ایک ساتھ بولے۔

”میرے خیال میں ان لوگوں نے حملے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے۔“

”کیا!!!“ اسپکٹر جشید چلاعے۔

”ہاں! یہ لوگ ساحل سے کچھ دوسرے سمت سے اتر کر جہاز کے دوسری طرف حملہ کرنے چاہتے ہیں اور اگر ہم اس طرف ہی رخ کیے رہے تو وہ ضرور ہمارے پیچھے یادا نہیں باہمیں سے حملہ کریں گے۔“

”اوہ... اوہ... آپ... آپ تو واقعی فوجی ہیں۔“ آصف نے مارے حیرت کہ کہا۔

”اللہ کا شکر ہے... آج میں سب کو چیخ فوجی لگ رہا ہوں۔“ خان رحمان نہیں۔

”پھر اب ہمارے لیے کیا ہدایات ہیں۔“

”ہمیں چاروں طرف نظر رکھنا ہوگی... صرف ایک طرف نہیں...“

”بہت بہتر... میں پچھلی طرف نظر رکھوں گا... اسپکٹر کا مران مرا ذا میں طرف اور منور علی خان باہمیں طرف... اور خان رحمان تم تو سامنے کی

دیں... باقی تین طرف کم از کم ایک ساتھی ضرور موجود رہے گا۔“

”اوہ ہاں۔“ اسپکٹر جمیش نے زور دار انداز میں سر ہلایا۔

پھر جوئی وہ کشیاں ان کی زد میں آئیں... انہوں نے اللہ اکبر کا غیرہ بلند کیا اور فائزگ شروع کر دی... دوسری طرف سے چھین بلند ہوئی، پچھے لوگ اچھل اچھل کر پانی میں گرے... ادھر بھی تیروں کی بارش شروع ہو گئی، کشیاں بدستور آگے بڑھ رہی تھیں... گویا انہیں اس بات کی کوئی ٹکرائیں تھی کہ ان کے ساتھی گولیاں کھا کھا کر مر رہے ہیں، یا سمندر میں گر رہے ہیں... لیکن وہ تیز پر تیر چلا رہے تھے... ادھر اسپکٹر جمیش کا ساتھ اس وقت محمود، آصف اور شوکی نے دس کے قریب کشیاں جہاز کی طرف آتے دیکھیں... ان پر جنگلی سوار پروفیسر داؤڈ کی آواز ابھری:

”اب یہ نیزی زد میں آگئے ہیں... کیوں نہ ایک ہی وار میں انہیں

زاویا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔“ خان رحمان۔

ہے... ورنہ ان کے تیر سیدھے ہماری طرف آئیں گے، اللہ کا شکر ہے... ہم پہلے ہی ہوشیار ہو گئے تھے، ورنہ یہ لوگ اس طرف سے جہاز پر سوار ہو جاتے اور پھر ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا... ہمارے لیے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا... اور اس بات کا بھی امکان تھا کہ ہم ان کے قابو میں آ جاتے، لیکن اب اللہ کی مہربانی سے ہم ان سے بہت لیں گے... لیکن۔“ خان رحمان

انہوں نے تیزی سے فائزگ شروع کر دی... جہاں کوئی پانی سے سرا بھارتتا... گولی اس کے سر میں جا گئی... اٹھنے کے بعد کشیاں جہاز کے مقابلہ سمت میں پھر رہی تھیں۔ ہوا کارخ اسی طرف تھا... پریشان ہو کر کہا۔

جلد ہی میدان صاف ہو گیا... اس طرف خاموشی ہوتے ہی

”طرف رخ کیے ہوئے ہی ہو۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“

”چھوٹی پارٹی ایک دو دو کر کے ہم چاروں میں خود کو تقسیم کر لے۔“

”بہت بہتر۔“

اور پھر وہ جہاز کے چاروں طرف مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے... سامنے سے تیروں کی بارش ابھی تک بدستور جاری تھی... آخر میں منٹ بعد خان رحمان کا خیال بالکل درست ثابت ہو گیا... جب ہائی طرف انہوں نے دس کے قریب کشیاں جہاز کی طرف آتے دیکھیں... ان پر جنگلی سوار تھے... ہر کشی پر دس دس آدمی تو ضرور رہے ہوں گے... وہ تیروں اور کمانوں سے پوری طرح لیکس تھے:

”ہوشیار... جوئی یہ لوگ زد میں آئیں گے... ہمیں ان پر حملہ کرنا ہے... ورنہ ان کے تیر سیدھے ہماری طرف آئیں گے، اللہ کا شکر ہے... ہم پہلے ہی ہوشیار ہو گئے تھے، ورنہ یہ لوگ اس طرف سے جہاز پر سوار ہو جاتے اور پھر ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا... ہمارے لیے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا... اور اس بات کا بھی امکان تھا کہ ہم ان کے قابو میں آ جاتے، لیکن اب اللہ کی مہربانی سے ہم ان سے بہت لیں گے... لیکن۔“ خان رحمان کہتے کہتے رک گئے۔

”اب آپ یہ ایک اور لیکن کہاں سے لے آئے؟“ فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم باقی تین اطراف کا خیال چھوڑ

ساحل پر موجود دشمنوں نے تیر اندازی رکھ دی... شاید وہ سکتے میں آگئے
چھے... اور شاید یہ بات ان کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس رخ پر وہ اس طرح
ٹکست کھا جائیں گے... لیکن یہ خاموشی چند لمحوں کے لیے تھی... پھر جیکر
انہیں کوئی حکم دیا گیا اور عینہوں کی بارش پھر ہونے لگی... لیکن اس بارش سے
انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا... لہذا وہ مسکرانے لگے تاہم جلد ہی انہیں
چونکہ جانا پڑا:

”اوہو... یشو کا... جلدی کریں... لنگر اٹھا دیں اور ساحل سے
فاصلہ بڑھالیں، یہ لوگ اب آگ والے تیر بر سائیں گے۔“

”آگ والے تیر...“ ان کے منہ سے مارے خوف کے نکالے

”ہاں! آگ والے تیر... ان کے سروں پر آگ لگی ہوگی... جب
یہ تیر جہاز پر گریں گے تو جہاز کو بھی آگ لگ جائے گی۔“

”اُر کے باپ زنے... ان کا یہ پروگرام خوفناک ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں... چند منٹ کے اندر جہاز اور ساحل کا درمیانی
فاصلہ بڑھنا شروع ہو جائے گا۔“

”اور اس دوران جو تیر عرش پر گریں گے... ان کا کیا کریں گے
ہم۔“، لکھن کی کاپنی آواز سنائی وی۔

”کوئی پردازیں... ہم ان کو اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے
اور اگر کسی تیر سے جہاز کے کسی حصے کو آگ لگ گئی تو ہم فوری طور پر اسے بجا
دیں گے... عرش پر پانی کا ذخیرہ موجود ہے... خان رحمان بولے۔

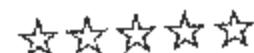
”لیکن انھیں... ہمیں تو ساحل پر دور دور تک آگ نظر نہیں آ رہی۔“

”میں نے انہیں اپنے ترکش خالی کرتے دیکھا... ان کی جگہ یہ لوگ

”وسرے تیر رکھ رہے ہیں... اب ساحل پر مختلف جگہ آگ جلانی جائے گی اور
سچے تیروں کی نوکوں کو اس جلتی آگ پر پر کھا جائے گا... تیروں کے سروں پر کوئی
تیل لگا ہوگا... تیر فراؤ آگ پکڑ لیں گے اور جلنے لگیں گے... بس اس کے بعد تو
انہیں ان تیروں کو کمانوں میں رکھ رکھ کر چلانا ہی ہوگا... اور... اور وہ
دیکھو... ساحل پر اب مختلف جگہوں پر آگ نظر آنے لگی ہے... اس آگ کے
پاس سے شمار لوگ جمع ہو چکے ہیں... یہ لوگ صرف تیروں کو آگ دکھائیں
گے... جب کہ تیر دوسرے جنگلی چلانیں گے... گویا یہ کام بھی یہ لوگ بڑے لطم
وضبط سے کریں گے... معلوم ہوا... یہ عقل سے پیدل نہیں ہیں۔“

”اس میں تو خیر ہمیں کوئی شک نہیں۔“

پھر انہوں نے تیروں کے سروں پر آگ جلتی دیکھی... وہ اس
حملے کے لیے تیار ہو گئے... ادھر جہاز مسلسل اس ساحل سے دور پورا رہا تھا... پھر
ایک غلظہ سا چاپا... آگ کے تیر کمانوں میں چڑھے نظر آئے اور ایک بہت بلند
اواز اچھری... اس کے ساتھ ان گفت تیر چھوڑ دیے گے... انہوں نے آگ
کی ایک لمبی پیٹی کو جہاز کی طرف آتے دیکھا:



ستون

آگ کے اکثر خیر پانی میں گرنے اور مشکلوں کی طرح جلتے
ہی آخڑوں کر بجھے گئے۔ چند تیر عرش کے ایک کنارے پر گرے:
”یشوکا... جلدی... درمیانی فاصلہ بڑھائیں... ورنہ چہاڑا کنارا
آگ پکڑ لے گا۔“

چہاڑ پہلے ہی ساٹل سے دور ہٹ رہا تھا... یشوکا اپنا زور پہلے
ہی لگا چکا تھا... لہذا پکارا:

”اچھی بات ہے۔“

اسنے میں جلتے ہوئے تیر ایک بار پھر آتے نظر آئے... میں
سب کے سب پانی میں گرے۔ یہ دیکھ کر وہ پکارا تھے:

”بہت خوب!“

اور پھر انہوں نے جلتے تیروں کی طرف دوڑ لگادی... ان کو اٹھا
اٹھا کر پانی میں پھینکنے لگے۔ چہاڑ کے جس حصے پر جلنے کا عمل شروع ہو چکا تھا...
وہاں پانی ڈال دیا گیا... اس طرح چہاڑ آگ لگنے سے بالکل محفوظ ہو گیا...
انہوں نے اطمینان کا سائنس لیا، ادھر سے تیری بار تیر بر سائے گئے... لیکن
اب درمیانی فاصلہ اور پڑھ چکا تھا... جنگیوں نے بھی یہ بات فوراً محسوس کر لی۔

لہذا انہوں نے ہاتھ روک لیے... اور لگے چینچے چلانے... یہ گویا وہ اپنا غصہ
اتادر ہے تھے۔ ان کا دوسرا حملہ بڑی طرح ناکام ہو چکا تھا... تاہم جنگل پر وہ
اب بھی پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری:

”ہائیں ابی کیا۔“

”کہاں... کیا... معمون میں باتمیں کرنے کی تمہاری عادت نہ
گئی۔“ فاروق نے بھلا کر کہا۔

”تم نے ایک بات بالکل بھلا دی... حالانکہ وہ بات ہمارے کام کی
ہے۔“

”اور وہ کیا۔“ کبھی آوازیں ابھریں۔

”جنگل میں آگ۔“

”جنگل میں آگ یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق
نے بھلا کر کہا۔

”ہو سکتا ہو گا... تم ناول نہ کریں ہو۔...“ فرحت جھلا اٹھی۔

”تو بہبہ تم سے... بات تکمیل کرنے دیتے۔“

”فرزانہ تم کی بات کر رہی تھیں۔“ منور علی خان بے تاباہہ بولے۔

”ہاں... آپ نے اندازہ لگایا... میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں! تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ جنگل کے ایک طرف آگ لگادی
جائے... ظاہر وہ آگ پھیلتی چلی جائے گی... اور ان چیزوں کو جلا کر راکھ کر
دے گی۔“

”نہیں امیں یہ نہیں چاہتی... کہ یہ حل کر راکھ ہو جائیں... یہ عمل
ظالم ہاں ہو گا... میں تو کہتی ہوں... جنگل کے ایک طرف آگ لگادی جائے...“

یہ لوگ اس آگ کو بجھانے کے چکار میں پڑ جائیں گے اور ہم جنگل عبور کر لیں گے۔ ”اس نے وضاحت کی۔

”اس میں خطرات ہی خطرات ہیں... جنگل کی آگ بہت ہولناک ہوتی ہے... بجھائے نہیں سمجھتی... پھیلتی چلی جاتی ہے... ہم یہ ترکیب نہیں کر سکتے... پھر انسانوں کے زندگی میں مر نے کا زیادہ ذر ہوگا... اور آگ سے جلانے کی سزا انسانوں کے لیے پسندیدہ نہیں... یعنی جلا کر مارنے سے منع فرمایا گیا ہے...“

”مطلوب یہ کہ فرزانہ کی ترکیب بڑی طرح میں ہو گئی ہے۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”خود تو کوئی ترکیب بنانے سے رہے... میری ترکیب کی ناکامی پر بغلیں بھاجنے لگے۔“ فرزانہ جل گئی۔

”خرا میں بھی کوئی بات نہیں... میں بھی ترکیب بتا سکتا ہوں اور میری ترکیب سے یہ جنگل بہت آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔“ فاروق نے شوخ لمحے میں کہا۔

”ہمیں فاروق! یہ تم کیا کہہ گے...“ آفتاب بول اٹھا۔
”یقین نہیں آیا۔“ مکحن مسکرا یا۔

”بے پر کی اڑا رہا ہے... اس کی باتوں پر کیا جانا۔“ فرحت نے ہاکن لگائی۔

”اس میں شک نہیں۔“ آصف بولا۔
”لگ... کس میں... بھی وضاحت بھی تو کرو،“ محمود جل گیا۔

”اس میں کہ فاروق بے پر کی ہاکن رہا ہے... ہمیں التو بنا رہا۔“

ہے... ورنہ یہ بے چارہ تک میں نہ تیرہ میں، ترکیب کیا تائے گا خاک... یہ تو وہی بات ہو جائے گی... تا حق نہ چائے آنکھیں میڑھا۔“ آفتاب کہتا چلا گیا۔

”کوئی محاورہ یا ضرب المثل رہ گیا ہو تو وہ بھی شامل کرو... مجھے کوئی پروانہیں، کیونکہ میر کی بات پتھر پر لکھر ہے۔“

”لو اور سنو... اب ان کی بات پتھر پر لکھر ہو گئی... بھائی کوں کیہر کے قریب بخٹے ہوئے۔“

”فقیر کے لکھر ہو گئے تم خود۔“ فاروق مسکرا یہ تھی کہ آج وہ ان کی کسی بات کا برا نہیں مان رہا تھا۔ برا بر مسکراۓ چارہ تھا۔

”ویکھا... الفاظ ہی الرث و یہی اٹھا کے۔“

”من نہیں تو... میں نے اٹھائے تو ہرگز نہیں... اتنا سفید جھوٹ تو نہ بولا۔“

”لگتا ہے... تم اب بے چارے کو ترکیب نہیں بنانے دو گے۔“

”ترکیب اور یہ بتائے گا اٹکل... آپ بھی کیا بات کرتے ہیں۔“

آصف نے منہ بٹایا۔

”ماں اور کیا یہ صحیک تو ہمیشہ سے فرزانہ کے پاس ہے اور فرزانہ کے پاس ہی چلا آ رہا ہے... زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے بعد باری آتی ہے فرحت کی... فاروق کا اس معاملے میں کیا سوال۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”اللہ اپنارحم فرمائے... ایسا میں نے کیا کہ دیا ہے کہ سب میرے بیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔“ فاروق نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اگر ایسا ہی ہے تو وہ ترکیب بتاؤ... جو تم نے سوچی ہے۔“

”میں نے کوئی ترکیب سوچی نہیں... ایک بات ذہن میں آ گئی...“

اں کا ذکر کرنے چلا تھا کہ تم سب نے مجھے آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیا۔۔۔
ہے کوئی تک۔۔۔ فاروق بہامان گیا۔۔۔

”میں اعلان کرتا ہوں۔۔۔ نہیں ہے۔۔۔“ خان رحمان بلند آواز میں
جو سلے۔۔۔

”کیا نہیں ہے۔۔۔“

”تک۔۔۔ اس بات میں۔۔۔“

”آپ بھی بیراہماق اڑانے پر گل گئے۔۔۔“ فاروق نے ان کی طرف
شکایت آمیز لپجھ میں کہا۔۔۔

”نہیں تو۔۔۔ ایسی بات ہرگز نہیں۔۔۔ میں تو تمہارا ساتھ وہی رہا
ہوں۔۔۔“

”اللہ کا شکر ہے۔۔۔ کوئی تو ساتھ دینے والا نہا۔۔۔ آپ کا شکر گزار
ہوں۔۔۔“

”خیر ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔“ پروفیسر
داود نے سر بلایا۔۔۔

”اور میں بھی۔۔۔ انپکٹر کامران مرزا مسکراۓ۔۔۔“

”ظاہر ہے، منور علی خان اور میں بھی ساتھ ہیں۔۔۔“

”واہ۔۔۔ یہ ہوئی تباہت۔۔۔ اب میں وہ بات دھڑکے سے ٹاکوں
گا۔۔۔ حسیرے ذہن میں ابھری ہے۔۔۔“

”بس تو پھر بتاؤ۔۔۔ دریکھول کرو ہے ہو۔۔۔“ محمود نے جملے کے لپجھے
میں کہا۔۔۔

”پہلے تو ساحل کی طرف دیکھئے۔۔۔ اوزھر کیا ہو رہا ہے۔۔۔“

وہ سب ساحل کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔

جنگلی نکست خور وہ انداز میں واپس جا رہے تھے۔۔۔ گویا انہوں نے اپنی ناکامی
کو تسلیم کر لیا تھا۔۔۔

”یہ چا ضرور رہے ہیں، لیکن ہماری طرف سے غافل نہیں رہیں
گے۔۔۔ اپنے حفاظتی انتظامات ضرور کریں گے۔۔۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں۔۔۔ اگر یہ ہمیں
راستہ دے دیں تو ان کا بھی کوئی نقصان نہیں۔۔۔ سوال ہے صرف زبان کا۔۔۔ یہ
ہماری زبان نہیں سمجھتے۔۔۔ ہم ان کی۔۔۔ ورنہ ان سے بات کی جاسکتی تھی۔۔۔“

”اس سلسلے میں ہم منور علی خان سے کام لے سکتے ہیں۔۔۔“

”کیا مطلب؟۔۔۔“ منور علی خان بول پڑے۔۔۔

”مطلوب یہ کہ آپ ان سے جنگل کی اشاراتی زبان میں بات کر سکتے
ہیں۔۔۔“

”لیکن کیسے۔۔۔ کوئی سامنے ہو گا تو بات کر سکوں گا نا۔۔۔ اشاراتی
زبان میں آواز تو ہوتی نہیں۔۔۔“

”اس پر بھی غور کر لیتے ہیں۔۔۔“

”تو کر لیں پھر غور۔۔۔ ہمیں اور کیا چاہیے۔۔۔“

”اور وہ فاروق کی ترکیب تو رہی گئی۔۔۔“ آصف نے یاد دلایا۔۔۔

”ہاں فاروق اپنے ترکیب ہو جائے۔۔۔“

”اللہ کی شان ہے۔۔۔ آج ترکیب فاروق بتا رہا ہے۔۔۔“ آتاب
پہنچا۔۔۔

”تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔۔۔“

”تمہارے سامنے بیٹھا ہوں... جا کہاں رہا ہوں۔“ آفتاب نے
جلدی سے کہا۔

”بھئی پہلے ترکیب... پھر ادھر ادھر کی باقیں۔“

”جی اچھا انگل... چلو فاروق الگلو ترکیب۔“ شوکی بولا۔

”آپ دیکھ رہے ہیں انگل...“ فاروق نے پروفیسر واد کی طرف
دیکھا۔

”دیکھئیں... سن رہا ہوں۔“

”یہ تم ترکیب بتا رہے ہو یا ادھر ادھر کی، بلکہ بے پر کی اڑا رہے ہو۔“

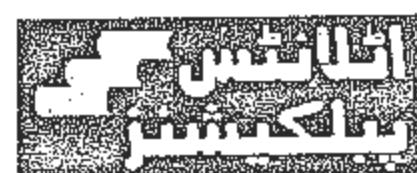
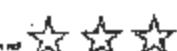
محمود نے جھلا کر کہا۔

”میں ترکیب کان میں بتاؤں گا۔“ فاروق نے تی بات کہی۔

”چلو آگے آ جاؤ۔“

السپکٹر جمیش نے اپنا کان اس کی طرف کر دیا... وہ اپنا مندان
کے کان کی طرف لے آیا... اور پھر لگا ترکیب تنانے۔“

اچانک اسپکٹر جمیش زور سے اچھلے:



A-36 ایمین اسٹریٹ کراچی 16-B رائٹ کرچی

فون: 2581720 - 2578273

e-mail: atlantis@cyber.net.pk

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بشوہما کو شیطان پارٹ ڈو

اشتیاق احمد



تفریج بھی، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور نابولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب میں کفروں کیلئے کوشش ہے۔

نالوں ہوما کے شیطان پارٹ تو
نمبر ایکٹر جشید سیرینبر
پیلشیر فاروق احمد
صفحات 000
قیمت 000 روپے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اٹلانٹس پبلکیشنز کی یونیگلی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کے کسی حصے کی تقلیل، کسی قسم کی دخیر، کاری، جہاں سے اسے وہ بارہ حاصل کیا جاسکتا ہو یا کسی بھی شعل میں اور کسی بھی ذریعے سے تخلی نہیں کی جاسکتی۔ یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو بغیر ناشر کی یونیگلی اجازت کے، طور تجارت یا بصورت دیگر مستعار و وہارہ فروخت نہیں کیا جائے گا۔

نالوں حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و تابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

ایک سالہ

حضرت چابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرمایہ، ظلم کرنے سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن ان مذہروں کا باعث ہو گا اور غل سے بچو! اس لیے کہ غل نے ہی ان لوگوں کو ہلاک کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اس غل نے انہیں اپنوں کا خون بھائے پر اور حرام حیزوں کو طلاق بخند پر آمادہ کیا۔
(سلم)

نالوں پڑھنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ:

★ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

★ آپ کو اسکوں کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

★ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دکھانے جا سکتی۔

★ آپ کے ذمے گمراہوں نے کوئی کام تو نہیں دکھانے جا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو نالوں الماری میں رکھوں، پہنچ عبادت اور

دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر نالوں پر بھیں۔

اشتاق احمد

دوسرا میں

چار سو صفات کا ناول شائع کرنے کے حالات نہیں ہیں... لہذا دو حصوں میں شائع کر لیا جائے... ایک حصے میں تو پلاٹ سست نہیں رہا... انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ کوئی جرم نہیں... بلکہ یہ تو خوشی کی بات ہے... آپ اپنی پرانی حالت پر واپس آ رہے ہیں... اس طرح یہ ناول دو حصوں میں شائع کیا گیا... بٹوما کے شیطان پہلے ہی آپ تک پہنچ چکا ہے... یہ ہے اس کا دوسرا حصہ۔ اس طرح ایک مرتب بعد آپ چار سو صفات کا ناول پر چھین گے۔

اب دو باتیں ہو جائیں ناول کے بارے میں... اس ناول کو آپ فرضی پلاٹ خیال نہ کریں... دنیا کے ایک کونے میں ایسا جال داتھی بچایا گیا ہے... پہلے اس کے بارے میں کسی کو کافیوں کا انخبر نہیں تھی... لیکن پھر کسی نہ کسی طرح بات لیکھو گی... میں نے جب انخبروں کو پڑھا... اس جال پر لکھے گئے مضمایں کا مطالعہ کیا تو ناول لکھنے پر خود کو مجبور پایا... دنیا کو پتا تو چلے کہ یہ بڑی طاقتیں کیا کیا کیا پچھ کر رہی ہیں... ہم تو چلو وہشت گرد ہیں... لیکن ان منشویوں کے مظہر عالم پر آنے کے بعد خود یہ کیا ثابت ہو رہے ہیں۔

سوال تو یہ ہے۔

مشخصات

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ابتو ما کے شیطان شروع کیا تو یہ بات میرے وہم و گماں میں بھی نہیں تھی کہ ایک بار پھر مجھ میں پرانی روح جھس آئے گی۔ پر روح کی زیارت میں باز بار مجھ میں داخل ہو جایا کرتی تھی اور اس کی وجہ سے ناول کہیں کے کہیں اور کسی حصوں میں چلے جاتے تھے... لیکن وہ وقت اور تھا... اس وقت ناول دوسرے پڑھنے کا ایک رجحان پایا جاتا تھا... اس وقت جن بناوں نے امیں گھیرا ہوا ہے، یہ اس وقت موجود نہیں تھیں... لہذا مطالعہ کا شوق ہاتھی تھا... پھر وقت رفتہ موجودہ دور کی تمام بنا میں وارد ہوتی چلی گئیں اور تم ان کے جال میں چھنتے چلے گے، مطالعہ سے دور ہوتے چلے گے... لہذا یہ روح بے چاری بھی مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔

ان حالات میں اچانک اس کا آ جانا عجیب سا لگا... کیونکہ دو سو صفات کا ناول آج کے دور میں کچھ پرانے چاہئے والے پڑھ لیں، میں تو اس کو نیخت سمجھتا ہوں... کہاں یہ کہ ناول ایک حصے میں پورا نہ ہوا اور دو حصے میں کچھ لے جائے... یہ بہت مشکل کام محسوس ہوتا ہے... لیکن ہوا یہ کہ بٹوما کے شیطان کے ناول کے صفات پورے ہونے کو آگئے اور ناول کا پلاٹ ابھی درمیان میں ہی تھا۔ اس لمحے الحسن ععنوس کی کتاب کیا کیا جائے۔ اگر انہی صفات میں ناول ختم کرتا ہوں تو یہ چوں چوں کا مرپ نظر آئے گا... اب فون کیا فاروق احمد صاحب کو... کیونکہ یہ مسئلہ دراصل ان کا بنا تھا... میں نے انہیں بتایا کہ ناول تو چار سو صفات کا بن رہا ہے... آج کل

اندازوں کا جنگل

فاروق جو نبی ان کے کان سے پیچھے ہٹا، وہ بولے:

”آج تو کمال ہو گیا... فاروق، فرزانہ اور فرحت کے کان کاٹ

گیا۔

”ارے باپ رے،“ فاروق گھبرا گیا۔

”میرے خیال میں، اس نے جو ترکیب بتائی ہے، وہ ان حالات

میں مناسب ترین ہے... اگرچہ،“ وہ کہتے کہتے رک گئے:

”اس مناسب ترین ترکیب میں آپ ایک عذر اگرچہ کہاں سے لے

آئے۔“

”اندازوں کے جنگل سے۔“

”بھی واہ... نام پسند آیا... ویسے یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

فاروق مسکرا یا۔

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”آخر اس نے ایسی کیا ترکیب بتائی ہے۔“ خان رحمان برقراری

کے عالم میں بولے۔

”مثور علی خان... آپ اپنا آنکھڑہ تیار کر لیں۔“

”کیا مطلب... کیا پھر جنگل میں اترنے کا ارادہ ہے... لیکن اس کا کیا فائدہ ہو گا۔“ پروفیسر داؤڈ چونکہ اٹھے۔

”ابھی آپ نے فاروق کی ترکیب نہیں سنی۔“ وہ مسکرا یے... ادھر فاروق شرمگیا۔

”شرما تو بالکل اڑکیوں کی طرح رہے ہو،“ آفتاب جل گیا۔

”تو تم کیوں جل رہے ہو... تم بھی شرما لو،“

”میں کس بات پر شرما لوں؟“

”اب یہ بھی میں بتاؤں۔“ فاروق نے آنکھیں فکالیں۔

ان میں سے کئی کی ہنسی نکل گئی:

”رات کی تاریکی میں صرف میں جنگل میں اتروں گا۔“ اسپکٹر جمشید

نے بتایا۔

”ارے باپ رے... جمشید معلوم بھی ہے... چاند کی آخری

ناریں جس میں... گھپ اندر ہیڑا ہو گا۔“ خان رحمان گھبرا گئے۔

”تو کیا ہوا... میرے پاکیں یاریکی کی تاریق ہے... اس سے کام

جلاؤں گا۔“

”کرو گے کیا... پہلے یہ بتاؤ،“ پروفیسر داؤڈ نے کہا۔

”ان میں سے کسی ایک کو اٹھا کر جہاز پر لاوں گا۔“

”کیا!!“ ان کے منہ سنتے نکلا۔

”ہاں!“ انہوں نے فوراً کہا۔

”اور پھر... اس کے بعد؟“

”اس کے بعد... ہم اس کی زبان سمجھتے کی کوشش کریں گے... اس

کام میں چند گھنٹے لگ جائیں گے... پھر اس کے لباس میں اور میک اپ میں جنگل میں جاؤں گا۔"

"ارے باپ رے... انتہائی خطرناک... "خان رحمان نے کہا۔

"لیکن انگل! آپ بھول رہے ہیں۔" فاروق مسکرا کیا۔

"اور میں کیا بھول رہا ہوں... اور جو بھول رہا ہوں... تم یاد کر دو ہا۔"

"ہوں... کیوں نہیں... آپ بھول رہے ہیں... خاطروں سے ڈرانے والے آسمان نہیں ہم۔"

"ہاں ہاں... یاد آگیا... "خان رحمان جلدی سے بولے۔

"تو جشید... تم ان میں سے کسی ایک کو اغوا کر کے ادھر لاوے گے اور اس کے میک اپ میں دہاں جاؤ گے... کیا اتنی دیر میں انہیں اس گم شدگی کا پہنچیں چل جائے گا۔"

"اس قدر رجلد کیسے پہاڑ چل جائے گا... جنگل تو ان سے پشاڑا ہے۔" اسکر جشید نے کہا۔

"یہ بھیک کہ رہے ہیں اور فاروق کی ترکیب بہت خوب ہے... اس طرح ہم سب کے سب جنگل میں ہوں گے... اور بٹوما کی طرف سفر کرنے کی صورت ہتی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے... اندھیرا ہوتے ہی آنکھڑا ادھر پھینک دوں گا۔" منور علی خان بولے۔

"بالکل بھیک ہے۔"

"ہمیں ذریگ رہا ہے جشید... میرا خیال ہے... تم اسکیلئے نہ جاؤ۔"

کم از کم کامران مرزا کو ساتھ لے جاؤ۔" پروفیسر بولے۔

"یہی میرے دل کی آواز ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے... ہم دونوں جائیں گے۔" اسپکٹر کامران مرزا نے خود ہی فصلہ ستادیا۔

"اور کیا ہم ایک آدمی کو پکڑ کر لائیں گے۔"

"ہاں! نی الحال ایک ہی کافی ہے۔"

"جنگل میں اس کی گم شدگی کی خبر تو پہلے گی... پھر جب جشید اس کے میک اپ میں جائیں گے... تو وہ سوالات کریں گے... جشید... کیا تم اس کی آواز میں اور اس کی زبان میں بات کرو گے۔" پروفیسر داؤن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... لہذا ہم تیل دیکھیں گے... تیل کی دھار دیکھیں گے۔"

"چلیے پھر... دیکھ بھیجیے گا۔" محمود نے منہ بنا کیا۔

اور پھر رات کے وقت اسپکٹر جشید اور اسپکٹر کامران مرزا جنگل کے سرے پر اتر گئے... چند لمحے تک وہ زمین پر دم سادھے لیٹے رہے... آخر جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ آس پاس کوئی جنگلی نہیں ہے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنے لگے... نارچ کی مدد کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے... لیکن اسے وہ بہت احتیاط سے جلا رہے تھے، کیونکہ رجنگلی آس پاس موجود تھے جب وہ نارچ کی روشنی دیکھ کر چوکنے ہو سکتے تھے کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں جنگلیوں کے جھوپڑے نظر آگئے... گویا وہ ان کی آبادی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جھونپڑوں میں روشنی ہو

رہی تھی... اب انہیں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ آخر وہ ایک جھوپڑے کے بالکل نزدیک بیٹھ گئے... انہوں نے جھوپڑے کے سوراخ سے اندر بھاٹا کا، اندر صرف ایک جنگلی پڑا سورہا تھا... دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... یہ شکاران کے لیے بہت بہتر تھا... کیونکہ جھوپڑے میں اگر ایک سے زیادہ جنگلی ہوتے اور وہ ان میں سے ایک کو اخوا کر کے لے جاتے تو باقیوں کو تو فوراً آپنا چل جاتا... جب کہ اس اکیلے کی گم شدگی کا پتا انہیں نہیں لگ سکتا تھا۔

انہوں نے آواز پیدا کیے بغیر جھوپڑی کا دروازہ کھول دیا...

اسے بند کرنے کے لیے صرف ایک لکڑی اڑائی گئی تھی... اسکر جمیش نے جیب سے ایک روپال کالا اور اس کے تاک پر رکھ دیا... فراسی دیر کے لیے اس کا جسم تن ہو گیا... پھر ڈھیلا پڑ گیا اور پھر اسکر کامران مرزا نے استھا کر کنڈ سے پڑا دیا... دونوں نے ساحل کا رخ کیا... ساحل پر ایک رسی کی بدد سے اسکر کامران مرزا نے اسے اپنی کمر سے باندھ لیا اور آنکھوں کی رسی سے لکھ گئے... اس طرح وہ جہاڑ کی طرف بڑھنے لگے، جب کہ اسکر جمیش دیں نکارے پر کھڑے رہے:

ایسے میں انہوں نے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی محسوس کی... وہ بھل کی سی تیزی سے ہڑے اور ساتھ ہی لڑکے گئے... جنگلی ان پر چھلانگ لگا چکا تھا... ان کے عین وقت پر لڑک جانے سے وہ ان کے اوپر سے ہوتا ہوا پچھے دور جا کر گرا... ساتھ ہی اسکر جمیش نے اس پر تارچ کی روشنی ماری... انہوں نے دیکھا... وہ اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا... اس کے دامیں ہاتھ میں ایک لمبا چاقو تھا... ان کے بدن میں سنسنی کی لہر دڑ گئی... اللہ تعالیٰ نے ان کی بدد فرمائی گئی... انہوں نے عین وقت پر اس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا... وہ دس اس کا

خبران کی کمز کے پار ہوتا... وہ ایک بار پھر ان پر چھلانگ لگا تھا کہ لیے تیار تھا... اور ان اسکر کامران مرزا نے ساحل پر گزر بڑھو گئی کرنی... کیونکہ اسکر جمیش نے ان کی طرف تارچ کی روشنی کا سلسہ چاری رکھا ہوا تھا... 23 جنوری کو

گیا تھا... انہوں نے دلبی آواز میں کہا:

”کیا اس طرف کوئی گزر ہے؟“

”آپ غفرانہ کریں... اپنا سفر چاری رکھیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔

اسی وقت جنگلی نے ان پر چھلانگ لگادی... انہوں نے تارچ کی روشنی کی مدد سے اسے جھکائی دی اور ساتھ ہی گھوستے ہوئے اس کی کمر پر ایک ٹھوکر رسید کر دی... وہ اندر ہے منہ گرا اور بے حس ہو گی... انہیں انہوں نے اس کی طرف قدم اٹھائے ہی تھے کہ انہیں محسوس ہوا، کوئی گویا ہوا میں تیرنا ہوا ان کی طرف آرہا ہے... وہ یک دم بیٹھ گئے... اور حملہ آور ان کے اوپر سے گزر گیا۔ اسکر جمیش نے اس پر چھلانگ لگائی... وہ کروٹ لے کر ایک لانگھ ہو گیا، اور اسکر جمیش مرزا آگے بڑھ لگئے... تاہم انہوں نے خود کو ادا روک دیا، وہ اس کی طرف ہڑے، عین اس لمحے کوئی ان کی کمر سے لکر ایا... یہ بکر بہت زبردست تھی... ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ لکر اسے لے بیٹھنی... لیکن وہ گرتے گرتے سنبھل گئے... اور ہڑے بغیر اپنی ٹانگ حملہ آور کی طرف گھادی... یہ لات اس کے پہلو میں گئی... وہ دھڑام سے گرا... اب وہ اس کی طرف الٹے اور اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا... یہاں تک کہ وہ ساکت ہو گیا... اب وہ پہلے کی طرف بڑھے... عین اس وقت ان پر تین جنگلیوں نے تین طرف سے حملہ کیا... اصل مسئلہ اندھیرے کا تھا اور یہ بات وہ محسوس کر بیک تھے کہ جنگلی

وائل جنگلیوں کی وجہ سے جگہ رک رہی تھی، اس لیے وہ ساتھ ساتھ حرکت بھی کر رہے تھے تاکہ کھلی جگہ میں لٹانے کا موقع ملا رہے... اندھیرے میں بھی وہ بہت سچے تلے ہاتھ مار رہے تھے تاکہ کوئی وار خالی نہ جائے... کسی جنگلی کے ان کا ایک ہاتھ بھی لگ جاتا، وہ پھر نہ اٹھ پاتا... ایسے کاری وار کرنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ دشمن ان گفت تھے... ان کی تعداد کا تو انہیں اندازہ بھی نہیں تھا اور اگر مار کھا کر بھی وہ اٹھتے رہے تو تعداد کی طرح کم ہونے میں نہ آتی۔

جنگ شروع ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے... اسپکٹر جمیش اور اسپکٹر کامران مرزا بھی تک پوری وقت سے مقابلہ کر رہے تھے... ان کے ہاتھ پیروڑا بھی ست نہیں ہوئے تھے۔ دوسری طرف جنگلیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی... جو مار کھا کر گزرے تھے، ان کی جگہ ہر لمحے تازہ دم جنگلی آگے آئے جا رہے تھے۔ ایسے میں اسپکٹر جمیش کی آواز ابھری:

”کامران مرزا۔“

”ہوں۔“

”کیا خیال ہے... اگر ہم دن نکلنے تک ان کے مقابلے میں ڈالے رہے تو یہ ہم بہت کچھ کر سکیں گے۔“

”ہاں! ان شاء اللہ!“ وہ بولے۔

”لیکن دن نکلنے میں بھی بہت وقت باقی ہے... اور مسلسل جنگ کی صورت میں ہمارے ہاتھ پر جواب دے جائیں گے۔“

”اللہ ما لک ہے...“ اسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”گھنٹوں پر اندھیرے میں یہ جنگ جاری رہی... اور جنگلیوں نے محسوس کر لیا کہ ان کا مقابلہ شاید دنیا کے انوکھے لوگوں سے ہے... ہمارا نا تو

اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہیں... جب کہ وہ اس مقابلہ نہیں تھے... اس طرح وہ ان پر آسانی سے جملہ کر رہے تھے اور ان کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا... دوسری طرف حملہ آوروں کی تعداد ملکہ بڑھ رہی تھی... یہ بات اسپکٹر کامران مرزا نے بھی محسوس کر لی تھی۔ انہوں نے جنگلی کے گرد کسی ہوئی رسی کھول دی... اس طرح جنگلی سمندر میں جا گرا... وہ تیزی سے واپس پلے اور جنگل کے کنارے اتر گئے... ان کے پاس پسل مارچ تھی انہوں نے اس کی روشنی لہرائی تو ان گفت تو ان گفت لوگ اسپکٹر جمیش پر ہر طرف سے جملہ کرتے نظر آئے۔

انہوں نے فوراً کہا:

”گھبرا یے گا نہیں... میں آگیا ہوں۔“

”شکریہ!“ وہ سکرانے۔

اسپکٹر کامران مرزا نے بلا کی تیزی سے دوڑ لگائی اور جملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ جلد ہی وہ اسپکٹر جمیش تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اس وقت وہ ان سے زبردست جنگ کرتے رہے تھے۔ دن کا وقت ہوتا تو صورت اتنی گئی گزری ہرگز نہ ہوتی... لیکن اندھیرے کی وجہ سے ان کے جسم پر بہت چوٹیں آچکی تھیں... اب اسپکٹر کامران مرزا کے آجائے پر ان کی ڈھارس بندھی... اور وہ نوں کمر سے کمر ملا کر دشمنوں کے وار کو روکنے لگے... ساتھ میں ان پر جملہ کرنے لگے روکنے:

”کاش ہمارے ہاتھوں میں ایک ایک چا تو ہوتا...“

”خیر کوئی بات نہیں... آسانی سے تو یہ ہمیں اب بھی نہیں گرا پا سکیں گے...“ اسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

ان کے ہاتھ اور پیر بھی تیر کی طرح چل رہے تھے... گرے

انہوں نے سکھا ہی نہیں... پہ بات محسوس کر کے جنگلیوں کی کمائن کرنے والے کی آواز ابھری:

”خوفناک اسے۔“

”یہاں نے کیا کہا۔“ اسپکٹر جشید فرمے۔

”شاریدرا پتے ساتھیوں کو ہدایات دی ہیں۔“

عین اس لمحے ان پر کوئی بہت بھاری چادری گری... وہ اس کے نیچے وستے چلے گئے... اوہ جنگلی فوراً اس بھاری چیز کے کناروں پر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ اس کے نیچے سے نکل سکے جائیں۔“

اس وقت انہیں معلوم ہوا... وہ موئی رسیوں سے بنا ہوا ایک جال تھا... اب جال کے چاروں طرف جنگلی ان پر تابڑ توڑ کے اور لا تین رسید کرنے لگے... جال کی وجہ سے وہ اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ انہیں رات میں تارے نظر آگئے... دن کا وقت تو تھا ہی نہیں... جال میں کچھ جنگلی بھی پھنس گئے تھے۔ ہاہر موجود جنگلیوں نے ان کی کوئی پروا نہیں کی... انہیں تو غرض بس ان سے تھی اور انہیں قابو کر لیا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے خود کو بالکل بے بس محسوس کیا... وہ اللہ کا ذکر کرنے لگے... لاشیں اور کے ان پر بارش کی طرح ہر سر ہے تھے اور اسی کے ساتھ ذکر کی رفتار بڑھ رہی تھی... پھر ان کے ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگے... اس حالت میں اسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری:

”اُسپکٹر جشید!“

”جول!“

”میں سے ہوش ہونے چلا ہوں... کیا پروگرام ہے؟“

”اپنا بھی یہی پروگرام ہے... جہاں چلیں گے... اسکے چلیں“

”بالکل ٹھیک ہے۔“

اور پھر وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گئے... لاشیں اور کے ان پر

اب بھی ہر سر ہے تھے:



دوسری جنگ کا آغاز

”مم... میراول بیٹھا جا رہا ہے۔“ فرزانہ بڑی بڑی۔

”تو اسے اٹھانے کی کوشش کرو۔“ فرحت بولی۔

”کیوں... کیا تمہارے دل کو کچھ نہیں ہو رہا۔“

”ہو کیوں نہیں ہو رہا... میراول توڑا بیٹھا جا رہا ہے۔“

”تم اپنے دلوں کو اٹھنا بیٹھنا سکھاؤ... اور تم اپنے دل کو تیرنا۔“ فاروق نے انہیں مشورہ دیا۔ لیکن جان اس کی آواز میں بھی نہیں تھی۔

”اور تمہاری آواز کیوں بھیک ماگنگ رہی۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”ان دونوں کے دلوں کی فکر میں دلیل ہو گی ہے۔“

”ویسے سچی ہے... حال اپنے دل کا بھی اچھا نہیں ہے۔“

”سب کی بھی حالت ہے دوستو... اس کا مطلب ہے... جنگ میں ہمارے ساتھی گھر گئے ہیں... مجھ سے تو اپ رکا نہیں جا رہا۔“ خان رحمان بولے۔

”اور میں بھی نہیں روک سکتا... جنگ کا تجربہ میرا زیادہ ہے... اس لیے سب سے پہلے میں جاؤں گا۔“

”بھیک ہے... ہم بھی بیچھے آ رہے ہیں۔“

اور پھر منور علی خان رسی سے لٹک گئے... رسی پر نہایت تیزی سے سڑ کرتے ہوئے آخر وہ جنگل کے کنارے پہنچ گئے... اس وقت تک دن کا آجایا پہلی لگاتھا اور وہ اردو گرد کا بخوبی جائزہ لے سکتے تھے... جو نہیں وہ جنگل کے کنارے پہنچا اور رسی سے درخت پر اترے، انہوں نے اسکرچ جمیڈ کی آواز سنی:

”حیرت ہے... ہمارے ساتھی اب تک حرکت میں نہیں آئے۔“

”آپکے ہیں۔“ انہوں نے درخت پر سے کہا۔

”اوہ منور علی خان ای یہ تم ہو...“ اسکرچ کا مردانہ صراحت بول پڑے۔

”اللہ کی مہربانی سے۔“

”ایسے ہی بیچے نہ آ جانا... پہلے اردو گرد کا جائزہ لے لو۔“

”دور دور تک کوئی جنگلی تظریخیں آ رہا۔“ منور علی خان بولے۔

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”ہاں ای یہ نہیں ہو سکتا... وہ درختوں کی اوٹ میں چھپے بیٹھے ہیں...“

اور ہمارا انتظار کر رہے ہیں... لیکن ہمیں تو اب اس جنگ میں کو دنا ہے... لہذا میں اتر رہا ہوں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی منور علی خان نے چھلاگ لگا دی۔ وہ دھم سے بیچ آگ رہے... میں اس لمحے ایک تیر سنتا تھا ہوا ان کے کان کی لوک پاس سے گزر گیا۔ انہوں نے خود کو فوراً زمین پر گرا، اور ہڑوہ گر رہے، اور ان گفت تیران کے اوپر سے گزر گئے۔ اگر انہوں نے خود کو گراند دیا ہوتا تو اس وقت ان تیروں نے ان کا جسم چھلنی کر دیا تھا... بوکھلا ہٹ کے انداز میں ان کے مٹھے نکل گیا۔

”ازے باپ رے۔“

ہوں۔“ آقاب مسکرا یا۔

”اللہ کا شکر ہے کہ تم آدم خور نہیں ہو۔“

”معصوم ہوتا ہے تم اس جاں سے بھی نکلواؤ گے... کہیں تو نکل کر
نیکھو۔“ منور علی خان نے تملائے ہوئے انداز میں کہا۔

”لماں... تو آپ جاں میں ہی زہنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ نہیں...“ وہ گل بڑا گئے۔

اسی وقت انہوں نے ایک خوفناک آواز سنی:

”شو بلو... گھٹانا۔“

O

یہ آواز پورے جھلک میں گونجی محسوس ہوئی... رہیوں کے جاں
میں وہ اوہرا اوہر تو دیکھنے کے قابل تھے نہیں... اوہ راس آواز کے ساتھ ہی
سرود پر اٹھانے والے دوڑنے لگے:

”شو بلو کا مطلب ہے جلدی کرو...“ فاروق نے اس پر ترجیح کر
ڈالا۔

”اور گھٹانا کا۔“ آقاب کی آواز سنائی دی۔

”گھٹانا شاید ان سب کا اپنچارج ہے۔“

”ہو سکتا ہے تھی بات ہو... اور یہ آواز کس کی ہے۔“ مکھن نے
کہا۔

”ان کے سردار کی... یعنی تمام جنگیوں کے سردار کی... تم اتنا بھی
انداز نہیں لگ سکتے۔“ فاروق جعل گیا۔

اب جوانہوں نے اوہرا اوہر دیکھا تو سکتے میں آگئے۔ ان کے
چاروں طرف جنگلی تیر کمانوں اور نیزوں سے بالکل یہی کھڑے تھے۔ انہوں
نے فوراً ساتھ اوپر اٹھا دیے...

اب چند جنگلی ہاتھوں میں رسیاں لیے آگئے بڑھے اور انہوں
نے منور علی خان کو باندھ کر جاں کے بیچے کر دیا۔

”تو آپ بھی آگئے۔“ اسپکٹر کامران مرزا غلکن انداز میں
مسکرا گئے۔

”مرتے کیا شکر کرتے... آنا ہی تھا... باقی بھی آرہے ہیں۔“
”ہوں... اب تو یہ اس جہاز پر بھی قبضہ کر لیں گے۔“ اسپکٹر جمشید
لے سرداار و بھری۔

ایسے میں خان رحمان آتے نظر آئے... حالات وہ پہلے ہی
بھانپ چکے تھے... اور ان حالات میں جنگیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے
قابل نہیں رہ گئے تھے... خان رحمان کے ساتھ بھی بھی ہوا... پھر باری باری وہ
سب آگئے اور جاں کے بیچے آکر دب گئے...

پھر ان گفت جنگیوں نے مل کر انہیں جاں سمت اٹھایا اور لے
چکے جلوس کی شکل میں:
”بھی واہ... ایسا نظارہ تو کبھی دیکھا نہ سنا۔“ فاروق کی آواز
اچھری۔

”تو اب دیکھو... اور پیٹ بھر کر دیکھو لو،“ آقاب جعل گیا۔
”بھائی ان حالات میں تو انگارے نہ چھاو۔“ فاروق جھلماٹھا۔

”اب میں تھیں تو چلانے سے رہا... کیونکہ میں آدم خور نہیں

”ہاں نہیں لگا سکا... لیکن اس میں جلنے بھتنے کی کیا بات ہے... اپنی ترکیب کا انعام دیکھ لیا۔“ مکصن بھی بھنا کر بولا۔

”اس میں قصور ترکیب کا نہیں... ترکیب اگر اچھی نہ ہوتی ابا جان اور انکل بھی بھی اس پر عمل نہ کرتے۔“ فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

”اچھا بھائی... کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو...“ آصف کی آواز سنائی۔

”پاگل ہوئے ہو... اس جال میں دوڑ کیسے سکتا ہوں۔“ فاروق نے ہاک لگائی۔

”محاورہ۔“ آصف بولا۔
”لگتا ہے... تم اس جال میں بھی آرام سے نہیں رہنے دو گے... یہاں سے بھی نکلا کر دم لو گے...“ خان رحمان نے بھٹائے ہوئے لجھے میں کہا۔

”یہ تو اچھی بات ہے انکل... کیا آپ اس جال سے نہیں نکلنا چاہتے۔“

”اوہ... غلط کہہ گیا... دراصل میں تم لوگوں کی رویہہ گیا۔“
”حیرت ہے انکل... جال میں رہتے ہوئے آپ بہہ گئے۔“ شوکی بول پڑا۔

”بھی محاورہ بہہ گیا۔“
”شوبلوں“ آواز پھر گئی۔

”کیا شوبلو شوبلو گارکھی ہے اس نے۔“ فرزانہ جلا کر بولی۔
اونھر دوڑتے والے اور تیز دوڑتے لگے۔

”اب یہ بات یقین سے کہا جاسکتی ہے کہ شوبلو کا مطلب ہے، جلدی کرو... آخر اس شخص کو کیا جلدی پڑ گئی... جال میں ہم پھنسے ہوئے ہیں، جلدی تو ہمیں ہونی چاہیے... ہمارا توجہ حال ہے... وہ ہے... میں تو یہ چارے دونوں الکلوں کے بارے میں سوچ سوچ کر دبلا ہو رہا ہوں... ان کا کیا حال ہو گا۔“

”ہمارے بارے میں سوچ سوچ کر دبلا ہونے کی بجائے یہ سوچو کہ ان جنگیوں کی قید سے نکلنا آسان کام نہیں، لہذا ہم استعمال کرو... ہمارے ساتھ جو جو ہونا تھا، ہو چکا۔“

”لیکن ابھی اور بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے... آخر یہ ہمیں اٹھا کر لے جائے ہیں۔“

”اللہ مالک ہے... جب تک زندگی ہے... ہم زندہ رہیں گے اور اپنا کام کریں گے اور جب وقت آجائے گا تو اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے... کوئی نہیں روک سکے گا... اپنا تو یہ عقیدہ ہے۔“

”آپ کا عقیدہ بالکل درست ہے... ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے... اس دنیا میں تنکی اور بدی ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مقابل طے آرہے ہیں... ورثیات قائم ہونے سے پہلے تک بھی ہوتا رہے گا۔“

”بالکل تھیک... لہذا اس بات سے کیا ذرنا کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہو گا... اللہ کے راستے میں قربانیوں کا سلسلہ بھی شروع سے چلا آ رہا ہے... یہ تو بہت خوش قسمتی کی بات ہے کہ کوئی انسان اللہ کے راستے میں اپنی جان دے رہے ہے۔“

”تو کیا ابا جان... اس وقت ہم اللہ کے راستے پر نکلے ہوئے ہیں۔“
”ہاں! کیوں نہیں... ہمارا ملک اسلامی ملک ہے، مسلمانوں کا ملک۔“

ہے... ہمارے ملک کو اس وقت شدید ترین خطرہ لاحق ہے... ہم اپنے ملک کو پچانے کے لیے نکلے ہیں... گویا مسلمانوں کو جانے سے پچانے کے لیے نکلے ہیں... تو ظاہر ہے... اللہ کے راستے میں نکلے ہیں۔“

”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

انہیں اٹھانے والے آدمیوں کھٹتے تک دوڑتے رہے... پھر وہ ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے... اس جگہ درختوں کو کاٹ کر میدان ہموار کیا گیا تھا... اور یہ میدان بہت بڑا تھا... اس کے ایک سرے پر درختوں کو بچا بچا کر بہت اوپر اپنایا گیا تھا... اس پر درختوں سے بنائی ہوئی ایک بہت بڑی کرسی رکھی گئی تھی... اس کری پر ایک جنگلی اکڑا ہوا بیٹھا تھا... اس کے دائیں باہمیں جنگلی با ادب کھڑے تھے۔ گویا وہ ان سب کا سردار تھا۔

ان سب کو اس چپوتے پر سردار کے پیروں کے پاس ڈال دیا گیا۔ اس نے نفرت زدہ انداز میں ایک ٹھوکر جال پر زور سے رسید کی پھر چلا�ا:

”شوغاںی سورا۔“

یہ سنتے ہی میں کے قریب جنگلی ایک سمت میں دوڑ گئے... اور وہاں سناثا چھا گیا... پورے میدان میں جنگلی قطاروں میں کھڑے تھے اور میدان ان سے پا پڑا تھا۔ ان سب کے لندھوں سے تیر کان لک رہے تھے... جو جنگلی چپوتے پر کھڑے تھے، ان کے ہاتھوں میں خوفناک قسم کے نیزے تھے... نیزوں کے پھل دھوپ میں آئینے کی مانند چک رہے تھے۔ اس دوران سردار نے ایک بار پھر جال پر ٹھوکر رسید کی... ایسے میں وہ چلا�ا:

”کامورناں۔“

بے شمار جنگلی اس سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے جس سمت سے

انہیں لا یا گیا تھا...“

پھر پہلے بیس کے قریب وہ جنگلی واپس لوئے... جو کبھی آواز پر دوڑ لگائے تھے... انہوں نے ایک شخص کو ایک سخت پر اٹھایا ہوا تھا... وہ رسیوں سے بڑی طرح جکڑا ہوا تھا... اور انہوں نے اسے اس حالت میں اوندو ہے منہ ڈال رکھا تھا۔ جب یہ لوگ چپوتے کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے اس سخت کو چپوتے کے ایک طرف رکھ دیا... اس پر کھٹے شخص کو اٹھایا اور سردار کے پیروں کے پاس پہنچ دیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی... اب اس کی رسیاں کالی جانے لیں... جلد ہی وہ رسیوں سے آزاد ہو گیا... اب اسے پیروں پر کھڑا کیا گیا... لیکن وہ دھڑام سے گر پڑا۔ اس سے ظاہر ہے، اس سے چارے میں کھڑے ہونے کی سکت ہی نہیں تھی... لیکن اسے پھر کھڑا کر دیا گیا... وہ رسیوں کا بیمار نظر آ رہا تھا... رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا... پتا نہیں اسے کھانے کو بھی پکھ دیا جا رہا تھا... اسے میں سردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف مرکر کہا:

”شیلے... گا میں۔“

اب انہوں نے جلدی جلدی اس قیدی سے کچھ الفاظ کہے... اس نے جال کی طرف مرکر انہیں دیکھا اور پھر اس کے پھرے پر حیرت دوڑ گئی... ابھی تک انہوں نے اس کے چھرے کی طرف نہیں دیکھا تھا... لیکن اب کھلی پا رہا اسے دیکھ رہے تھے... وہ انہیں کچھ چانا پیچانا سالاگا... اب وہ سردار کی طرف مرٹا... اور اس کی زبان میں اس سے بات کرنے لگا... پھر وہ ان کی طرف مرٹا اور بولتا:

”سردار کا کہنا ہے... تم لوگوں نے ہمارے بہت سے لوگوں کو مار دالا ہے... ابھی تعداد معلوم نہیں... لاشوں کو بیہاں لانے کا حکم دے دیا گیا“

ہے... لاشیں بھی اسی میدان میں آئیں گی... اس کے بعد تم لوگوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کس طرح موت کے گھاٹ اٹھا رجائے... دیے کیا آپ لوگ مجھے نہیں پہچان سکتے۔“

”من نہیں... لیکن آپ کی شکل صورت جانی پہچانی ضرور ہے۔“

”مم... میں صدر ہوں... علی عمران کا ساتھی۔“

”کیا!!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”زیادہ حیرت ظاہر نہ کریں... کہیں یہ یہ نہ جان لے کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہیں۔“

”ٹھیک ہے... لیکن آپ ان کے قیدی کیے بن گئے... اور علی عمران کہاں ہیں... انہوں نے آپ کو چھڑانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔“

”علی عمران تو خود ان کی قید میں ہیں۔“

”من... نہیں۔“ مارے حیرت کے ایک بار پھر ان کے منہ سے نکلا۔

”آپ نے پھر احتیاط نہیں کی۔“

”حالات ہی ایسے ہیں اور ہاتھیں ہی ایسی سننے میں آرہی ہیں۔“ اسپر جمیلہ نے کہا۔

”اچھا خیر... پہلے میں اس سے بات کروں۔“

اب وہ ان کی زبان میں سردار کو گویا ان کے بارے میں بتانے لگا۔ ادھروہ لوگ اس بات پر پریشان تھے کہ عمران بھی ان کی قید میں ہے، گویا وہ سب کے سب خوفناک صورت حال سے دوچار تھے۔

صدر نے سردار کو بتایا کچھ پھر خاموش ہو گیا۔ اس پر سردار نے

بھی اس سے کافی ہاتھیں کیں۔ پھر شور گونجا... انہوں نے دیکھا... بے شمار لاشوں کو اٹھا کر لایا جا رہا تھا:

”اوہ... آپ لوگوں نے اتنے بہت سے لوگوں کو مار دیا... سردار کا اپ کیا حال ہو گا۔“

”وہ زندگی اور موت کی جنگ تھی... ہم دو کے مقابلے میں ہزاروں جنگلی تھے... ہم کیا کرتے... یا کیا کر سکتے تھے۔“

”خیر... دیکھتے ہیں۔“

تمام لاشیں سردار کے سامنے لاٹوں میں رکھ دی گئیں... سردار کی آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں... پھر اس نے صدر سے بات شروع کی... صدر چوتھے سے اتر کر ان لاٹوں کے خردیک چلا گیا اور انہیں گئنے لگا... کافی دیر بعد اس کی واپسی چوتھے کی طرف ہوئی... پہلے اس نے سردار سے بات کی، پھر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

”سردار اس بات پر بہت زیادہ حیران ہے کہ صرف دو آدمیوں نے اس کے چھ سو تین آدمی کس طرح مارڈا لے ہیں۔“

”ہمیں مسلسل پانچ چھٹے گھنٹے تک لڑتا پڑا ہے، یہ لوگ بار بار تازہ دم آگے آرہے تھے اور ہم ان کا مقابلہ کرنے کے سوا کہی کیا سکتے تھے۔“ اسپر جمیلہ بولے

”سردار کو پہلے تو بہت زیادہ غصہ تھا، لیکن اب وہ غصے سے زیادہ حیران ہے... وہ کہہ رہا ہے... یہ دونوں آخر کیا چیز ہیں... اب میں انہیں کیا بتاؤں۔“

”الا سے کہہ دیں... یہ جانتا چاہتے ہو تو اپنے بھادر سے بھادر ساتھی

کوہم میں سے کسی ایک سے لڑا کر دیکھ لے... اندازہ ہو جائے گا... یا خود مقابلہ کر لے..."

"تو میں یہ بات کہہ دوں۔"

"ہاں! آخر یہاں سے آزادی کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہو گا... قید حالت میں تو ہم سب کے سب مارنے جائیں گے۔"

"لیکن اتنے بہت سے لوگوں کے درمیان سے آخر ہم کس طرح فتح کئے گیں۔"

"یہ بعد کی بات ہے۔" وہ بولے۔

اب صدر سردار کی طرف مڑا... اور اسے تنانے لگا... پوری بات سن کر سردار کی حرمت اور بڑھ گئی... اس نے اسپکٹر جمیش کو جال سے نکالنے کا حکم دیا... انہیں نکالا گیا۔ ان سے صحیح طرح کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا... وہ لڑکھڑائے اور گرتے گرتے نپے۔ یہ حالت دیکھ کر جنگلی سردار بے تحاشہ ہٹنے لگا... پھر بجھلی ہٹنے لگے... یوں لگا جیسے ان پر بھی کا دورہ پڑ گیا ہو... یہ دیکھ کر اسپکٹر جمیش نے ایک دو قدم اٹھائے لڑکھڑائے اور دھم سے گر پڑا۔ اس پر ان کی بھی اور تیز ہو گئی۔

"جی تو چاہتا ہے... انہیں ہٹا ہنسا کر بے دم کر دوں... لیکن اب میں مقابلے کی بات کر چکا ہوں اور انہوں نے جال سے مقابلے کے لیے نکالا ہے... لہذا میں مقابلہ کر دوں گا..." انہوں نے اپنے ساتھیوں اور صدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آخر خدا خدا کر کے ان کی بھی رکی... اس وقت سردار نے صدر کے ذریعے بات شروع کی:

"ہاں تو آپ کس ہتھیار سے لڑتا پسند کریں گے۔"

"جس ہتھیار سے میرا مقابلہ پسند کرے... ویسے تو میں بغیر ہتھیار کے بھی لڑلوں گا... یعنی سردار کے ساتھی کے ہاتھ میں کوئی سا ہتھیار کیوں نہ ہو... میں بغیر ہتھیار اس کا مقابلہ کروں گا۔"

"کیا میں یہ بات کہہ دوں۔"

"ہاں! اکھر دیں۔"

صدر نے سردار سے یہ بات کہہ دی۔ اس کی جبرت اور بڑھ گئی، آخر اس نے اپنے کسی ساتھی کو کشویا کہہ کر پکارا... ایک بہت دیوار قائم آدمی نہ میں سے ٹکل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس وقت اسپکٹر جمیش نے صدر کے ذریعے سردار سے کہا:

"اس طرح کیا مزہ آئے گا... میرے ساتھیوں کو بھی جال سے نکال کر ایک طرف کھڑا کر دیا چاہے... تاکہ یہ بھی مقابلہ دیکھ سکیں... اتنے ہجوم سے نجک کر ہم بھاگ تو جائیں گے نہیں... جنگل میں ایک لاکھ جنگلی تو ہوں گے۔"

"ہاں! اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔"

"بس تو پھر سردار کیوں اتنی بڑوی دکھار رہا ہے... یہ میری طرف دیکھے... میں بغیر ہتھیار کے لڑنے کی بات کر رہا ہوں۔"

اب سردار نے صدر کے ذریعے جواب دیا:

"آپ کے ساتھیوں کو جال سے نکال کر یہاں کھڑا کر دیجئے ہیں... لیکن سردار کی شرط بہت الوجھی ہے۔"

"اور وہ کیا ہے۔"

دیکھنے لے اور بجھنے جائے کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق ہے، اب صدر نے سردار سے کہا:

”ان لوگوں کو آپ کی شرط مکمل طور پر منحور ہے۔“

”اچھی بات ہے... کشوہا۔“ سردار پکارا۔

کشوہا نیزہ تو لتا ہوا میدان میں آگیا، اس کا چہرہ بہت بیٹت تاک تھا... دیکھنے سے خوف آتا تھا:

”آپ نیزے سے لڑیں گے؟“ صدر بولا۔

”پہلے میں اپنے ساتھیوں سے ملوں گا... کیونکہ یہ بہر حال زندگی اور موت کی جنگ ہے... اور اس جنگ میں ہم لوگوں کے بچتے کا امکان مشکل سے ایک فصل ہے۔“

”ہاں! بات بھی ہے... خود میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

”دلوں کو بیٹھنے نہ دیں... ورنہ ہم ہارنے سے بھی بہت پہلے ہار جائیں گے۔“

اب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان سے باری باری گلے ملتے گئے۔ سردار نے صدر سے کچھ پوچھا۔ جواب میں اس نے کہا:

”یہ اپنے ساتھیوں سے ملاقات کر رہے ہیں... کیونکہ آخری موت اور زندگی کی جنگ ہے۔“

سردار ہنسنے لگا... ادھر اسپکٹر جمیش غیر محسوس طور پر اپنے ساتھیوں سے مخاطب تھا:

”پروفیسر صاحب... موقع تھظر رہیں... ویسے بھی تو ہم سب ختم ہو جائیں گے تو کچھ نہ کچھ کر کے جان دیں... لہذا سردار کو نشانہ بنانے کی کوشش

”آپ سردار کے ایک ساتھی سے مقابلہ کریں گے... اگر سردار کا ساتھی مارا گیا تو اس کی جگہ دوسرا لے لے گا... اور اگر آپ مارے گئے تو آپ کی جگہ آپ کا کوئی ساتھی لے گا... مطلب یہ کہ یہ مقابلہ برابر جاری رہے گا... اور ظاہر ہے... آپ لوگ کب تک مقابلہ کریں گے... جنگی تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔“

”لیکن ہمیں مقابلہ تو بہر حال کرنا ہو گا۔“ وہ بولے۔

”اور اس دوران آپ کے ساتھی بدستور تیروں کی زد میں رہیں گے۔ جنگیوں کا پورا ایک دستہ ان پر نظر رکھے گا۔ انہیں حرکت کرنے کی اجازت نہیں ہو گی... صرف وہ حرکت کرے گا... جو مقابلے کے لیے آگے آنا چاہیے گا... کوئی ساتھی اگر حرکت کرے گا تو یہ اسے تیروں سے چھوٹی کر دیں گے۔“

”اچھی بات ہے... لیکن یہ تو بتا میں... آپ ان لوگوں کی زبان کیسے سکھے گئے۔“

”ہم یہاں کئی ماہ سے قید ہیں... ہمارے ساتھ چند اور قیدی بھی ہیں... ان میں ایک دو جنگی بھی ہیں... یعنی ان جنگیوں سے جنگیوں کے قانون کی خلاف ورزی ہو گئی تھی... اس لیے انہیں سزا دی گئی ہے، لہذا ہم نے ان سے زبان سکھ لی ہے۔“

”ٹھیک ہے... اور مدرس علی عمران۔“

”وہ قید میں زیادہ وقت سو کر گزارتے ہیں... کہتے ہیں ایسی فرصت کے لحاظ تو انہیں زندگی میں بھی ملے ہی نہیں... لہذا وہ ان لحاظ سے خوب فائدہ اٹھانا پسند کریں گے۔“

وہ دل ہی دل میں مس دیے... دل میں اس لیے کہ کہیں سردار

کریں۔"

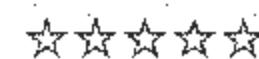
"فکر نہ کرو جشید۔" پروفیسر داؤڈ بھرا تی ہوئی آواز میں بولے۔

"اور اسپکٹر کامران مرزا... کسی نہ کسی طرح سردار کے سر پر پھینکنے کی کوشش کرنی ہے... یہ سب لوگ ان شاء اللہ جنگ میں اس درجے مجوہ ہو جائیں گے کہ انہیں اور دگر کو دھیان رکھنے کا خیال نہیں رہ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے..."

"باتی لوگ بھی کوئی کسر اٹھانے رکھیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" شوکی کی آواز جذبات کے بوچھے تلے دب گئی... ان سب کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور اس سے پہلے کہ اسپکٹر جشید کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے... وہ کشوہا کی طرف مڑ گئے:



مقابلہ

"ہی ہی ہی... ہا ہا۔" کشوہا خوناک ہنسی ہنسا۔

اسپکٹر جشید اس کے سامنے پہنچ کر رک گئے... کشوہا نے ایک ساتھی کی طرف دیکھ کر اسے اشارہ کیا... اس نے اپنا نیزہ اس کی طرف اچھا دیا... انہوں نے نیزہ پکڑنے کی بہت بھوٹدی کوشش کی، نیزہ ان کے ہاتھ سے کھڑا اور ان کے نزدیک ہی گر گیا... یعنی وہ اسے ہوا میں دیوبچہ نہ سکے... اس پر سردار نے قہقہہ لگایا... سب جنگلی بھی پر تھا شہ ہنسنے لگے... ان کی ہنسی کا طوفان طویل ہوتا چلا گیا تھا۔ اس دوران اسپکٹر جشید نیزہ اٹھا پکے تھے... انہوں نے آؤ دیکھانہ تا تو کشوہا کے نیزے پر نیزہ دے مارا۔ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا... اس پر سب کی ہنسی رک گئی۔ کشوہا کی پیشانی پر مل پڑ گئے... اس نے ایک ساتھی کو اشارہ کیا... اس نے اپنا نیزہ اس کی طرف اچھا دیا۔ اب دلوں نے نیزے تاں لیے، کشوہا فکر مند نہیں لگ رہا تھا... اس کا خیال تھا، اس کا مقابل نیزے بازی کیا جانے... پہلا وار جب اس نے کیا تھا، اس وقت تو وہ ہنسنے میں مشغول تھا... اب وہ پوری طرح ہوشیار ہے... لہذا یہ شخص بھلا اس کا کیا بگاڑے لے گا۔

اچانک اس نے نیزے کو گھما نا شروع کر دیا... لمحہ بند نیزے

کے گھومنے میں تیزی آتی چلی گئی اور پھر تو نیزہ دکھائی دینا بند ہو گیا... بس وہ کشوہا کے ہاتھ چلتے دیکھ رہے تھے... اسپکٹر جشید بالکل ساکت کھڑے تھے... انہوں نے نیزہ دونوں ہاتھوں میں تمام رکھا تھا... اور اپنے سینے کے آگے کر رکھا تھا... آخر کشوہا ایک ایک قدم چلتا ان کے بالکل نزویک آگیا... اب گویا نیزہ اسپکٹر جشید کے جسم کے پار ہونے کے بالکل نزویک تھا... پھر بھلی کی سی تیزی سے وہ پیچے گرے اور ساتھ ہی نیزہ زمین کے ساتھ رکھتے ہوئے اس کی پنڈلی پر دے مارا۔ وہ اچھل کر گرا۔ نیزہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

جمع دھک سے رہ گیا... خود ان کے ساتھی بھی حیرت زدہ رہ گئے... انہیں ان کی طرف سے اس وار کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی... اب انہوں نے دیکھا، ان کے چہرے پر سکون مکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اور کشوہا کیساں ہی سی ہستے ہوئے کچھ بولا... صدر نے فوراً اس کے الفاظ کا ترجمہ کر دیا:

”یہ کہہ رہا ہے... وہ بے خبری میں مار کھا گیا۔“

”اس سے کہیں... ایک بار پھر نیزہ پکڑئے... اور بے خیال نہ رہے۔“ وہ بولے۔

صدر نے ان کا پیغام اسے سنا دیا... اس نے فوراً ایک اور نیزہ پکڑ لیا... اس مرتبہ اس نے ٹواڑ کے انداز میں نیزہ ان کے سر پر رسید کیا... انہوں نے اپنا نیزہ سیدھا رکھ کر سر سے بلند کر لیا۔ کشوہا کا نیزہ پوری قوت سے ان کے نیزے سے ٹکرایا۔ پھر اس نے تاہر توڑا انداز میں ان پر وار کیئے... اور وہ اسی تیزی سے روکتے چلے گئے... اب جنگلوں کی لمبی پریشانی سے بد لئے گئی۔ ان کی پیشانیوں پر مل پڑنے لگے... سب سے گھرے مل سردار کی پیشانی

پر نظر آئے... ایسے میں اسپکٹر جشید نے صدر سے کہا:

”یوں مزہ نہیں آ رہا۔“

”کیا مطلب؟“ صدر نے حیران ہو کر کہا۔

”میں بغیر نیزے کے لڑوں گا۔“

”آپ کیوں خود کو خطرے میں ڈالتے ہیں... اسی طرح چلتے دیں۔“

”بات لڑائی چارنی رکھنے کی نہیں... انہیں اس درجے حیرت زدہ کر دینے کی ہے کہ یہ اپنا آپ بھول جائیں اور دوسرے ساتھی پکھ کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں۔“

”لیکن اس صورت میں آپ خطرے میں گھر جائیں گے۔“

”اللہ مالک ہے... آپ یہ بات سردار کو بتائیں۔“

سردار پہلے ہی ابھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ آپس میں کیا باشیں کرنے لگے گئے ہیں۔ اب صدر نےوضاحت کی تو اس کا اطمینان ہوا، اس نے صدر سے کچھ کہا، صدر ان سے بولا:

”ٹھیک ہے... سردار کو اس پر کوئی اعتراض نہیں... وہ تو چاہتا ہے... آپ لوگ باری بارے جائیں۔“

”اللہ مالک ہے۔“

اور پھر انہوں نے نیزہ چھینک دیا... سردار نے کشوہا کو بھی بتا دیا کہ اس کا مقابل خالی ہاتھ لٹانا چاہتا ہے۔ کشوہا کی باچھیں کھل گئیں، کیونکہ اس وقت تک اسے بہر حال اتنا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اتناڑی نہیں ہیں... یوں بھی ان لوگوں نے ان کے ان گھن ساتھیوں کو موت کے گھاث اٹا رہا تھا... لہذا

روکیں گے، یہ بات ان کی سمجھتے باہر تھی۔

آخر جو نبی کشوبا نزدیک آیا اور وہ نیزے کی زندگی کے

ترتیب ہوئے، وہ زمین پر ٹوٹ لگا گئے، انہوں نے اپنے دھڑکو ایک ہاتھ پر لکایا

اور اس ہاتھ پر اپنے جسم کو پوری طاقت کے ساتھ گھما دیا... ان کے دونوں پیر

کارخان کے پیٹ کی طرف تھا، پھر اس نے اسی حالت میں ان کی طرف دوڑ

لگادی... گویا وہ اپنا نیزہ ان کے پیٹ میں بھونک دینا چاہتا تھا... اسپکٹر جمیڈ

ذرا تر پھر ہو گئے... وہ آگے بڑھتا چلا گیا... وہ اگر چاہتے تو اس حالت میں

اس کا جسم پھر کا اور ساکت ہو گیا... لیکن وہ صرف بے ہوش ہوا تھا... انہوں

نے جان بوجھ کر اسے زیادہ زور سے ٹھوکر رسید نہیں کی تھی۔ اب وہ صدر سے

ایسا نہیں کیا، وہ چلداں کا خاتمه نہیں کرنا چاہتے تھے... ان کی توکوش تھی...
بولے:

”سردار سے کہیں... اگر میں چاہوں تو اس وقت کشوبا کو ختم کر سکتا

ہوں، لیکن میں ایسا کروں گا نہیں... کسی اور کو مقابلے کے لیے بھیجیں۔“

صدر نے جب سردار سے یہ بات کہی تو اس کے چہرے پر

حیرت کے بادل چھا گئے، وہ اس بات پر جریان تھا کہ انہوں نے کشوبا کو کیوں

نہ کھو دیا... آخر اس نے صدر کے ذریعے بات کی:

”اوہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔“

”هم بلا وجہ خون بہانا پسند نہیں کرتے... جب تک کوئی ہمیں مجبور نہ

کرے... ہم نہیں لڑتے۔“

سردار نے اس بات کا کوئی خاص اثر نہ لیا اور اپنے ایک اور

وہ کو مقابلے کے لیے بھیجا۔

اب انہوں نے سوچا... لڑائی کو اس قدر دیکھ پ اور مختصر بنا دیا

جائے کہ سردار پوری طرح محو ہو چائے اور اسپکٹر کامران مرزا کو بچھ کرنے کا

انٹری تو وہ انہیں سمجھتے تھے، البتہ نیزے کے بغیر دیکھ کر کشوبا گویا شہر ہو گیا تھا... اب اسے تو ان کی طرف سے گویا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا... خطرہ تھا تو اس سے انہیں تھا۔

کشوبا نے نیزہ اپنے ہاتھ میں بالکل سیدھا پکڑ لیا۔ اس کی فوک کارخان کے پیٹ کی طرف تھا، پھر اس نے اسی حالت میں ان کی طرف دوڑ لگادی... گویا وہ اپنا نیزہ ان کے پیٹ میں بھونک دینا چاہتا تھا... اسپکٹر جمیڈ ذرا تر پھر ہو گئے... وہ آگے بڑھتا چلا گیا... وہ اگر چاہتے تو اس حالت میں اس کی کمر پر لات رسید کر سکتے تھے اور وہ اونچھے منڈ گرتا... لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، وہ چلداں کا خاتمه نہیں کرنا چاہتے تھے... ان کی توکوش تھی...
بولے:

کسی طرح اسپکٹر کامران مرزا کو سردار تک پہنچنے کا موقع مل جائے یا پھر پروفیشنال کو بچھ کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے۔

وہ اب پھر کشوبا کی طرف منہ کی کھڑے تھے... وہ آگے جا کر ایک مجھکے سے رکا... اس کے چہرے پر اب سر اسیگنی کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے... یہ بات سردار نے بھی محسوس کر لی۔ اس نے گرج دار آواز میں کشوبا سے کچھ کہا۔ وہ اسے غیرت دلارہا تھا... اس پر کشوبا نے نیزہ لمباریا کی طرف بڑھنے لگا... اب چونکہ ان کے ہاتھ میں نیزہ نہیں تھا... اس لیے اسے ان کی طرف سے تو کوئی خطرہ تھا نہیں... لیکن وہ بے فکری کے انداز میں آگے قدم بڑھا رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے ہاتھ بالائی نیزی سے نیزے کو گھانے لگئے... اور نیزہ نیزی کی وجہ سے اب لوگوں کو نظر نہیں آ رہا تھا... یہ صورت حال اسپکٹر جمیڈ کے ساتھیوں کے لیے پریشان کن تھی... کیونکہ اب وہ وار کس طرح

موقع میں جائے۔ انہوں نے ایک نیڑہ اٹھا لیا اور مقابل کو اشارہ کیا کہ آؤ۔ مجھ پر وار کر دے۔

وہ شجھ میں آ کر ان پر حملہ آور ہوا۔ اس کے باقاعدہ میں سیدھا نیڑہ تھا اور وہ ان کے سینے کے آر پار کرنے کے ارادے سے دوڑا تھا۔ اپنے جمشید پروری طرح بیار تھے۔ اسے کوئی جہالت دیتے بغیر انہوں نے اسے نیڑے سے نہ اس کے نیڑے پر زبردست چوٹ ماری۔ نیڑہ اس کے ہاتھ سے کل کا اس کے ساتھ ہی وہ نیکے اور اسے دلوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر بیٹھ گئے۔ میہاں تک کہ سر تک بلند ہو گئے۔ اب انہوں نے دلوں ہاتھوں کو گھما نا شروع کر دیا۔ جنگلی اب ان کے ہاتھ پر پھر کی کی طرح گھما رہا تھا۔ اس وقت انہوں نے اسے جنگلوں پر پھیک دار اس کے میں سے ایک بھیا کی سیکھ لی۔ جنپر وہ گراء ان کی بھی جھیں لکھ لیں۔ اس وقت اسپکٹر کامران نے چالا، سردار تک بیٹھ چاکیں۔ میکن اس کے اردو گرد بے شمار لوگ نیڑے تالے کھڑے تھے۔ اور ان کے پاس تو نیڑہ بھی نہیں تھا، لہذا وہ بس تھلا کر رہا۔ ایسے میں انہیں پروفیسر صاحب کا خیال آ گیا۔ انہوں نے آؤ دیکھا شدید۔ وہ نہیں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں تی آنکھوں میں وہ لکھا۔

”آپ اسی پکھ کریں۔“

انہوں نے سرہا دیا۔ اور اسپکٹر جمشید نے سردار سے کہا:

”پیر سے کوچھ بھیں۔“

ضدر کے ذریعے یہ چیخام سن کر اس نے ایک اور کو اشارہ کیا۔ میکن وہ اب جان چکا تھا۔ اس کے آدمی اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور

وہ بھی یہ بات بھی پچھے نہیں... لہذا بہ وہ ان کے مقابلے میں آنے سے گھرا رہے تھے۔ قیرا آگے بڑھا ضرور... میکن لگا تھا۔ اسے زبردست آگے کی طرف دھکیلا چاہا ہے۔ اب ایسا آدمی کیا مقابلہ کرتا۔ انہوں نے نیڑے کا ایک دار اس کے سر پر کیا تو وہ چودا رک گرا۔

سردار کا روپ اڑ گیا۔ اس نے بیچ کر کھاکی جنگلوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ انہیں اپنی طرف آئے دیکھ کر انہوں نے نیڑ پروری رفتار سے نیڑہ گھما نا شروع کر دیا۔ اور اسپکٹر کامران مرزا چالا۔

”یہ نا انصافی ہے، اس طرح ہم بھی لا جائیں گے۔“ یہ کہتے ہی انہوں نے اپنے نزدیک کھڑے جنگلی کے نیڑے پر ہاتھ دال دیا اور اسے اچھا لی دیا۔ وہ چوتھے پر بجا کر گرا۔

وہم کی آواز نے سردار کے آس پاس کے جنگلوں کو پوکھلا بہت ملک جتنا کر دیا۔ اور اسپکٹر کامران مرزا نے کوئی جنگلوں کے جسموں پر نیڑے کے دار کر دیا۔ یعنی وہ کار شروع ہو گی۔ وہ میدان اب جنگ کا میدان میں چکا گیا۔ اس وقت پروفیسر صاحب کو بھی موقع میں جگایا۔ انہوں نے آؤ دیکھا شدید۔ چند گیندیں سردار کی طرف اچھا دیں۔ وہ زور دار آواز کے ساتھ پھیلیں۔ سردار اور اس کے ساتھی بڑی طرح اچھلے اور چوتھے کے اور اسپکٹر پیچے گرے۔ اسپکٹر جمشید کے ساتھی ان پر پلٹا پڑے۔

”پروفیسر صاحب... چند گیندیں اور جبھی۔“ اسپکٹر جمشید پکارے۔

انہوں نے اور اسپکٹر جمشید کے ساتھی اس پر پلٹا پڑے۔ جنگلوں میں سکھلی مچا دی، ایسے میں ضدر نے بلند آواز میں کہا:

”سردار مارا گیا۔“

جنگیوں میں ایک کھرام سائیج گیا... وہ سر پر پھر رکھ کر بھاگے... اور ان گفت لوگ کچلے گئے... ان حالات میں ان سب نے نیزون کے وار شروع کر دیے... جنگی بھاگ رہے تھے اور وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے... اس طرح وہ لوگ قدم قدم پر گرنے لگے... مارے جاتے رہے... اور تعاقب ہوتا رہا:

”ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جمیش... یہ جمع ہو کر پھر آجائیں گے۔“

”آپ غرہ کریں... اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ جہاز پر سے اسلخ لا سکیں۔“

”اوہ ہاں یہ ٹھیک رہے گا...“
اور وہ تعاقب کرنے کے بھانے ساحل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ آنکھوں کے ذریعے صرف اسپکٹر کامران مرزا جہاز پر پہنچے اور اسلخ اٹھا اٹھا کر رہائیوں سے گھما گھما کر ساحل پر پہنچنے لگے... چند رانکلیں سمندر میں گرتے دیکھ کر انہوں نے یوشکا سے کہا:

”جہاز کو ساحل کے قریب لے چلیں... اب جنگیوں کی طرف جہاز پر تیرہ سانے کا خطرہ نہیں رہا...“

”اس کا مطلب ہے... جنگ شروع ہو چکی ہے۔“
”بلکہ پہلے حملے میں ہمیں شیخ بھی ہو چکی ہے... اب پہلے تو یہ جس کے چدھر پینگ سائیں گے... چلے جائیں گے... پھر اپنی طاقت جمع کر کے آئیں گے... لیکن اس دنکھ پ ہم اسلخ جمع کر چکے ہوں گے... اور پھر آئے“

گامزہ۔ ”وہ کہتے چلے گئے... اب ان کے ساتھ انہوں نے بھی رانکلیں اور دوسرا اسلخ ساحل کی طرف پھینکنا شروع کر دیا... اس طرح بہت جلد وہاں اسلخ کا ڈھیر لگ گیا... ان کا جہاز آخر ڈاؤں کا جہاز تھا اور انہوں نے اس پر تمام لوٹا ہوا بے تحاشہ اسلخ جمع کر کھا تھا... اسلخ ساحل پر منتقل ہوتا چلا گیا... وہاں ڈھیر بڑھتا چلا گیا... آخر خان رحمان نے کہا:

”نی الحال اتنا اسلخ کافی ہے... ضرورت پیش آئی تو پھر منکاریں گے... اب ہمیں صرف بند کرنی ہے... اور مسٹر یشو کا... آپ جہاز پھر وہیں لے جائیں... جہاں جہاز پہلے لٹکر انداز کیا تھا۔“

”بہت بہتر۔“

خان رحمان نے اپنی فونج کو اسلخ اور گولا بارود سے مکمل طور پر لیس کر دیا۔ انہوں نے ہر درخت کے پیچھے صرف ایک ساتھی کو کھڑا کیا تھا اور تمام ساتھی ایک لائن میں کھڑے کیے تھے... گویا اب ان کے ساتھیوں کی ایک صرف دشمن کے مقابلے کے لیے تیار تھی۔ اب سامنے سے آئے والے جنگیوں کو اپنی بالوں پر رکھنا ان کے لیے آسان کام تھا...

انہیں ایک دن تک انتظار کرنا پڑا... پورے ایک دن کے بعد فرزاد نے چلا کر سب کو خبردار کیا:

”وہ لوگ تو اڑ رہے ہیں... اور بہت بڑا لشکر چلا آ رہا ہے۔“

”کوئی پرواہ نہیں... اللہ مالک ہے۔“ خان رحمان سکرانے... پھر اپنے ساتھیوں سے بولے:

”یہ لوگ اب بھیڑ بکریاں ہیں... اللہ نے چاہا تو یہ سر پر رکھ کر بھاگیں گے، کیونکہ نہیں ابھی معلوم نہیں کہ ہمارے پیاس کتنا اسلخ ہے۔“

”اللَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سب نے کہا۔

اور پھر جو نبی دشمن ان کی زد پر آیا... ان سب نے تاک تاک کر فائزگ شروع کر دی... جنگلی اچھل اچھل کر گئے... فائزگ سے اپنے ساتھیوں کو گرتے دیکھ کر وہ حوصلہ ہار گئے اور بھاگ لٹکے... اس وقت خان رحمان کی ہدایت پر صدر نے ان سے کہا:

”بھاگ کر کہاں جاؤ گے... کب تک بھاگو گے... موت تمہارے تعاقب میں ہے... ہماری بات سن لو... جب تک ہم بات کریں گے... تم پر فائزیں کریں گے... یہ ہمارا وعدہ ہے۔“

صدر نے یہ الفاظ تین چار بار دہرائے... اور آخر جنگلی روک گئے... ان کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے... اب انکیڑ جشید آگے آئے... اس وقت وہ جنگلیوں کی زبان کسی حد تک سمجھنے کے قابل ہو گئے تھے... لہذا صدر کی مدد کے بغیر ان سے بولے:

”ہمارا تم لوگوں کو مارنا نہ کا کوئی ارادہ نہیں... ہم امن پسند لوگ ہیں... جب تک کوئی ہم پر جنگ مسلط نہ کرے... ہم نہیں لڑتے... لیکن جب کوئی لڑنے پر چل جائے تو پھر ہمیں بھی لڑنا پڑتا ہے... اس کی مثال اور ثبوت یہ ہے کہ میں نے کشوہا کو جان سے نہیں مارا تھا... اگر وہ تم لوگوں کے پیروں تک پکلانہیں گیا تو اس بات کی گواہی دے گا۔“

”یہ ٹھیک کہہ دے ہے ہیں... یہ واقعی امن پسند ہیں... اگر ہم ان سے نہیں لڑیں گے تو یہ بھی ہم سے نہیں لڑیں گے... اس کی گارٹی میں دیتا ہوں...“ کشوہا نے بلند ترین آواز میں کہا۔

تمام جنگلیوں تک اس کی آواز پہنچ گئی... تب ایک بوڑھے جنگلی

نے آگے فٹکل کر کہا:

”اگر یہ لوگ ہم سے نہ لیں تو ہم بھی ان سے نہیں لڑیں گے۔“

”بھی تو پھر کشوہا اور یہ بزرگ اگر گارٹی دے دیں... تو ہم جنگ پڑ کر دیتے ہیں۔“

”ہم گارٹی دیتے ہیں... اگر آپ لوگ ہم پر حملہ نہیں کریں گے تو ہم بھی حملہ نہیں کریں گے۔“

”بس تو پھر دونوں گروہوں میں صلح ہو گئی...“

”اوہ وہ علی عمران... میرے ساتھی۔“

”اوہ ہاں! مسٹر کشوہا... یہ جو ہمارے ساتھ نظر آرہے ہیں، انہیں آپ لوگ قید سے نکال کر لائے تھے... ان کے ایک ساتھی اور وہاں قید ہیں... انہیں بھی وہاں سے نکال دیں۔“

”ٹھیک ہے... نہیں کوئی اعتراض نہیں... اب ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“ کشوہا نے کہا۔

”شکریہ اب جب کہ سردار بارا چاچتا ہے... آپ لوگ اپنا سردار کشوہا کو جن لیں... یا جس کے حق میں یہ بزرگ کہیں... اسے جن لیں۔“

”پہلے ان کے ساتھی کو رہا کر دیں۔“ کشوہا نے صدر کی طرف اشارہ کیا۔

”ہم بھی ساتھ رچتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ سب کشوہا اور چند اور جنگلیوں کے پیچے چل پڑے... ایک کوٹھری کا دروازہ کھولا گیا... انہوں نے دیکھا علی عمران کوٹھری کے فرش پر پڑا

سورہ تھما:

”مشعل عمران... اٹھیے... دیکھیے کون لوگ آئے ہیں... یہ آپ کی آزادی کی خوشخبری سنانا چاہتے ہیں۔“

صدر نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا... پہلے تو عمران کے سایہ...

پھر نیند میں بولا:

”یا صدر یہاں تو آرام سے رہنے دو... کیوں تنگ کرتے ہو... کیا یہاں سے بھی نکلواؤ گے...“

”اوہ... اوہ... کک... کیا واقعی... نم... میں معافی چاہتا ہوں، پتا نہیں کیا کیا کپ گیا۔“

”اوہ... آپ آنکھیں تو کھو لیے۔“

”نه بابا... میں بہت رنگیں خواب دیکھ رہا ہوں۔“

”حد ہو گئی عمران صاحب... یہاں پکھ لوگ آئے ہیں... آنکھیں کھول لیں۔“

”میں سمجھ گیا، ہمارے ازیلی وشن... تو مجھے اس پر سکون ترین بدن سے نکلا کر دم لے گا... یہ ہول دیں آنکھیں... دکھاؤ... کن لوگوں کو اچھے کر کھڑا ہو گیا... اور پھر پھٹی آنکھوں سے باری باری انہیں دیکھ لے گا... آخر اس کے ہونٹ پہلے:“

”اللہ کا شکر ہے... خواب جاری ہے... اس کا تسلسل ٹوٹا نہیں میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ بہت رنگیں خواب ہے... دیکھو... اتنے بہت ساتھی یہاں کھڑے ہیں... یہ خواب نہیں تو اور کیا ہے۔“

”نہیں عمران صاحب... یہ خواب نہیں... یہ لوگ قیچی یہاں موجود ہیں۔“

”ارے باپ رے... شت... تو یہ... یہ بھی قیدی بنا لے گئے۔“

”نہیں بلکہ یہ آپ کو آزاد کرنے کے لیے آئے ہیں۔“

”کک... کیا واقعی... نہ نہیں... تم کپ ہائک رہے ہو۔“

”ہوش کریں عمران صاحب... یہ ہمارے ساتھی ہیں... اللہ نے انہیں ہماری مدد کے لیے یہاں پہنچا دیا۔“

”اوہ... اوہ... کک... کیا واقعی... نم... میں معافی چاہتا ہوں، پتا نہیں کیا کیا کپ گیا۔“

”کوئی بات نہیں... اب آئیے اس کو ٹھری سے باہر۔“

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل آیا... ایسے میں وہاں ایک بہت ہولناک گردگرد اہٹ گونج اٹھی... انہیں یوس لگا... جیسے باول بہت زور سے گرجے ہوں اور بھلی خوب کڑکی ہو... اب جوانہوں نے یوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا... تو اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے...“

ان کے سامنے وہی ستون ایک بار پھر موجود تھا... جس سے ارے... بپ... باپ رے گی... نم... بپ...“ اس نے ہونٹ نگشی لیے۔

سمندر میں ملا قاست ہوئی تھی:



”ہاں! امیری ایسی جان نہیں بچپن میں جب جنوں کی کھانیاں سناتی تھیں تو ان میں جنوں کی لمبای چوڑائی اور حلیہ وغیرہ ایسا ہی بتایا کرتی تھیں...“
کھن بول پڑا۔

”اس... اس کا مطلب ہے... تمہاری ایسی نے بھی کبھی کسی جن کو دیکھا تھا؟“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا اور انہیں ان حالات میں بھی نہیں آگئی۔

”یہ تو مجھے پتا نہیں... حلیہ وہ ایسا ہی بتاتی تھیں؟“

”مٹھرو... میں بات کرتا ہوں اس سے۔“

یہ کہہ کر اپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے:

”کیوں بھائی... کیا تم جن ہو؟“ انہوں نے سراو پالٹھا کر پوچھا۔

”ہو ہو ہو... بہاہا۔“

”بے چارے کو میں یہی الفاظ آتے ہیں اور یہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔“
کھن بڑدا یا۔

”الکل... کیوں نہ میں اس پر چڑھ جاؤں؟“ فاروق بولا۔

”کیا کہہ رہے ہو بھائی... یہ کوئی حق بھی کا ستون نہیں... جن ہے جن... گویا تم جن پر چڑھنا چاہتے ہو... جن تو دوسروں پر مسلط ہوتے ہیں اور اتارے نہیں اترے...“ آصفہ نے حیران ہو کر کہا۔

”جنوں سے ذرنے والے اے آسان نہیں ہم... میں اس جن پر اسی طرح چڑھوں گا جس طرح کسی بجلی کے کھبے یاد رخت پر چڑھتا ہوں یا پھر اس مہم کے دوران جس طرح مستول پر چڑھا تھا۔“

”وہ تو چلو ٹھیک ہے، لیکن بھی! اس کا فائدہ کیا ہوگا؟“ خان رحمان نے فس کر کہا۔

گانے کا دروازہ

ارے باپ بردے! یہ تو وہی ستون ہے... جو آسان سے باشند کرنا ہے... جس نے ہماری کشی الرٹ دی تھی...“ فاروق نے ڈرے ڈرے انداز شکھا۔

”ہو ہو ہو... بہاہا۔“

پورے جھنگ میں بادل سے گرجے... وہ کاپ گئے... اب سب جنگیوں نے اسے دیکھنا شروع کیا... وہ ستون کافی چوڑائی میں تھا اور لمبا تھا تو گویا اس کی نظر ہی نہیں آ رہی تھی، جہاں تک اور پر نظر جا سکتی تھی... وہ ستون اوپر جاتا نظر آ رہا تھا:

”یہ... یہ کیا بلا ہے...“ علی عمران نے قدرت کا پتی آواز میں کہا۔

”ہماری اس بلاستے سمندر میں ملاقات ہو جکی ہے۔“

”تھیا تو یہ چلتی پھرتی بلا ہوئی۔“ صدر کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں اور پھر انہوں نے ستون میں سے دو ہاتھ بाहر نکلتے دیکھے... ان ہاتھوں اور بازوؤں پر بہت لبے لبے سیاہ بال تھے:

”نا نہیں... لگ... کہیں یہ... جن تو نہیں۔“ شوکی چلا اٹھا۔

”لگ... کیا کہا... جن... جن...“ وہ چلا گئے۔

”ہونے دو... نہیں کیا۔“ آصف نے مدد بنایا۔

”کیا ہونے دو،“ مکھن نے بلند آواز میں کہا۔

”زکام... مینڈ کی کو۔“

”حد ہو گئی... سب کے سب بے تکی ہائکٹ پر قتل گئے...“

”ہاں واقعی! کم از کم سب کے سب کو تو نہیں تملنا چاہیے تھا... چلو وہ

”بس تو پھر جس کام کا کوئی فائدہ نہ ہو، اسے کیوں کیا جائے؟“

”پر قتل جاتے... یوں بھی کیا رکھا ہے... اس تھے ملائے میں۔“ اخلاق کی آواز

علی خان نے کہا۔

”حالی دی۔“

”چلے... نہیں چڑھتا میں اس جن پر... یہ بھی کیا یاد کرے گا۔“

”کیا تھے تھے لگا کی ہے... بے تھے کوئی بات نہیں کر سکتے؟“

”لے کر حضرت اس پر سوار نہیں ہوئے۔“ آصف نے بھتنا کر کہا۔

”اب کیا کیا کیا جائے... جس طرف گنجائی ہے گی۔“ حرف کو جانا

”تو بہتر ہے تم سے۔“

”ہو گی... مجھے کیا۔“ فاروق نے مدد بنایا۔

”کیا ہو گی۔“

”تو بہتر ہے... مجھے سے۔“ فاروق پہنچا۔

”تھت تو بہتر ہوتا ہے۔“ فرحت جل گئی۔

”وہی تو میں نے کہا کہ ہو گی... مجھے کیا۔“

”اچھا بھائی! اب تم سے کوئی مفرما رے۔“ محمود نے جھلا کر کہا۔

”مفرمود مار رہے ہو اور خود ہی پوچھ رہے ہو... پوچھ تو کسی اور کام کی گھولوں کو آگئی تو کیا ہو گا۔“ آفتاب مسکرا یا۔

”وہی ہو گا جو اللہ کو منتظر ہو گا۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

ایسے میں جن کا ایک ہاتھ ان کی طرف پڑھا... نہیں یوں

”جی... کس کا۔“

”اس پر چڑھنے کا... کیا تم اس طرح اسے تھکست دے دے؟“

”گے۔“

”نہیں خیر... یہ تو میں نے نہیں کہا۔“

”بس تو پھر جس کام کا کوئی فائدہ نہ ہو، اسے کیوں کیا جائے؟“

”علی خان نے کہا۔“

”چلے... نہیں چڑھتا میں اس جن پر... یہ بھی کیا یاد کرے گا۔“

”فاروق مسکرا یا۔“

”لو اور سنو... اب جن میاں انہیں یاد بھی کریں گے... وہ بھی اس

”تھت تملنا اٹھی۔“

”لے کر حضرت اس پر سوار نہیں ہوئے۔“ آصف نے بھتنا کر کہا۔

”تو بہتر ہے تم سے۔“

”ہو گی... مجھے کیا۔“ فاروق نے مدد بنایا۔

”کیا ہو گی۔“

”تو بہتر ہے... مجھے سے۔“ فاروق پہنچا۔

”تھت تو بہتر ہوتا ہے۔“ فرحت جل گئی۔

”وہی تو میں نے کہا کہ ہو گی... مجھے کیا۔“

”اچھا بھائی! اب تم سے کوئی مفرما رے۔“ محمود نے جھلا کر کہا۔

”مفرمود مار رہے ہو اور خود ہی پوچھ رہے ہو... پوچھ تو کسی اور کام کی گھولوں کو آگئی تو کیا ہو گا۔“ آفتاب مسکرا یا۔

”لینے دیتے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”دھت تھرے کی...“ بشوک نے محمود کے انداز میں کہا۔

”جو اپنی مینڈ کی کوئی بھی زکام۔“ محمود نے اسے گھورا۔

جن ان کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور شوکی ان کے درمیان اکٹھا ہوا۔

”یہ... یہ کیا... وہ جن کہاں گیا... شوکی تو پیر ہے۔“

”میں نے اسے بھگا دیا...“ اسپکٹر جمشید شریعتی۔

”بھگا دیا... لیکن کیسے؟“

”وزراء الحوشین کی پختہ آیا ہے اور آئت الکریم پڑھی۔“

وہ بھاگ کیا چب کیا بھی تو مجھے آخری تک بورنس بھی پڑھنا پڑتا۔

”یہ... یہ کمال ہو گیا۔“

”محترم امیر نے“ صدر نے تحریر پر لکھا۔

”میری رادی اداں چاندی اسی طرح ہے جسے جنہوں نے کرتے ہیں۔“

”لکھیں مکمل۔“

”اللہ ہے... افضل سوتے میں بات کر رہے ہیں۔“

”ختم کرو بھائی...“ اسپل اپنی الگی منزوں کی طرف پڑھا۔

جس کے لیے گھر سے... ارسے ہاں... علی میران صاحب! آپ نے اتنا

نہیں... آپ بھاں کیسے آپھے۔“

”مکاتا کیسے... وہ جن صاحب جو قریب ملے آئے تھے۔“

”خیر ایں، بتاریں۔“

”بس کیا بتاؤں...“ دماغ خراب تھا کہ اس طرف پڑے آئے۔

کیون صدر میاں۔“

”مم... میں بھلانے بات کس طرح کہہ دوں کہ میرا دماغ خراب

حسوس ہوا چھے دہان بھی کو اس ایک ہاتھ میں پکڑ لے گا... لیکن پھر شوکی از
ہاتھ میں لٹکا نظر آیا... شوکی دیکھتے ہی دیکھتے ان سے اتنی اونچائی پر چلا گیا
کہ تمہارا انسان نظر آئے گا۔

”وو... ہم تمہیں یاد کرتے ہیں۔“ اقبال نے گھبرا لی ہوئی آواز میں کہا۔

”گستاخانہ کا درود پڑا ہے کیا... وہ بھی جن کے سامنے... میر
یاد رکھیں... پھیلیں سکا آگے میلوں سماں سے پچھا ملیں تکیں ہو گا۔“

”ایکیں! تم نے جو کو پھیل کیا... اگر یہ برا مان گیا تو“

گھر جانے

اہوں نے دیکھا، اس کا چہرہ سرخ تور رہا۔

”تھی... تمہیں کیا ہوا۔“

”یہ... یہ جن شاید میرے جسم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”مودودیا۔“

”یار محمدیوں نذاق کرتے ہو، اتا بڑا جو...“ تمہارے چھوٹے سے
جسم میں کیسے داخل ہو سکا ہے بھلا۔“ آصف ذرے ذرے انداز میں ہنسا۔

”تم بھول رہے ہو...“ فرزانہ نے گویا اعلان کیا۔

”مم... میں بھول رہا ہوں، لیکن کیا؟“

”جن کو قربوں تک میں بند کر دیا جاتا ہے... کلام نے پھین ملا
بوتل کا جن نامی کہانی نہیں پڑھی تھی۔“

”اوہ ہاں یار... واقعی... پڑھی تھی۔“

ایسے میں اسپکٹر جمشید نے بہت تیزی سے پکھ پڑھا... یک

کے... اور آپ لوگوں کا انتظار کریں گے۔" کشوہانے کہا۔

"رخصت ہونے سے پہلے ہم آپ کو دین کے بارے میں بھی بتاتے چلیں۔ ورنہ قیامت کے دن ہماری پوچھ ہوگی کہ تم نے ان لوگوں کو میرا بیتام کیوں نہیں دیا تھا..." یہ کہنے کے بعد اسکر جشید نے دین کی موٹی موٹی ہاتھیں اٹھیں بتائیں۔ ان کا یہ پچھر تقریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا... پھر وہ بولے:

"آپ جا کر اپنے ساتھیوں کو یہ بتائیں... اگر ہم اس ہم سے زندہ واپس آگئے تو آپ کو ضروری ضروری تمام باتوں کی تعلیم دے کر ہی اپنے وطن کا رخ کریں گے۔"

"بہت خوب! لیکن ہم حیران ہیں... آپ چند افراد پورے ہٹوٹا سے کیسے مقابلہ کر لیں... یہ تو شیطانوں کا شہر ہے۔"

"ج... جی... کیا کہا آپ نے شیطانوں کا شہر؟" فاروق بوكھلا کر

"لک... کیوں... کیا ہوا آپ کو؟" کشوہا گھبرا گیا۔

"میرا مطلب ہے... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"میں... میں سمجھا نہیں... یہ صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔" کشوہا کے لئے میں حیرت تھی۔

"نہ ہی سمجھیں... آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔"

"ال... لو۔" عمران نے خوف کے عالم میں کہا۔

"ال... لو... کیا مطلب؟" اسکر جشید بڑی طرح چوکے۔

"الو۔" عمران نے اور زیادہ خوف زدہ ہو کر کہا۔

"آپ نے ہم میں سے کے الو کہا... پہلے تو یہ وضاحت کر دیں۔"

تفہ۔" صدر گڑ پڑا گیا۔

"تمہارے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے... میں یوں سمجھ لیں صاحبان... اس جنگل کی بہت تحریف سی تھی... تکل آئے اس کی طرف۔"

"نہیں بھی... یہ بات حق سے نہیں اتری... آپ ضرور ہٹوانے کے لیے گھر سے لٹکے ہیں۔" اسکر کامران مرزا مسکرا کے

"ارسے... پس... باپا رے... بھٹکو ٹھاں... یہ... یہ کیا بلایا ہے۔" وہ بوكھلا اٹھا۔

"بس بھی... ہم سمجھ گئے۔"

"شب تو مجوری ہے۔" عمران شرم گیا۔
"گویا ہماری منزل ایک بھی ہے۔"

"میں اب میں کیا عرضی کروں۔" وہ اور زیادہ شرم گیا۔
"کیا نی فویلی ولہن بھی اس طرح شرماتی ہو گی۔" خان رحمان مسکرا دیے... باقی بھی مسکرانے لگے...

وہ دن انہوں نے جنگل انہار نے میں گزارا۔ دوسرا دن تھے سورے انہوں نے کشوہا اور کچھ دوسرے بڑی عمر کے جنگلیوں کو سما تھد لیا اور آگے روانہ ہوئے... اب ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی... لہذا سفر اٹھیتا ہے طے ہوتا چلا گیا... چھ دن کے سفر کے بعد کشوہا نے انہیں بتایا:

"جنگل کا سرا آگیا ہے... یہاں سے بخواش روئے ہو رہا ہے..."

"بہت خوب! ہماری واپسی اسی راستے سے ہو گی... واپسی کے سفر میں میں آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی..."

"آپ فکر کریں... میں اور ساتھی آپ کی مدد کے لیے تیار ہیں۔"

شوکی نہ ملتے بنایا۔

”وقت... مم... ہپ۔“ عمران گڑ بڑا گیا۔

”بے چارے کے ذہن پر قید کا اثر ہے۔“ پروفیسر داؤڈ مسکرائے۔

”تن... نہیں... التو... مم... مجھے بے شمارalonظر آرہے ہیں...“

ان گفت التو... الہی التو، وہ ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔

”کیا ہو گیا بھائی... یہ اتو یہاں کہاں سے آگئے۔ ہمیں تو دور دور تک کوئیalonظر نہیں آ رہا۔“ خان رحمان نے بڑا سامنہ بنایا۔

”آپ... آپ میری آنکھوں سے دیکھیں۔“ عمران نے مشورہ

”لو اور سنو... اب ہمیں ان کی آنکھوں سے دیکھنا ہو گا۔“

”لائیے انکل۔“ شوکی بولا۔

”لک... کیا لاؤں۔“

”آنکھیں... اور کیا...“

”مم... ہپ... میں غلط نہیں کہ رہا... اتوں کا لشکر چلا آ رہا

ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ ایکٹر جمشید چلائے۔

”اب... اب آپ کو کیا ہوا؟“

عین اس لمحے انہیں یوں لگا جیسے ہزاروں پرندے ان کے

جسموں سے بلکر اگئے ہوں... وہ اچھل اچھل کر گئے۔

چاندی کی دیوار

چند منٹ تک وہ ساکت پڑے رہے... پھر انہوں نے چاروں

طرف آنکھیں گھمائیں... لیکن آس پاس کوئی پرندہ نظر نہ آیا:

”یہ بات کچھ سمجھو میں نہیں آئی۔“ خان رحمان بڑا گئے۔

”جب کہ خان رحمان! اس میں سمجھ نہ آئے والی کوئی بات بھی

نہیں... دیکھوں... سربال کے ساتھ ہمارے لمحات کیسے گزرے... کیا نہیں ہوا

ہمارے ساتھ... پھر سمندر میں جن نہاستون... یا ستون نما جن سے ملاقات

ہوئی... وہ جن یہاں بھی نظر آیا اور اب پرندوں کی صورت میں بھی جن ہی

”شتر۔“

”لیکن ہمیں تو کوئی پرندے نظر نہیں آئے۔“ اخلاق نے ڈری ڈری

آراؤز میں کہا۔

”پرندے تو خیر ہمیں بھی نظر نہیں آئے۔“ آصف نے جلدی سے کہا۔

”اس کا مطلب ہے... وہ صرف اور صرف انکل عمران کو نظر آئے

”ہیں۔“

”فن نہیں۔“ عمران ہکلا یا۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”نظر تو خیر مجھے بھی نہیں آئے تھے۔“

”تب پھر آپ نے الٰو الٰکی رٹ کیوں لگائی تھی۔“ پرہیزرو داؤ ویرز
سامنہ بنا کر بولے۔

”وہ... مجھے آؤں کے پردوں کی پھر پھر اہم سنائی دی تھی۔“

”جھرتا ہے... کیا آؤں کی پھر پھر اہم خاص تم کی ہوتی
ہے،“ فرحت نے آنکھیں گھما کیں۔

”یا آپ اپنے انقل منور علی خان سے پوچھیں۔“ عمران مسکرا کر

”اوہ ہاں اوقتی... کیوں انقل۔“

”اس بارے میں مسٹر علی عمران نے تھیک کہا ہے... پھر پھر اہم سنائی
آواز بھی اپنی ہوتی ہے۔“

”اللہ اپنارحم فرمائے... یہ لوگ تو ہمیں پرندوں کی پھر پھر اہم سنائے
الٹائے دے رہے ہیں... آگے کیا بنے گا۔“ شوکی نے مارے خوف کے کہا۔

”وہی بنے گا جو اللہ بنائیں گے۔“ پچھا اور تو بخشے سے رہا۔“ اشFAQ
مسکرا کر۔

اس جگہ سے کشو با اور اس کے ساتھی لوٹ گئے... اور وہ آگے

بڑھے... جنگل اس جگہ ختم ہو گیا تھا اور آگے ایک کھلا میدان نظر آ رہا تھا...
کشو با نے اس میدان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بٹوں میں شامل ہے... لہذا

وہ اس طرف نہیں چاہ سکتے۔“

انہیں میدان میں دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہ آیا... نہ کوئی
انسان، نہ پرندہ، نہ چرخ۔

”اللہ مالک ہے۔“ اسپکٹر جمیں نے کہا اور میدان میں قدم رکھ دیا۔

اوزراں ہوں نے قدم رکھا... اور بے شمار گھوڑے سوار ان کے سامنے آ کرے
ہوئے... ان کے ہاتھوں میں ہتھیاروں کے مجاہے عجیب و غریب چڑیاں
تھیں۔ نیز گی میٹر گی دکھدی اور برصورت چڑیاں... ان پر عجیب و غریب
کامیں ہی تھیں۔ ان کے سروں پر لونک دار لوہے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔
کویا ضرورت کے مطابق انہیں خطرناک ہتھیاروں کے طور پر استعمال کیا جا سکتا
تھا:

”کیا خیال ہے خان رحمان۔“

”پہلے پاسٹ کر لیتے ہیں... اگر یہ لڑتے پر آمادہ ہوئے تو ہم بھی

مقابلہ کریں گے۔“ کہ کہ خان رحمان آگے بڑھے اور بلند آواز میں بولے:

”کیا چاہتے ہو۔“

انہوں نے جیسے سنائی نہیں... بدستور اسی طرح گھوڑوں پر

بیٹھ رہے:

”کیا گونگے ہو۔“ خان رحمان نے کہا۔

”خان رحمان... مختلف زبانوں میں اپنے الفاظ دہراو۔“ ہر سکا

ہے... یہ اگر یہی نہ کہتے ہوں۔“ اسپکٹر کا مردانہ کہا۔

خان رحمان نے ایسا ہی کیا... مگر وہ ہونتوں کی طرح گھوڑوں

پر پہنچ رہے... ایسے میں اسپکٹر جمیں کو کچھ خیال آیا... وہ دل ہی دل میں

مکراتے ہوں ہوں نے چند سورتوں کی تلاوت کی... اچانک تمام گھوڑے سوار

ٹاکرے ہو گئے۔ اب انہوں نے کہا:

”یہ بھی بخت تھے۔“

”کمال ہے... ان ترکوں سے بہت بھی خوف نہ دکھانا چاہتے۔“

ہیں... بھلاس طرح ہم خوف زدہ ہو جائیں گے... آؤ...“

“اڑے ہاں... انکل عمران... کیا اس ہم میں کتنی فریدی اور
کپٹن حمید روانہ نہیں ہوئے تھے۔“ ایسے میں محمود پوچھ رہیا۔

“میں ان کے پارے میں کیا جاؤں... کیا وہ میرے رشتے دار
ہیں۔“ عمران بولا۔

“رشتے دار شہ کی... ہم ایک ملک کے تو ہیں اور ایک ہی ہم اس وقت ہمارے سامنے ہے، عام طور پر ہم لوگ اسی قسم کے کاموں کے لیے ہیں۔“ صدر بھنا کریوں۔

“ہوں گے... میری جانتے بلا۔“

“عجیب آدمی ہو۔“ خان رحمان جلا اٹھے۔

“اس میں شک نہیں۔“ صدر مسکرا یا۔

“جی... کس میں۔“ آصف نے جلدی سے کہا۔

“یہ کہ مسٹر علی عمران عجیب آدمی ہیں، بلکہ عجیب ترین ہیں۔“ صدر نے کہا۔

“یار قم میری اشیٰ تعریف نہ کرو... ہاں نہیں تو میں...“ عمران نے گویا سے دھمکی دی۔

“ہاں نہیں تو کیا۔“ شوکی جلدی سے بولتا، ساتھ ہی اس نے دیدے گھما کے۔

“یار قم تو کچھ کچھ اپنی طرف کے لگتے ہو۔“ عمران نے شوکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

“اوہوا چھا۔“ شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

“وہ بابت تورہ ہی گئی... ہاں نہیں تو کیا؟“ آنکھ بول اٹھا۔

“ہاں نہیں تو بڑا مان جاؤں گا۔“ عمران شرم اکبر بولا۔

“دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر کہا۔

“لک... کیا ہوا میاں... خیر تو ہے۔“ عمران گھبرا گیا۔ اور وہ

عنٹے لگے۔

“میرا خیال ہے... ہم باقتوں ہی باقتوں میں بہت دور انکل

آئے...“ انپکٹر جشید نے منہ بنایا۔

“ہاں اوقتی... اب واپس لوٹ چانا چاہیے۔“ فاروق نے سمجھدا

انہاڑا اختیار کیا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھے... اب جنگل کا سرا نہیں نظر آنے لگا

تھا اور انہیں اپنے سامنے چاندی جیسی ایک دیوار نظر آرہی تھی۔ اس پر دھوپ کی

روشنی پڑ رہی تھی اور اس سے جو چکا چوند ہو رہی تھی... وہ انہیں دیوار کا اچھی

طرح جائز نہیں لیئے دے رہی تھی۔

“جی... چاندی کی دیوار۔“ محمود نے بے ساختہ انہاڑ میں کہا۔

“یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

“خود ہو گئی... ایسے میں ناول کے نام سوجھ رہے ہیں انہیں... اور

یہاں سوال یہ ہے کہ اب ہم اس دیوار کو کیسے پار کریں گے... یہ تو آمان سے

باتیں کرتی نظر آرہی ہے... اور اس میں رختہ وغیرہ بھی نہیں ہیں... یہاں تو

شاپید انکل سور علی خان کا آنکھڑہ بھی کوئی کام نہ دکھا سکے۔“ آصف کہتا چلا گیا۔

“میں اسے آزماؤں گا ضرور۔“

“آنکھڑہ ناکام واپس آئے گا۔“ شوکی نے منہ بنایا۔

“تب ہم انسانی سیر ہی بنا کیں گے۔“ فرزاد شرم اکبر پڑی۔

”انسانی سیرھی... یہ کیا ہوتی ہے بھئی۔“ صدر نے بوکھلا کر کہا۔

”یار صدر عسید... تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔“ عمران نے منہ بنایا۔

”لو اور سنو... صدر عسید... کہ گئے... صدر عسید صاحب کو۔“

فرحت نے منہ بنایا۔

”آپ کا شکر یہ...“ صدر بھسا۔

”کس بات پر؟“ فرزانہ تڑ سے بولی۔

”اس پر کہ انہوں نے صرف صدر عسید کہا ہے... ورنہ یہ تو میرے

نام کی ایسی مٹی پلید کرتے ہیں کہ اٹھائی جائے، نہ دھری جائے۔“ صدر بولا۔

”کیا اٹھائی جائے نہ دھری جائے۔“

”مٹی اور کیا۔“ صدر بولا۔

”وہست تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا... لیکن

وہ آصف کی ران پر لگا۔

”یار اب تم اپنی لظر ثبت کر دا بھی لو۔“ آصف جھلا اٹھا۔

”حضرات میں آپ لوگوں کو خبردار کیے دیتا ہوں۔“ ایسے میں

اخلاق کی آواز گوئی۔

”بہت بہت شکر یہ!“ عمران خوش ہو گیا۔

”یہ پوچھا نہیں کہ کس بات پر خبردار کر رہے ہیں... اور شکر یہ ادا کر

ڈالا۔ شوکی نے منہ بنایا۔

”یہ تم پوچھ لو۔“ آفتاب بول اٹھا۔

”میں آپ لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں، یہ دیوار برابر ہمازی طرف آ

رہی ہے... درمیانی فالصلہ الجہ بہ لمک ہو رہا ہے۔“

”کیا!!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اب انہوں نے غور کیا تو واقعی دیوار ان کی طرف پڑھی آ رہی تھی:

”ارے باپ رے... اب... اب کیا کریں... یہ تو ٹھیں دھکیل

دے گی دوبارہ جنگل میں... اس طرح ہم اپنی منزل سے نزدیک ہونے کے

بجائے دور ہو جائیں گے۔“ خان رحمان نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مجھے تو یہ جادو کی دیوار نظر آ رہی ہے۔“ پروفیسر بولے۔

”اگر یہ صرف جادو کی ہے... یعنی اس کا وجود نہیں ہے، صرف ہمیں

نظر آ رہی ہے... تو اس صورت میں میں اس دیوار سے بہٹا لوں گا۔“

”ٹھیک ہے جمیش... پہلے تو تم اپنی کوشش کرو،“ پروفیسر بولے۔

اب انپکٹر جمیش دیوار کی طرف تدم اٹھانے لگے... باقی لوگ

رم خود سے وہیں رک گئے... انپکٹر جمیش بے خوفی کے عالم میں آگے بڑھ رہے

تھے... ایسے میں صدر نے عمران سے کہا:

”مران صاحب! آپ آگے نہیں جائیں گے۔“

”نن... نہیں... میں ایسی بہادری دکھانے کا قابل نہیں... میں تو

جنگل کی طرف دوڑ لگانا پسند کروں گا۔“

”بزوی تو کوئی آپ سے یکھئے،“ صدر نے بڑا اسمہ بنایا۔

”پہلے تو پھر تم ہی یکھلو۔“

صدر بڑا اسمہ بنانا کرو گیا... اور انپکٹر جمیش برابر آگے بڑھ

رہے تھے، یہاں تک کہ وہ دیوار سے بالکل نزدیک ہو گئے... اب انہوں نے

ائیت الکری اور سورۃ المؤمنین کی چند آیات تلاوت کیں... اس کے بعد آخری

تمن سور تملیاوت کیں... لیکن دیوار برابر ان کی طرف بڑھتی رہی... اب وہ
اللے قدموں ان کی طرف آئے گے... بیہان تک کہ ان کے پاس آ کر کے
گئے:

”کوئی بات نہیں جھشید... اگر یہ دیوار جادو کی نہیں تو ہم اسے دیکھ
لیں گے۔“ خان رحمان نے پر جوش انداز میں کہا۔

”لیکن ہم کیا کریں انکل۔“

”سب لوگ ہاتھوں سے روکنے کے لیے زور لگائیں۔“

”لیکن...“ اسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”لیکن کیا کامران مرزا۔“

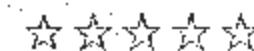
”اگر ہمارے روکے پر کسی تو بھی اس سے کیا ہو جائے گا۔“

”پہلے یہ کوشش تو کر لیں۔“

یہ کہتے ہی اسپکٹر جشید نے دونوں ہاتھ دیوار سے لگا دیے،

درہ مرزا دینے والا تھا... وہ یک دم بہت اوپر چھلے اور جھنگل کی طرف جاتے

لگرا... انہیں یون بلگا جسے کوئی تیر کان سے نکل کر جھنگل کی طرف گیا ہو۔



ہسٹریولم

وہ دیوار کو بھول کر اسپکٹر جشید کی طرف دوڑ پڑے... ان پر حد
دراستہ بدھوا سی طاری ہو چکی تھی... انہوں نے اسپکٹر جشید کو بالکل صاف طور پر
فضا میں اڑ کر جاتے دیکھا تھا... آخر دوڑتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ گئے...
بیہان اسپکٹر جشید گرے تھے... ان کے سر، پھرے اور ہاتھوں پر زخم آئے
تھے... گھنٹوں پر سے کثیرے پھٹ کئے تھے اور وہاں بھی خون نظر آ رہا تھا... وہ
مکمل طور پر بے ہوش تھے۔

ان کی حالت دیکھ کر دوسرا پریشان ہو گئے... پر دفتر داں نے ان
کے منہ میں فوراً ہو یہ پیٹھک دوا کے چند قطرے پہنچائے... اسپکٹر کامران مرزا
کے ساتھ مل کر ان کے زخموں پر پیشان کرنے لگا... ایسے میں اخلاقی چیلایا:

”وہ اور نہ دیکھ آگئی ہے۔“ اخلاقی نے ان سب کو خبردار کیا۔

”کیا!!!“ وہ چلا اٹھے۔ پھر دیوار کی طرف دیکھا... دیوار بدستور
ان کی بڑھ آ رہی تھی... اس کے راستے میں آنے والے درخت ان کی نظر میں
سے اوچھل ہوتے جا رہے تھے۔ بالکل اس طرح گویا وہ کوئی دھوکیں کی دیوار
تھی... کسی ٹھوں چیز کی نہیں تھی... لیکن اس دیوار سے نکلا کر اسپکٹر جشید کا کیا
حال ہوا تھا... یہ بات بھی ان کے سامنے تھی... اب اگر وہ ٹھوں دیوار تھی تو

اس کے راستے میں رکاوٹ کیوں نہیں بن رہے تھے... اور اگر وہ دھویں
کی چیز کی دیوار تھی تو پھر انپکٹر جمیڈ اس سے ٹکرایا کرتی دور کیوں جا گئے

انہوں نے دیکھا، انپکٹر جمیڈ بھی تک بے ہوش پڑے تھے...

برار محلہ پر جمدڑیک ہوتی جا رہی تھی:

”میں انہیں اٹھا لیتا ہوں... اس طرح ہم اس دیوار کے مقابلہ سے
بڑھ سکتیں گے۔“ یہ کہہ کر انپکٹر کامران حرز انسانی کندھوں پر اٹھا

”عمران صاحب! آپ کیوں انہیں نہیں اٹھا لیتے؟“ صدر نے دبی
آواز نہ کیا... لیکن فرزانہ نے اسی وقت صدر کی طرف چونک کروکیا۔
اس کا مطلب تھا، اس کے کافوں تک یہ الفاظ پہنچ گئے تھے۔ یہ بات صدر نے
بھروس کریں:

”ان کے ساتھی نے انہیں اٹھا تو لیا ہے...“ عمران نے منہ بنا کیا۔
”ہم بھی اب ان کے ساتھی ہیں... یا یہ سب اب ہمارے ساتھی
ہماری ہم بھی الگ الگ نہیں... قدرت نے ہمیں ایک ہی ہم کے تحت
دیا ہے۔“ صدر نے جل کئے انداز میں کہا۔

”ہاں تو ہم ان کا ساتھ دے تو رہے ہیں... اور کس طرح ساتھ
وہ تباہی کیا۔“

”مالی چاہو... عمران صاحب۔“ صدر جل گیا۔

”ماں گیا... تو کیا میں سب کے ساتھ جانہیں رہا ہوں۔“

صدر بڑا سامنہ پہا کر رہ گیا... ادھر سب ساتھی اپ پیچے ہٹ

بہے تھے... اور ان کی رفتار کافی تیز تھی... انہوں نے بھی رفتار تیز کر دی...
لیکن بہت جلد انہوں نے جان لیا کہ دیوار کی رفتار ان سے تیز تھی... وہ تیز دوڑ
کر بھی اس کی پیچی سے نہیں بچ سکتے تھے۔“

”بیوی... یہ تو ہمیں آ لے گی۔“ محمود چلا گیا۔

”تم اب کر بھی کیا سکتے ہیں... اب تو انکل بھی بے ہوش ہیں... کر
فرآن کریم کی پچھے صورتیں ہی پڑھ دیتے... اور اگر یہ جادو کی دیوار ہے تو اس
کے آگے بڑھنے کا سلسلہ رک سکتا تھا...“

”آیا تو میں بھی پڑھ سکتا ہوں... ہم میں سے کوئی پڑھ سکتے ہیں...
پروفسر بلے۔“

”تو پھر جلدی شروع کریں۔“

جن جن کو ایسی آیات آتی تھیں... وہ پڑھنے لگے... لیکن
دیوار کا ان کی طرف بڑھنے کا سلسلہ رکا:

”یہ دیوار جادو کی نہیں... سائنس کی ہے۔“ ایسے میں انپکٹر کامران
حرزاں اٹھا۔

”اور ایک اور خوفناک خبر یہ کہ یہ دیوار اب دائرے کی صورت اختیار
کرتی جا رہی ہے۔“ فرحت کی آواز لہرائی۔

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ لٹکا۔

”ہاں... دیکھ لیں... اس کے سرے اگرچہ نظر نہیں آ رہے... لیکن
یہ گولائی میں نظر آنے لگی ہے... اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں گھیر دی ہے... اور
اگر...“ فرحت کہتے کہتے رک گئی۔

”اور اگر کے بعد تمہاری گاڑی رک کیوں گی؟“ فاروق جل گیا۔

”اور اگر... اس کا دائرہ مکمل ہو گیا... تو جانتے ہو کیا ہو گا؟“

”ہاں بالکل جانتے ہیں۔“ آصف فوراً بولا۔

”کیا ہو گا؟“ فرحت نے اسے گھورا۔

”دہنی ہو گا... جو اللہ کو منظور ہو گا۔“ آصف مسکرا یا۔

”اوہو... یہ تو ہمارا ایمان ہے... اس صورت میں ہم کس پوزیشن میں ہوں گے... بات تو یہ ہو رہی ہے۔“

”ہاں! بات تو یہ ہو رہی ہے۔“ محمود نے آصف کو گھورا۔

”تب پھر تم پناو۔“ اس صورت میں کیا ہو گا۔“

”ہو گا یہ کہ ہم اس دیوار کے... قیدی بن جائیں گے... یہ دیوار اس وقت ایک کنویں کی صورت اختیار کرے گی۔“

”ارے باپ رے۔“ بہت سی آوازیں اجھری۔

”تب تو بھاگ لینا چاہیے... کیونکہ اس صورت میں تو ہم بہت بڑے پھنسیں گے۔“

”بہت اچھے ہم پختے ہی کب ہیں۔“ فاروق منمنایا۔

”بالکل بھی بات ہے... دیوار ایک دائرے کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے... اور ہمیں اچھیرے میں لینے کی تیاری ہو چکی ہے... اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ہم اس دائرے سے نکل نہیں سکیں گے... لہذا بھاگنا سب سود ہے۔“

”اللہ کا شکر ہے... آرام کی صورت تو نظر آئی۔“ عمران نے کہا اور زمین پر لیٹ گیا۔ ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”حد ہو گئی... عجیب ہیں آپ کے ساتھی۔“ محمود تتملا اٹھا۔

”یہ عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ غریب بھی ہیں۔“ صدر بولا۔

”آپ کی ان سے کیسی بنتی ہے۔“ آصف ہما۔

”میں بھرما تھت... کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”میں سب سن رہا ہوں۔“ عمران نے آنکھیں کھو لے بغیر کہا۔

”تو یوں کہیں نا... سو نہیں رہے... سونے کی ادا کاری کر رہے ہیں۔“

”یہ بات بھی غلط ہے... میں واقعی سورہا ہوں... تمہارا مطلب ہے... یہ جملہ کہنے کے فوراً بعد۔“

”کیا واقعی۔“ فاروق نے منہ بنایا... لیکن عمران کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

”یہ حضرت واقعی ہو گئے ہیں... آپ ان کی فکر چھوڑیں... دیوار کی فکر کریں۔“ صدر نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہم دیوار کی فکر کیا کریں... دیوار ہماری فکر جو کر رہی ہے۔“

آفتاب نے منہ بنایا۔

اور پھر دیوار نے دائرے کی صورت اختیار کر لی... گویا اب وہ دائِرے میں قید ہو کر رہ گئے... اس سے نکل تو سکتے نہیں تھے کہ ان پکڑ جمیشید کی حالت ان کے سامنے تھی۔ دائِرہ مکمل ہوتے ہی، دیوار جس طرف سے آئی تھی، اس کا رخ اسی طرف ہو گیا۔ اس طرح عجیب کنویں کی دیوار ان سے نزدیک ہونے لگی... یہ دیکھ کر وہ سب بھی اس طرف بڑھنے لگے جس طرف یہ کنوں جا رہا تھا... ایک بس عمران تھا جو گھری غیند کے مزے لے رہا تھا... اور اب تو اس کے خرائے بھی گون خر ہے تھے۔ صدر یہ دیکھ کر گھبرا گیا... اس نے اس کا کندھا

” عمران صاحب اشیے .. ورنہ آپ کی حالت بھی وہی ہوگی۔ ”

عمران نے ڈرے ڈرے انداز میں آنکھیں کھول دیں ..

ساتھ ہی بولا:

” لک .. کیا ہوا .. مم .. میں کہاں ہوں .. دھت تیرے کی ...
یار صدر یہ تو تم ہو .. حالانکہ خواب میں میں اس وقت بہت حسین اور جمیل جن
کے ساتھ اڑا چلا چاہتا تھا .. ”

ابھریں ..

” مم .. ہیرا مطلب ہے .. حسین و جمیل پری .. ” اس نے فوراً
کہا۔

” دھت تیرے کی .. ” محمود نے جھاک کر کہا۔

میں اس لئے کنوئیں کی پچلی سطح پر بھی فرش بننے لگا .. وہ بھی
دائرے کی صورت چاروں طرف سے ہڑھ رہا تھا .. اور اس کا مطلب یہ تھا کہ
ان کے لیے جگہ لجھ بہ لکھ ہو رہی تھی:

” یہ .. یہ کتوں میں نہیں چھوڑے گا .. ” آصف چلا آئا۔

” کوئی بات نہیں .. ہم بھی اسے نہیں چھوڑیں گے .. ” محمود نے
پر جوش سمجھے میں کہا۔

” لک کیسے .. ” شوکی ہکلا یا۔

” اس کنوئیں کو اور اسے ارے .. یہ کیا .. ” محمود اسے حیرت کے
چلا آئا۔

” اب کیا ہو گا بھائی .. ”

” اوپر سے جھولا نماریاں لٹکائی گئی ہیں .. اور یہ دائرہ مکمل ہونے کو
ہے .. مطلب یہ کہ جوئی دائرہ مکمل ہو گا .. انہیں چھوٹے گا اور پھر ہمارا وہی
حال ہو گا .. جو ابا جان کا ہوا تھا .. ”

” محمود .. ٹھیک کہہ رہا ہے .. ان جھولوں پر بیٹھ جائیں، رسیوں کو
quam لیں .. ” پروفیسر داؤڈ نے بلند آواز میں کہا۔
” اور .. اور ابا جان .. ” فرزانہ چلا آئی۔

” ان کی تم فکر نہ کرو .. انہیں میں کہتا ہے پر اٹھا کر جھولے پر بیٹھ رہا
ہوں .. ”

” لک .. کیا .. آپ کے لیے مشکل نہیں ہو گا انکل .. ”

” ہو گا تو .. لیکن ہم کریں کیا سکتے ہیں .. ”

اور پھر وہ سب جھولوں پر بیٹھ گئے .. جلد ہی بیچے دائرہ مکمل
ہو گیا .. اب وہ چاروں طرف سے ایک سلنڈر نما چیز میں ہند ہو چکے تھے اور پھر
انہوں نے اس سلنڈر کو اوپر اٹھتے دیکھا .. انہیں یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑا
سلنڈر اوپر اٹھ رہا ہو .. اور وہ اس سلنڈر کے اندر رسیوں پر بیٹھے جھول رہے
ہوں .. ”

” واہ مزہ آگیا .. بچپن میں ہیری اماں مجھے اس طرح کے جھولے
میں جھولا جھلایا کرتی تھیں .. ” عمران نے خوش ہو کر کہا۔

” اماں جاؤ .. ” خان رحمان جھلا اٹھئے۔

” بچ .. جی اچھا .. ” عمران نے فوراً کہا۔

” کیا جی اچھا .. ” پروفیسر داؤڈ نے اسے گھورا۔

”اس کی تو خیر کوئی بات نہیں۔“

اور پھر انپکٹر جشید ان کے کندھے سے اتر کر ایک جھولے پر
بیٹھ گئے:

”خوب جھولا ہے۔“ انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لے کر کہا۔
”ہمارے دوست عمران نے اس کا نام ہشدوں کے نام کوئی رکھا ہے۔“ انپکٹر
کامران مرزا بولے۔

”جو کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”لیکن ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ آفتاب بولاد

”ہے کوئی تک اس جملے میں۔“ آصف جل گیا۔

”اب اس ہشدوں میں تک کی بات کیسے کی جائے۔“ محمود نہیں
لیا۔

”چلو اچھا ہے... یہ ہمیں خود ہی بٹوں والے جا رہے ہیں... ہم مزید
مشقت سے بچ گے۔“

”اور آگے بھی مزید مشقت سے بچ جائیں گے ہاہاہا...“ عمران نے
یک دم کہا اور پھر یک دم خاموش بھی ہو گیا۔

”کیا مطلب انکل عرفان؟“ مکھن نے چونک کر اس کی طرف
لیکھا۔

عمران نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں... بس دیکھ کر گھٹا تارہ
اور منہ چلا تارہا... جیسے چیوگم چبارہا ہو:

”عمران صاحب کا مطلب ہے... اب ہم پوری طرح ان کے قابو
تک ہیں... لہذا آگے جا کر بھی ہمیں کچھ ہاتھ پر نہیں ہلانے پڑیں گے۔“ مقدار

”چلا جاتا ہوں... ذرا اس ہشدوں کا دروازہ کھل لے۔“

”ہشدوں۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”اوہ واقعی... اس کا اس سے یادوں مناسب نام کوئی اور نہیں ہو
سکتا،“ منور علی خان چوکے۔

”مشش شکر یہا،“ عمران اڑکیوں کی طرح شرم گیا۔

”آخر یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے۔“ آصف کی آواز گوئی۔

”مٹوا... چہاں ہم جانا چاہتے تھے... یہ لوگ خود ہی ہمیں لے جا
رہے ہیں... اور ہمیں کیا چاہیے۔“

”لیکن! ہم اس ہشدوں میں بالکل بے بس ہیں۔“ فرحت بولی۔

”آخر بٹوانے جا کر تو اس سے نکالیں گے نا۔“ فرزانہ نے مسکرا کر
کہا۔

”یہ... یہ میں کہاں ہوں... ایسا لگتا ہے... جیسے ہوا میں اڑ رہا ہوں
اور... یہ... یہ ضرور کوئی خواب ہے۔“

انہوں نے انپکٹر جشید کی آواز سنی، ان کے چہروں پر رونق
آگئی:

”اللہ کا شکر ہے... آپ ہوش میں تو آئے۔“

”اوہ ہاں! یاد آیا... مجھے اس دیوار نے اچھاں پھینکا تھا... اور یہ
کیا... کامران مرزا! ایسا آپ نے مجھے کندھے پر اٹھا کر ہے۔“ وہ چونک گئے۔

”مرتا کیا نہ کرتا۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”مجھے افسوس ہے... آپ کونہ جانے کتنی دیر تک مجھے اٹھانا پڑا ہو
گا۔“

”ایسا ہی لگتا ہے... ہم یہاں رک کر بھی کیا کریں گے... ہمارے چاروں طرف بلند و بالا پہاڑ ہیں... یہاں سے نکلنے کا پیدل راستہ کوئی نہیں ہے... ہاں راکٹوں قسم کی کسی چیز کے ذریعے سے ضرور یہاں سے نکل سکتے ہیں... لیکن فی الحال تو ہمیں یہاں سے نکلنے کی ضرورت بھی نہیں ہے... ہم تو خود یہاں آنا چاہتے تھے... آؤ جیس دیکھا جائے گا۔“ اسپکٹر جمیش نے جلدی جلدی کہا۔

اور پھر ان کے قدم اس عمارت کی طرف اٹھنے لگے... زدیک پہنچنے پر انہیں ایک مکون نما دروازہ عمارت میں نظر آیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور دروازہ اور کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔
”و م محمود ذرا دیکھنا...“

محمود نے آنے کے بڑھ کر دروازے پر دباؤڈا لاتوڑہ کھلتا چلا گیا۔ وادی میں اس کنوں کو اترتے دیکھا۔ اس کے چاروں طرف عجیب و غریب عمارتیں... یہ عمارتیں آٹھ کنوں والی تھیں اور پرسے بالکل پتلی اور پیچے سے بہت چوڑائی میں تھیں... پھر کنوں خود بخوب غائب ہو گیا اور انہوں نے خود کو وادی کی پھریلی زمین پر پایا۔
انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اسپکٹر جمیش نے بلند آواز میں کہا:

ایسا ہی لگتا ہے... جو ہم سے بات کرنے۔“

ان کے اس جملے کے جواب میں ایک عمارت کے اوپر والے تو سیلے سرپر پر نیلے رنگ کا ایک بلب بلب اٹھا۔ اور اس کی روشنی چاروں طرف گھونٹنے لگی:

کیا ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم اس عمارت میں چلے آئیں۔“ خان بولے۔

”ہم لوگ ایسے خیالات پالنے کے عادی نہیں۔“ خان رحمان بولے۔
”کوئی بات نہیں خیالات ہمیں پالنے لگ جائیں گے۔“ عمران ہما۔

”حد ہو گئی... کیا آپ ہم میں مایوسی پھیلانے کے لیے ہمارے ساتھ نظر آرہے ہیں۔“ پروفیسر داؤڈ نے جلا کر کہا۔

”عن... مم... ہمپ... سوری۔“ عمران گڑ بڑا گیا۔

ان کا یہ الفکھا سفر جاری رہا۔ پھر انہوں نے ایک عجیب سی وادی میں اس کنوں کو اترتے دیکھا۔ اس کے چاروں طرف عجیب و غریب عمارتیں... یہ عمارتیں آٹھ کنوں والی تھیں اور پرسے بالکل پتلی اور پیچے سے بہت چوڑائی میں تھیں... پھر کنوں خود بخوب غائب ہو گیا اور انہوں نے خود کو وادی کی پھریلی زمین پر پایا۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اسپکٹر جمیش نے بلند آواز میں کہا:

کیا یہاں کوئی ہے... جو ہم سے بات کرنے۔“

ان کے اس جملے کے جواب میں ایک عمارت کے اوپر والے تو سیلے سرپر پر نیلے رنگ کا ایک بلب بلب اٹھا۔ اور اس کی روشنی چاروں طرف گھونٹنے لگی:

کیا ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم اس عمارت میں چلے آئیں۔“ خان

ان کے قدموں کی آہٹ سن کر جو نبی ان دونوں نے سراخا ہے... وہ سب کے
نسب بہت زور سے اچھے:



کیسی لہر میں

وہ کرٹل فریدی اور کیپشن حمید تھے... ان میں سے کوئی کے سفر
سے بے اختیار رانہ انداز میں لکلا:

”آپ!!!“

”آپ!!!“ جواب میں انہوں نے بھی بھی کہا۔ کرٹل کی آنکھوں
سے گہری نیند جھاٹک رہی تھی۔

”حیرت ہے... کمال ہے، خوشی ہے۔“ فاروق بول پڑا۔

”حد ہو گئی... جملہ ہی بدلتا دیا... بھول گئے... ہم کہا کرتے ہیں،
حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے۔“ محمود جھلانا اٹھا۔

”یہ موقع افسوس کا نہیں... خوشی کا ہے۔“ فاروق اس کی طرف
الٹ پڑا۔

”خوشی کا کیسے... ہم یہاں قیدی ہیں... اور شاید بے بس ہیں...“
آصف بولا۔

”قید ہو جانا اور قید میں بے بس ہو جانا... یہ معمول کی باتیں ہیں۔“
آفتاب نے بھی حصہ لیا۔

”تو یہ ہے... تم لوگوں سے... منے ملنے والے ساتھیوں سے بات
کیا ہے؟“

”آپ خدا سے کیوں نہیں بول لیتے۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ اس مرتبہ آواز آئی... الفاظ بھی نظر آئے۔
 ”یہ سب کیا چکر ہے... آپ لوگ ہمیں کہاں کیوں اٹھا لائے
 ہیں۔“ ”محروم بولا۔“

”ہم نہیں اٹھا لائے۔ آپ خود اٹھا آئے۔“ آواز گھونجی... وہ ایک
 بخاری بھر کم آواز تھی۔

”خیر... یونہی سکی... ہمارے ملک کے پروفسر ڈاکٹر عبدالقدوس
 خان کہاں ہیں۔“ فرزانہ بے تابانہ بولی۔

”ابھی سکرین پر نظر آ جاتے ہیں... آپ سے ہاتھی بھی کریں
 گے۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر عبدالقدوس سکرین پر نظر آئے... ادھر
 انہوں نے بھی ان سب کو دیکھ لیا... وہ بہت زور سے اچھے:

”یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... آپ لوگ کہاں ہیں... کیا اپنے
 ملک میں ہیں اور یہ دہاں سے بھی فسک کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔“ ان کے
 منہ سے مارے حیرت کے لگا۔

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں پروفیسر صاحب... کہ یہ کس کی بات کے
 قابل ہو چکے ہیں... لیکن اس وقت ہم یہیں بتوہماں موجود ہیں۔“

”کیا!!!“ مارے خوف کے ان کے منہ سے لگا۔

”اس میں اس قدر خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے پروفیسر
 انکل۔“ فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اس میں اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت یہ ہے کہ میں جب
 کہاں لا یا گیا تھا... اسی وقت میں نے آپ لوگوں کا انتظار شروع کر دیا تھا...“

تک نہیں کرنے دی اور شروع ہو گئے۔“ پروفیسر داؤن نے بڑا اسمانہ بنا یا۔
 ”آپ کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی... لیکن آپ بچھ س کیسے گئے۔“
 ”بس اب ٹوٹا تو آتا تھا... سوچا ان کی مرضی کے مطابق کیوں نہ یہاں
 آیا جائے... اس طرح آسانی رہے گی... بس پھر ہم دونوں جان بوجھ کر ان
 کے جال میں آ گئے اور یہ لوگ ہمیں لہروں کے ذریعے یہاں لے آئے۔“
 ”لہروں کے ذریعے... آپ کا مطلب ہے... ہندو لوگوں کے
 ذریعے۔“ عمران کی آواز انہری۔

کرمل فریدی اور کیپٹن حیدر چوک کراس کی طرف ہے:
 ”اوہ! تو یہ حضرت بھی ہیں آپ لوگوں کے ساتھ۔“ کرمل بدلے
 ان کا جملہ سنتے ہی عمران لگا شرمائے۔

”علوم ہوا... ہم سب کی منزل ہٹما ہے۔“ خان رحمان
 مکرانے۔

”ت... تو کیا یہ بٹما ہے۔“ پروفیسر بولے
 ”لگا تو بٹما عینی ہے... لیکن... ہو سکتا ہے، یہ بٹما نہ ہو۔“ عمران
 نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

میں اس لمحے کی ایک دیوار روشن ہو گئی... معلوم ہوا
 وہ سکرین تھی... اس پر پہلے لکھا نظر آیا:

”خوش آمد یہ پیارے دشمنو!“
 ”ہمیں اکیادمیں بھی پیارے ہوتے ہیں۔“ شوکی نے چران ہو کر
 کہا۔

”صرف آپ لوگ پیارے دشمن ہیں۔“ سکرین پر لکھا نظر آیا۔

میری اس قوتِ ارادی کے مقابلے میں ان کے ماہرین تکنی کا ناقص ناج چکے...
لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔“

”اوہ اوہ... کیا واقعی۔“

”اور مجھے جھوٹ بولنے کی بھلاکیا ضرورت ہے۔“ انہوں نے بڑا سا
مشہدا کیا۔

”اچھی بات ہے... اب ہم انہیں دیکھ لیں گے۔“

”بس یہی کام مشکل ہے۔“ وہ مسکراعے۔

”آپ کا مطلب ہے... ہم انہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔“ شوکی کے
لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں!“ وہ بولے۔

”کیوں انکل! کیا ہماری نظر کمزور ہو جائے گی۔“ فاروق نے جران
ہو کر پوچھا۔

اوس سب مسکراتے گئے... پھر محمود نے کہا:

”آخر ہم انہیں کیوں نہیں دیکھ سکیں گے۔“

”یہاں تم کس سے مقابلہ کرو گے... یہاں تو صرف مشینیں کام کرتی
ہیں... جتنی کام کرتے ہیں... شیطان کام کرتے ہیں... ان سب کی کام جن
لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں... وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔“

”تب پھر وہ کہاں ہیں۔“

”مجھے نہیں معلوم... میں نے اس پوری وادی میں گھوم پھر کر دیکھا
ہے... ان کا اعلان ہے... کوئی اس وادی سے نکل کر کہیں جا سکتا ہے تو بے
شک چلا جائے... کوئی پابندی نہیں... نہ اسے پھر قید کرنے کی کوشش کی جائے۔“

اور میں سوچتا رہا کہ آپ لوگ یہاں ضرور پہنچیں گے اور اس سارے بھیل کی
بساط پیش کر رکھ دیں گے... لیکن اب میں جو دیکھ رہا ہوں... اس نے تو
میرے سارے خواب چکنا چور کر دیے ہیں۔“

”اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”یہ کہ آپ لوگ بھی ان کی قید میں ہیں اور یہ دیکھ کر تو میرے دکھ میں
اور اخافہ ہو گیا ہے کہ آپ لوگوں میں مجھے کرشم فریدی اور علی عمران بھی نظر آ
رہے ہیں... گویا ہمارے ملک کے بھی ہمروز اس وقت ان لوگوں کی قید میں
ہیں۔“

”مایوسی گناہ ہے پروفیسر انکل... آپ اللہ تعالیٰ پر محروم رکھنا
گے۔“ محمود نے جذباتی انداز میں کہا۔

”میرا بھروسہ اسی پر ہے... لیکن انسان ہونے کے ناطے گھبرا جانا
بھی قدرتی بات ہے۔“

”چیزی خیر آپ کو اجازت ہے۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”اجازت ہے... کس بات کی۔“

”گھبرا جانے کی۔“

”حد ہو گئی۔“ پروفیسر عبد القادر نے بھٹکا کر کہا۔

”اس بات کو چھوڑ دیں اور یہ بتا کیں... کیا ان لوگوں نے آپ سے
پکن کوڈ معلوم کر لیے ہیں۔“

”اس میں تو یا ب تک نہیں ہیں... اللہ کا شکر ہے۔“

”اوایسا کس طرح ہو سکا۔“

”اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت زبردست قوتِ ارادی عطا کی ہے...“

لگا لو... پناہ مکن کے بڑے سے بڑے ماہر سے کام لے کر دیکھ لو... کسی بڑے سے بڑے جن کو مجھ پر مسلط کر کے دیکھ لو... سوان لوگوں نے یہ سمجھی کام کر کے دیکھ لیے، لیکن مجھ پر فتح نہیں پاسکے... اور ان شاء اللہ نہ پاسکیں گے... ان کی کامیابی اگر ہے تو صرف اس حد تک کہ یہ مجھے انخوا کر لائے ہیں اور پن کوڈ کا بریف کیس ان کے قبضے میں ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں... اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں پہنچا دیا ہے... اب ہم انہیں دیکھ لیں گے۔“ پروفسر داؤڈ بولے۔

”آپ آپ اپنی آپیں کی باتیں کر چکے... پروفیسر سے ملاقات کر چکے، لہذا اب ہم بڑھتے ہیں... جیسا کہ پروفیسر نے آپ لوگوں کو بتایا... اس وادی کی حد تک آپ لوگ آزاد ہیں... اس سے نکل کر کسی ست میں جا سکتے ہیں تو چلے جائیں... لیکن!“

”ایک تو کہیں نہ کہیں سے یہ لیکن ٹپک پڑتا ہے۔“ فاروق نے بڑا سا منہ بنا یا۔

باقی لوگ مسکرنے لگے... ایسے میں آواز اجھری:

”آپ ہم آپ لوگوں کو بتاتے ہیں... ہم پوری دنیا میں کیا کام کر رہے ہیں اور اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے ہم کس سے کیا کیا کام لے رہے ہیں... اور اسلامی ملکوں میں اور خاص طور پر پاک لینڈ میں جو حالات اس وقت ہیں یا پاک لینڈ کے پڑی اسلامی ملکوں میں جو کچھ ہو رہا ہے... یا پھر دوسرے بڑے اسلامی ملک میں جو ہو رہا ہے... وہ کس طرح ہو رہا ہے... کن ذراائع سے ہو رہا ہے... کر کون رہا ہے... بدنام کون ہو رہا ہے... اور جو کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں... انہیں کن کن باقوں کا ذرے دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔“

گی... اور میں یہ کوشش ہار بار کر چکا ہوں، لیکن یہاں سے نکل نہیں سکا... اب رہ گئی بات یہ کہ وہ لوگ کہاں پہنچ کر اس سارے نظام کو کنٹرول کر رہے ہیں... یہ مجھے معلوم نہیں... تاہم اندازہ ہے کہ یہ بٹوما کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے... اصل بٹوما کہیں اور ہے... اور اصل لوگ وہاں پہنچے ہیں... گویا ہم یہاں کچھ کر سکیں یا نہ کر سکیں... اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور انہیں کوئی نقصان نہیں ہو سکے گا۔“

”اچھی بات ہے... یہ آپ سے چاہتے کیا ہیں... کیا صرف اس بریف کیس کو کھلوانا اور پن کوڈ معلوم کرنا۔“

”میری حد تک تو ضرور بھی کام ہے... لیکن یہ لوگ یہاں بہت ہی عجیب و غریب اور ہولناک کام لے رہے ہیں... اس کی تفصیل یہ خود ہی بتاتا ہیں گے... اس کرے میں یہاں آپ لوگوں کو لا لایا اس لیے گیا ہے...“

”مجھے تو درمیان میں آپ لوگوں کی فرمائش پر لایا گیا ہے... کیوں مانگو... میکی بات ہے،“ انہوں نے کسی کو مخاطب کیا۔

”ہاں پروفیسر... بالکل صحیح کہا آپ نے... کاش آپ نے ہماری بات مان لی ہوتی... وارے یارے ہو رہے ہوتے آپ کے یہاں۔“ مانگو کی آواز اجھری۔

”پوتھم لوگ ہر اس آدمی سے کہتے ہو... جس پر قابو پا لیتے ہو... جو زبان نہیں کھوتا... لیکن مشرما نہیں... میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر ان سب کے سامنے کہتا ہوں... مسلمانوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگ بے شک بہت پیدا ہوئے... لیکن ہر کوئی میر جعفر اور میر صادق نہیں ہوتا... تم مجھے بڑے سے بڑا لائق دے کر بھی مجھ سے کچھ نہیں اگلو سکتے... جتنا تم میں زور رہے

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ مارے جیزت کے لگلا۔

”مگر کی ضرورت نہیں... آپ لوگ ابھی دیکھو اور سن ہی لیں گے... لیجیے تفصیلات بیان کی جاتی ہیں... اب سکرین پر یہ الفاظ اور ان کے ساتھ اس وادی کی جگہیں نظر آنے لگیں... وہ ان الفاظ کو پڑھنے لگے... جگہوں کو بغور دیکھنے لگے... الفاظ پچھلے یوں تھے:

”یہ علاقہ جس میں اس وقت آپ لوگ ہیں، دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے... آس پاس کے علاقوں کو بھی معلوم نہیں کہ یہاں اس وادی میں کوئی عمارت ہے اور اس عمارت میں کیا ہو رہا ہے... اس عمارت میں ہم کیا کھیل رہے ہیں... کوئی نہیں جانتا... دنیا کے ماہرین... اسلامی ملکوں کے موجودہ حالات کو دیکھ کر جو تحریرے کرتے ہیں، جو تحریرے کرتے ہیں، جو تحریرے کرتے ہیں، جو اندمازے قائم کرتے ہیں جو تحریرے لگاتے ہیں... اپنے اندازوں کی جو عمارتیں اٹھاتے ہیں... وہ سب کے سب اس عمارت میں ہوتے وائے کھیل سے پہ بخوبی... اصل حقیقت اس عمارت کا کھیل سمجھے بغیر معلوم ہو جی نہیں سکتی... لہذا جتنے تحریرے ہوتے ہیں، وہ سب کے سب غلط ہوتے ہیں... یہی ہم چاہتے ہیں... دنیا کو، یہودیوں کو، عیسائیوں کو، پارسیوں کو اور ہندوؤں کو اور خدا کو نہ ماننے والے ملکوں کو بھی دیکھو ج نظر آئے جو ہم انہیں دکھائیں اور انہیں پتا بھی نہ چلے کہ کون کسی کو کیا دکھار رہا ہے، کس بات پر عمل کروارہ کون عمل کر رہا ہے... اس کا تعلق کس مذہب سے ہے، کس قوم سے ہے... یہ سب باقیں کوئی نہ جان سکے... جان سکے تو صرف وہ جو نظر آ رہا ہے... یا لوگ جو اقرار کر رہے ہیں۔

یہاں بہت بڑے بڑے، دنیا کے سب سے بڑے سائنス دان بحث کیے گئے ہیں۔ یہ سائنس دان یہاں کیا کھیل کھیل رہے ہیں، ہم تو بس تم لوگوں کو پڑ دکھانا چاہتے ہیں، جیلیے آپ لوگوں کے لیے بتا دیتے ہیں، ہم جو کھیل یہاں کھیل رہے ہیں... ہم نے اس کھیل کا نام بھی رکھا ہے... لیجیے... نام سن لیجیے... اس سارے کھیل کا نام ہے ایم کے الٹا۔

عام طور پر تو کھیل آپس میں کھلاڑی لوگ کھیلا کرتے ہیں تا... کرکٹ کے کھلاڑی کرکٹ کے کھلاڑیوں سے کھلتے ہیں... فٹ بال کے کھلاڑی فٹ بال کے کھلاڑیوں سے کھلتے ہیں، ہاکی کے کھلاڑی ہاکی کے کھلاڑیوں سے کھلتے ہیں... لیکن ہم پر کھیل... ہمارے کھلاڑی یہ کھیل سادہ لوح مسلمانوں... بلکہ سادہ لوح مسلمان حکمرانوں سے کھیل رہے ہیں... اور مسلمان ملکوں کے حکمران ہمیں ہی اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتے ہیں... سب سے بڑا دوست ہم ہی کو سمجھتے ہیں... انہیں کیا معلوم... دوستی کے پردے میں ہم ان سے کیا کھیل کھیل رہے ہیں... سب کے الٹا کھیل تو کھیل رہے ہیں، اس کھیل کی نگرانی کرنے والے کون لوگ ہیں، جیلیے آپ کو بھی بھی بتا دیتے ہیں، انشا وجہ، پیگال، برٹانی وغیرہ کے سب سے بڑے دماغ... جنہیں تھنک تھنک کہا جاتا ہے... تمام بڑے سائنس دان بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ یہودی سرمایہ، دار طبقہ ان سب کی کمریہ ہے... ان کی مدد کے بغیر ایم کے الٹا کھیل کھیلانا مشکل ہے، اس لیے وہ تو اس سارے کھیل کے لیے ریڈ ہل کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں... تھنکس تھنکس کا نام رینڈ کار پوریش ہے... یہاں ایوں کیروں لیے سب سے آگے ہے۔

ہو رہا ہے... اس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہاں انسانی دماغوں پر قابو پانے کے بعد ان کو اپنا غلام بنانے کا کام کیا جا رہا ہے... دماغوں کو غلام بنائے کے لیے کس طرح کام کیا جا رہا ہے، اس سے دنیا کا اعلیٰ تعلیم یا انتہا طبقہ بھی واقع نہیں، جب کہ یہ تمام باتیں جانتا آج کے دور کے انسانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے جو مسلمانوں کی موجودہ بے شی کا راز جانتا چاہتے ہیں۔ ٹوٹا کا درسرا نام ماٹریال بھی ہو سکتا ہے... یہاں سے ہالی فریکونسی مائیکرو نیٹ خارج ہوتی رہتی ہے۔ جن لوگوں کے دماغوں کو غلام بنانا ہوتا ہے... یہ لہریں ان دماغوں تک پہنچتی ہیں اور بالکل ہپٹا ٹرم کے طریقے سے ان دماغوں کو اپنے زیرِ نظر لے لیتی ہیں۔ ان کے لاشور کو گرفت میں لے لیتی ہیں۔ پھر ان کے لاشور ان کے تحت الشعور کو وہ پیغامات منتقل کرتے ہیں جو ہم یہاں بینٹھے لوگ چاہتے ہیں، یہ شعاعیں کسی بھی انسان کو اپنی گرفت میں لے سکتی ہیں... البتہ کچھ لوگ یہ بھی ہیں جو ان لہروں کی گرفت میں نہیں آتے... ان لوگوں کی قوت ارادیت غصب کی ہوتی ہے۔ اب جن لوگوں کے دماغوں کو اس طرح قابو میں کر لیا جاتا ہے، ان لوگوں سے کچھ بھی کام لیا جاسکتا ہے... مثال کے طور پر ان سے ڈاکٹر حملے کرنے کا کام تک نہایت آسانی سے لیا جاسکتا ہے... اگر ایسے لوگ یہاں کی بہت سی ایسی ہی شخصیات میں سے ایک ہے، مطلب یہ کہ یہاں تو ایسے ایک سے بڑھ کر ایک ماہرین موجود ہیں... ایون کیسروں کا نام یہاں ذائقہ وہاں تک ہے۔

لما قابو پاپا جا چکا ہوتا ہے...
”بن... نہیں۔“

وہ سب کے سب مارے خوف کے چلا اٹھے:



اب یہ بھی جان لیں کہ ایم کے سے مراد ”ماںڈل کھروں“ ہے، اس کھیل میں کیا کیا جاتا ہے... لوگوں کے ذہنوں سے کھیلا جاتا ہے۔ ان کی مرغی کے بغیر ان کے دماغوں کو خاص قسم کے پیغامات بھیجتے ہیں۔ یہ پیغامات آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں کو اپنا معمول بناتی ہیں... اور وہ یہ خود اور خود فراموشی کے عالم میں سوچے کچھے وہ سب کچھ کرتے چلتے ہیں... جو ہم ان سے کر دانا چاہتے ہیں... ہماری اس عمارت میں جو لوگ کام کر رہے ہیں، ان میں روحاںی ماہرین بھی موجود ہیں، جادو اور سائنس کے مطابق سے اس منصوبے پر کام کر رہے ہیں... اس منصوبے کو ہم نے ایم کے اٹرا پرو جیکٹ کا نام دیا ہے۔ پہلے ہتھا پا جا چکا ہے کہ اس سارے منصوبے کو ریمنڈ کار پوریشن چیلائری ہے۔ ایون کیسروں سائنس و ادب کے ایسے ایک جادوی علم بھی ہے... اس جادوی علم کا نام ”قبائل“ ہے۔ یہ اس علم کا خطرناک ترین ماہر ہے... آپ لوگ اپنے الفاظ میں اسے کامل علم کا ماہر بھی کہہ سکتے ہیں... یہاں کی بہت سی ایسی ہی شخصیات میں سے ایک ہے، مطلب یہ کہ یہاں تو ایسے ایک سے بڑھ کر ایک ماہرین موجود ہیں... ایون کیسروں کا نام یہاں ذائقہ وہاں تک ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمیں... یعنی یہودیوں کو اس منصوبے پر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے... ابھی بتاتے ہیں... پہلے آپ یہ جان لیں کہ یہاں کس قسم کی بیکنا لوگی استعمال ہو رہی ہے۔ آج کل کے بہت زیادہ تعلیم یا اف لوگ تازہ ترین ایجادوں سے خوب واقع ہیں۔ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمیں ان سائنسی معلومات کا علم ہے... لیکن ایم کے اٹرا پرو جیکٹ میں جو کام

اس لیے جنات اور شیاطین ان کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں اور ان کے ذریعے یہ لوگ انسانوں کے ذہنوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ بہاں مثال کے طور پر ماضی کا ایک اہم واقعہ دکھاتے ہیں آپ اس تھیسٹ کو اچھی طرح پہچانتے ہوں گے۔

ان الفاظ کے بعد سکرین پر عالمِ اسلام کی ایک جانی پہچانی تھیست نظر آئے گی۔ وہ مرکزی اسلامی مملکت کے ایک فرمائی روانی تھے۔ ایک بڑے ہال میں اپنے دفتری امور نمائار ہے تھے... دا گھن باہمیں کرسیوں پر اہم شخصیات بیٹھی ہیں، ساتھ میں دو ان میں سے کبھی کسی سے تو کبھی کسی سے بات بھی کر لیتے تھے... ایسے میں ایک نوجوان ہال بیلی داخل ہوا... انہوں نے خوبی طور پر اسے بھی پہچان لیا... یہ نوجوان حکمران کا سماں بھیجا تھا... انہیں فوری طور سارا واقعہ یاد آگیا۔ وہ چونکہ کراں نوجوان کو غور ہے دیکھنے لگے... اسی نے انہیں قتل کیا تھا۔ انہوں نے اس کے پھرے کو غور سے دیکھا۔ اس کے پھرے پر بہت ہی بجیب سے تاثرات تھے... ایسے میں الفاظ بھی لکھ نظر آئے تھے:

”یہ دیکھیے یہ نوجوان حکمران کا سماں بھیجا ہے۔ اس کا دماغ پوری طرح ہمارے قابو میں ہے... ہم نے اسے پہنچوم کے ذریعے رائس میں لے رکھا ہے۔ اس کام کے لیے پہلے اس کی ملاقات یورپ کی سیر کے دوران ایک انتہائی خوب صورت لڑکی سے کرائی گئی تھی... جب اس کا دماغ پوری طرح لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا، تب اس لڑکی نے اس کے دماغ پر قابو پایا اور اس سے کہا... اگر وہ اسے پانا جاتا ہے تو اپنے چیچا کو قتل کر دے...“

اب دیکھیے... یہ اس ہدایت کو اپنے اندر چڑب کیے ہوئے

خوف کی وادی

ان کے اس طرح چلا اٹھنے کی وجہ سے سکرین سے سب کی توجہ ہٹدی گئی... کیونکہ وہ خوف کے عالم میں ایک دوسرا ہے کیونکہ تھے... آخر وہ پھر سکرین کی طرف متوجہ ہوئے... اور تحریر پڑھنے لگے:

”یہ لہریں یا شعاعیں ان انسانوں پر اسی حالت طاری کر دیتا ہیں کہ وہ لوگ روپوں کی طرح احکامات کی چیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے ارادے، اپنے نظریات، اپنی مرضی، اپنی تہذیب یا اپنا ذہن ایک طرف ہو کر بے نی سے یہ تاشد ریکھنے کی حد تک رہ جاتے ہیں... جو شخص ایک مرتبہ اس شیطانی چکر کے کتلروں میں آ جاتا ہے، وہ ان شیطانی دماغوں کے لکھنے پر قلل، خودکش حملے، بھرے مجھے میں بلا خوف و خطر قارنگ تک کر سکتا ہے۔ یہ سب کام کرنا اس کے باہمیں باقاعدہ کیمیل بن جاتا ہے... اس لیے کہ اس کا اپنا دماغ، اس کا اپنا نیش رہ جاتا... اس کا دماغ دوسروں کے قبضے میں ہوتا ہے۔“

دماغ کو قبضے میں کرنے کے لیے اس عمارت میں موجود دنیا کے زبردست جاؤگرا پنا جاؤ چکاتے ہیں۔ شیطان اور شیطانی طاقتیں جاؤگروں کو بہت پسند کرتی ہیں، ان کا خوب ساتھ دیتی ہیں، انہیں خوش کرنے کے لیے تاپاک رہنا ضروری ہے، یہ لوگ انتہائی حد تک نجاست میں خلط ماطر رہتے ہیں،

جسم میں فٹ کر دی جاتی ہے۔ اب پرانا نوری طرح ہمارے کھنڈوں میں آ جاتا ہے... اس چپ کے ذریعے اس کے دماغ کو پیغامات دیے جاتے ہیں۔ اس کے دماغ میں آوازِ گوئی بھیگتی ہے۔ وہ شخص اتنا نی رویوں کی طرح ہر حکم کی قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے... خاص طور پر اگر اسے شراب یا کسی دوسرے نشے کا عادی بنا دیا جائے تو جاؤ کے ذریعے اس کی قوتِ ارادی کو کمزور کر دیا جائے یا تو زدیا جائے تو اس کے دماغ کو کھنڈوں کرنا اور بھی آسان ہو جاتا ہے... اور اسے ٹرانس میں لانے (یعنی پیٹا نرم کی طرح ہدایات تبول کرنے قابل ہانتے) میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ اب ایسے شخص کو اپنے کمی مرکز میں لارس سے کسی بھی قسم کے کاغذات پر سختگیرانے جاسکتے ہیں... یا اسے کچھ بھی ہدایات دی جاسکتی ہیں... مثلاً اگر اسے یہ ہدایات دے دی جائیں کہ وہ بھرے مجھے میں دن دھڑکے فارٹنگ کر کے لوگوں کو ہلاک کر دے... تو وہ اپنا کر گز رے گا... اس کی مثالیں آپ لوگ اپنے ملک میں جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں... ہم نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں فارٹنگ کرائی، ہم دھماکے کرائے، بڑے بڑے رہنماؤں کو قتل کر دیا اور ایسا کرنے والوں نے جنم بھی قبول کیے... ذریعے داریاں بھی قبول کیں... ہم سکولوں پر بھی ہموں سے حلے کر دیتے ہیں... بارہوں کی رکاووں پر حلے کر دیتے ہیں... زنانہ سکولوں پر خودکش حلے کر دیتے ہیں... یہ سب کام ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، حال ہی میں شارحتان کے ایک فائیو سٹار ہوٹل پر دہشت گردوں نے حملہ کیا... بہت سے لوگوں کو مار دیا... خود بھی مار بے گئے... ان میں سے ایک بھی گیا... اب اس پر مقدمہ چل رہا ہے... اسی طرح آپ کے ہاں پولیس ٹریننگ سکول پر حملہ کر دیا گیا... پولیس پر بہت سے شہروں میں حلے کرائے گئے... اور اسی طرح

ہے... اسے اتنا بھی ہوش نہیں کہ بھری مخفی میں جب یہ اپنے چچا پر فائر گ کرے گا تو خود وہ بھی تو مخالفوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہو جائے گا... یا گرفتار کر لیا جائے گا اور اسے بعد میں قتل کے بد لائل کر دیا جائے گا... لیکن چھرے کی طرف دیکھنے سے صاف نظر آ رہا ہے کہ اسے کسی بات کی کوئی پروا نیں... یوں بھی یہ اپنے ہوش و حواس میں نظر نہیں آ رہا ہے... اب دیکھنے ہیں... یہ کیا کرتا ہے۔

ان کی نظریں نوجوان پر جمی تھیں... ایسے میں نوجوان نے جب میں باخڑاں کر پستول کال لیا اور پاک جھکتے ہی اپنے چچا کے سینے میں کی گولیاں اٹا رہیں... ساتھ ہی لکھا نظر آیا:

”آپ نے دیکھا... کس طرح ہم نے ایک بھتیجے کے ذریعے چچا کو ہلاک کر دیا۔ وہ چچا جو عالمِ اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر بچ کرنے کے مقصوبے پر عمل شروع کر چکا تھا... جو قتل کا اختصار استعمال کر کے اشارجہ کا تاک میں دم کر رہا تھا... اور کئی دوسرے غیر مسلم ممالک اس کی وجہ سے بہت پریشان تھے... ہم نے اس کا کٹا اسی کے بھتیجے کے ذریعے کال دیا... ہمارا کیا گیا... اور اس کے بعد جو شخص حکمران بنایا گیا وہ پہلے ہی ہماری مٹھی میں ہے... اس طرح کام لے رہے ہیں ہم جادو اور پیٹا نرم کے طاپ سے...“

اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم نے ایک چپ تیار کی ہے، آپ چپ کو ایک بار یہی پلیٹ کہہ لیں۔ اس سے ہائی فریکوئنسی اسیگر دینز خارج ہوئی ہے... یہ چپ ہم کی کے بدن میں چپکا دیتے ہیں۔ یہ کام کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں، اس لیے کہ بڑے بڑے مسلمان رہنماؤں کے ہاں آکر ہی علاج کرتے ہیں۔ لہذا کسی آپریشن کے دوران یا میل جراجی کے ذریعے یہ چپ

مسلمانوں کو تو... خاص طور پر آج کل جو نام دیا جاتا ہے... عسکریت پسندوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں ہم پوری طرح کامیاب ہیں... عام طور پر میری یاد اے سوال اٹھاتے ہیں... پڑھے لکھنے لوگ سوال کرتے ہیں... اعلیٰ قائم یافتہ سوال کرتے ہیں... اگر یہ کام ان لوگوں کے نہیں ہیں تو پھر ذمہ داری قبول کرنے کے اعلانات کیوں کیے جاتے ہیں... اب ان بے وقوفیں کو کیا پڑے، یہ اعلانات بھی تو ہم چپ چینی ایجادوں کے ذریعہ کرتے ہیں... ہال تو ذمہ دار ہو رہا تھا چپ جسم میں چیکاویتے کا... یہ چپ لگا کر ہم ان لوگوں سے ایسے کام لیتے ہیں جو ان کی پوری قوم کے خلاف ہو... ملک کے مفاد کے خلاف ہوا اور دنیا میں مسلمانوں کو بدمام کرنے کا ذریعہ ہوں... اس طرح ہم نے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کر دیا ہے... ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاوی ہے... پوری دنیا مسلمانوں کو دہشت گرد خیال کرنے لگی ہے... اسے ظالم قریں قوم کیا جانے لگا ہے... تمام وہ کام مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال دیے گئے ہیں... جن سے مسلمان قوم وحشی اور ظالم نظر آئے... اب یہ بھی بتا دیں کہ ان چیزوں کو انجینئروں کی ایک پوری شیم جسموں میں منتقل کرتی ہے، ان چپ انجینئروں کا تعلق موڑولا، جزیرہ الکڑ و مک آئی لی ایم اور بوشن میری یکل سٹریوں جیسے شہر آفاق امریکی اداروں سے ہے۔

یہاں اس موقعے پر ایک نوجوان آپ کو دکھاتے ہیں... اس نوجوان کا واقعہ آپ کے ملک میں بہت مشہور ہوا تھا... ان الفاظ کے ساتھ ہی سکرین پر ایک خوب صورت نوجوان کی تصویر نظر آنے لگی... اس کی آنکھوں سے ذہانت پیک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی انہیں اس کے ساتھ بیٹھنے والا واقعہ یاد آگیا۔ یہ نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا... سرکاری ملازم تھا اور ایک اہم عہدے پر

مقرر تھا۔ ہمیں اس نوجوان کی خدمات کی ضرورت پیش آگئی... ایک مرتبہ یہ بیمار ہوا۔ اور بیمار کیا ہوا... اسے ایک دکوت میں بلا یا گیا، وہاں اسے کوئی ایسی چیز کھلانی گئی کہ اس کے پیش میں شدید گریز ہو گئی... چنانچہ اسے ہسپتال لے جایا گیا، وہاں اسے علاج کے بہانے سب بیویوں کیا گیا اور اس کی ناک کے ایک تنفسی میں ایک ٹرانسپیر نصب کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے یہ نوجوان ہمارا معمول بن گیا... لیکن کی وجہ سے اسے ایکسرے کرانے کی ضرورت پیش آگئی... شب اس کے ڈاکٹر نے وہ ٹرانسپیر وہاں دیکھ لیا... اسے الگ کر دیا گیا... نوجوان اس نئی سے ٹرانسپیر کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔ اس نے اس ٹرانسپیر کو چیک کرانے کا فیصلہ کیا... لیکن آپ کے ملک میں کون اسے چیک کرتا... اس کے ماہرین تو انتشارجہ میں بیٹھے تھے... چنانچہ انتشارجہ کی ایک لیبارٹری کو دیا گیا... اب ہم لوگ اپنے راز کیے دوسروں پر ظاہر کر دیں... لہذا اس سے کہہ دیا گیا کہ دس دن بعد رپورٹ ملے گی... دس دن بعد جب اس نے لیبارٹری سے باطلہ کیا تو اس سے کہہ دیا گیا کہ وہ پر اسرا ر طور پر غائب ہو گیا ہے۔

اب تک آپ لوگوں پر یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گئی کہ ہم لوگ کیا کام کر رہے ہیں... آپ کے ملک میں خودکش دھماکے کوں لوگ کر رہے ہیں... سب یہی بحثتے ہیں، یہ شدت پسند مسلمانوں کا کام ہے... دہشت گروں کا کام ہے... اپنے بریف کیس کی مثال لے لیں... ہم نے اڑنے کے لیے بھی بھی حریبے اختیار کیے ہیں... اے کے تماں کے جسم میں ایک عدد چپ موجود ہے، اس کے ذریعے ہم نے اصل بریف کیس غائب کیا ہے... اور پروفیسر عبدالقدوس خان کو پہنچوںم کے ماہرین نے وہاں سے غائب کیا ہے... یہ تھیں تفصیلات... اب آپ لوگ اس وادی میں گھومیں پھریں... یہ

آر ہے تھے... درخت بھی تھے... اور ان کی وجہ سے یہاں گھوما پھرا جاسکا تھا... موسم یہاں شدید سر و تھا... اور دھوپ خوش گوار محسوس ہوتی تھی۔

اب جس کے جدھر سینگ نامے، وہ اسی طرف کو چل دیئے... ایسا لگتا تھا... جیسے قدرتی طور پر ان کی پارشیاں بنتی جا رہی ہوں... ایسے میں انہوں نے عمر ان کی آواز سنی، وہ مارے خوشی کے کھدا رہا تھا:

”جزء آگیا... زبردست آپڈیل جگہ ہے... اور پھر فرضت کے لمحات بے بھاؤ ہیں... خوب گزرے گی جو مل بھیں گے دیوار... دیوانے... یار صدر... دیوانے کتنے...“ وہ کہتے کہتے رک گیا اور اس صدر کی طرف ہونتوں کی طرح دیکھنے۔

”مجھے تو آپ نہیں گھشن... میں کسی لمحے بھی یہ نہیں بھول سکتا کہ یہاں قیدی ہیں... اور آزادی دیتا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔“ صدر نے بڑا سامنہ بنا�ا۔

”ہاں... آگئے جاؤ۔“ اس کے مندر سے لگتا اور خلا میں گھنٹے لگا... یوں جیسے صدر اس کے پاس موجود تھی نہ ہو... صدر نے بڑا سامنہ بنا�ا اور ایک سست میں آگے بڑھ گیا۔ وہاں آتا پ، آصف، فرحت کے ساتھ گھون، گارود، اور فرزانہ اور شوکی پر اور زمیں۔

”مم... معافی چاہتا ہوں۔“ صدر ان کے نزد یک چینچ کر ہکلا یا۔

”مم... معاف کیا۔“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

”آپ کے ساتھی آپ کے ساتھ نظر نہیں آ رہے۔“

”میں ان کے بغیر یہ بھلا کہ رہے ہیں...“ بہت دل کل چکرے... یہاں بہت پر لطف وقت گز رہے۔“

کھائیں ہیں... واپس اپنے ملک جانے کا خیال دل سے نکال دیں اور یہ بھی جان لیں کہ اب تم لوگوں کو باقی زندگی بیہیں گزارنی ہے... جب دل بہلانا ہوتا یہاں آ کر ہماری کار گز رایاں دیکھ لیاں کریں... ہم لوگ مسلمانوں کے ذریعے ملک میں ہونے والی ہماری کارروائیوں کو باقاعدہ فلم کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں... لیکن اپنے لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتے... ہاں جب ہم چاہیں، اس وقت ضرور رابطہ کر سکتے ہیں... لیکن ہم ایسا چاہیں گے نہیں... اب یہ بھل یہاں ختم ہوتی ہے... یہ اصل بٹھا نہیں ہے... بٹھا کی کار گزاریوں کی تفصیل تو کر لیں اور ہم تک پہنچ سکتے ہیں تو پہنچ جائیں۔ ہم آپ کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی... سکرین ناریک ہو گئی۔ انہوں نے ایک دمرے کی طرف دیکھا... پھر سب سے پہلے فاروق کی آواز سنائی دی:

”اللہ کا شکر ہے... گھومنے پھرنے کا موقع تو ملا... ورنہ ہم تو یہاں بورہو کر رہے جاتے۔“

”چلو پھر را وادی کی سیر ہو جائے۔“ اور وہ سب باہر نکل آئے۔ یہ عمارت پہاڑی کے دامن میں تھی۔ اس کے چاروں طرف پہلے اوپنی پہاڑیاں تھیں اور ان کے پیچے بلند والی پہاڑ تھے... یہ پہاڑ بالکل بختر تھے۔ ان پر سبزہ یا درخت وغیرہ نہیں تھے۔ بس یہ پھریلی پہاڑیاں تھیں... پہاڑیوں کے دامن میں البتہ گھاس اور پودے نظر

”کوئی بات نہیں... کر لیں گے۔“ فرزانہ مسکرا آئی۔

”کیا کر لیں گے؟“ آناب سے کھوئے کھوئے اندراز میں کہا۔

”یاد،“ فرزانہ پڑھ سکے بولی۔

”لگتا ہے...“ ہمارے اندر فاروق اور آناب کی رو جیں حلول کر گئی

”مرے سامنے... پاپ نے...“ فرزانہ پھر اگئی۔

لپے میں ایک پرندہ ان کے سروں پر سے گزر گیا۔ انہوں

ن کی آواز سنی... وہ عجیب سکی تھی... سب نے سراخا کر پرندے کو دیکھا۔

لتک وہ ان سے کافی دور چاچکا تھا:

”فرحت ہے۔“ فرزانہ بڑھ رہا۔

”ہو گی ہمیں کیا؟“ فرحت نے منہ پھایا۔

”ایسا پرندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”تو دنیا کے اس خطے میں بھی تو ہم جعلی باری آتے ہیں... ظاہر

لپے اپنے علاقوں کے پرندے ہوتے ہیں۔“

”ہوں... یہ بات تو خیر ہے... اس پرندے کی آواز بہت عجیب

لشکری پڑھ دیا۔

”آخر ہم پرندے کے پیچے ہاتھ دھوکہ کیوں پڑ گئے ہیں؟“ محن

الخ۔

”واقعی... اس کام کے لیے ہمیں ہاتھ دھونے کی خوبی نہیں

اشفاق نے فوراً کہا۔

”اے کہتے ہیں، اندھے گائیں، بہرے بجا گیں۔“ آناب

وہ بہتے لگ... پھر آصف نے کہا:

”آپ کے ساتھی کچھ عجیب سے نہیں ہیں۔“

”صرف عجیب سے نہیں... غریب سے بھی۔“ صدر بول پڑا۔

”میں سب کی رہا ہوں... مجھے کوئی پرواہیں...“ گھاس کا نیز قطعہ
کس قدر غریب صورت ہے... سونے کی ہاتھیں جگہ ہے...“ یہ کہتے ہوئے
غمran گھاس پر لیٹ گیا اور ساتھی اس کی آنکھیں پندرہ گھنیں۔

”کیا ہم بیاں بیٹھی وقت برپا کریں گے؟“ فرزانہ کی آواز
اپنی۔

”جس طرح تم کہتی ہو... اس طرح برپا کر لیتے ہیں۔“ آناب
نے خوش ہو کر کہا۔

”اوہ... برپا کرنے کی بجائے ہم اسے آباد کیوں نہ کریں۔“

”ٹھیک ہے... ہم وقت برپا نہیں کریں گے... ہم اس وادی کا
پھور چاڑہ لیں گے... کیا خبر ہم باہر نکلنے کا کوئی راستہ خلاش کر رہی ہیں؟“ محمود
کے لپٹے میں جوش تھا۔

”بالکل ٹھیک... میں بھی بھی کہنا چاہتی تھی۔“ فرحت نے محمود کا
ساتھ دیا۔

”تو پھر، کہا کیوں نہیں؟“ فاروق نے منہ بنا یا۔

”جناب کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”میرے منہ لگنا... ورنہ ہاں۔“ فاروق نے گویا وحشی دی۔

”ورنہ ہاں کیا... کچھ آگے بھی تو کہونا۔“ آصف مسکرا یا۔

”وہ لئے لوں گا کہ یاد کرو گے۔“ فاروق بول۔

منہ بیٹا۔

”شاتونیں۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”کیا نہیں نہ۔“ آفتاب اس کی طرف پلٹ پڑا۔

”یہ کہ اسے کہتے ہیں اُدھے گائیں، بہرے بجا گائیں... میراں... ہاں کیوں... تھیں کیا ہوا... کیا نیلاخون نہیں ہو سکا۔“ آصف ہے، یہ ضربِ اشل کی اور موئے پر جولی جاتی ہے۔

”آگئی ضربِ المثلوں اور محاورات کی شامت۔“ آصف کو الیکٹریشن کرنے کے لئے کواس دنیا میں پڑے بھائی کیا نہیں ہو سکا۔ میرے کہنے کا

”اللہ کا شکر کرو... تمہاری شامت نہیں آئی۔“ جھوک کر لایا۔ تو صرف یہ تھا کہ یہ تو کسی ناول کا نام بھی ہو سکتا ہے۔

انہوں نے دیکھا ایک چنان پر اپکڑ جمیڈ اور اسکے کارڈ

مرزا اور کرٹل فریدی کھڑے باتِ جیت کر رہے تھے... ان سے بچ کر خان رحمان، سور علی خان، پروفیسر راؤ و اور کچھن جمید کھڑے نظر آئے۔

”یاپ نے کیا کیا...“

اچاک پھر اس پرندے کی آواز سنائی دی... اسی وقت

خوس طور پر کرٹل فریدی کا ہاتھ حرکت میں آیا... ساتھ ہی ایک پھر ان

لکڑ آیا اور پھر وہ اس پرندے کو جالتا... اچاک یوں لگا جیسے بھلی بہت زیاد

چکی ہو اور پھر وہ پرندہ آواز کا لے بغیر نیچے گرتا نظر آیا... وہ کسی شہاب نام

طرح سیدھا نیچے آیا اور زمین سے گلرا، انہیں یوں لگا جیسے شون دزی

کری ہو... اور اب جو انہوں نے پرندے کی طرف دیکھا تو اسے خوف

ان کی آنکھیں بھلی گئیں... ان کے سامنے ایک بہت بڑا وجود سا پڑا۔

عجیب و غریب و جھوٹ... پچانچیں وہ کوئی جن تھا یا دیو... یا کوئی شیطان... یا

کچھ بھی تھا... اب ساکت پڑا تھا... گویا اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔

ان حالات میں اس سے پہلے انہی خیوں نے اس کا

☆☆☆☆☆

بھوننا تاک

انہوں نے یوکھلا کر چاروں طرف دیکھا... آوازیں طرف سے آرئی چھی... اور یہ آوازیں میں جنات کے چینے پلاسٹک کی کرتے کی... گویا بے شمار آوازیں اس چیز دیکھاریں شامل تھیں... یہ... یہ سب کیا ہے؟" اسپکٹر جشید پوری وقت سے چلا رہا کہ ان کا قریبی عزیز مارا گیا... روکنیں شد کیا کریں... جنہیں کریں اور جو کچھ بیکھریں کہ یہ لوگ آپ لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہداھاں پہنچا آپ ان سے جنگ کی تیاری کریں... ویسے یہ جنگ زیبا کی الگ ایسا ہوگی... جنات، شیا ٹھیں اور انہاں کی جنگ۔"

"ارجع بایپرے؟" اسپکٹر جشید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

"سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں... بلکہ نہار میں پاس آجائیں ان سے سب ساتھی ان کی طرف دوڑ پڑے... اور انہاں کے پڑھ کر ان سب کے گردائلی سے دائرہ کھینچ دیا۔"

"بس اس دائرے سے باہر کوئی نہ لٹکے۔" وہ بولے۔ "دل... لیکن انکل... دائرہ تو ہمیں نظر نہیں آ رہا۔"

"بس... ابھی میں نے انکی سے جو دائرہ ہوا میں بنایا ہے... اسے ذہن میں رکھو... اگر ہم میں سے کوئی خوف زدہ ہو کر اس دائرے سے باہر نکل گیا تو پھر وہ جنات کا شکار ہو جائے گا۔"

"اسکے بعد... ہمیں دیکھنے پڑے... یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتے ہے۔"

"بھائی پہلے تم ناول کا نام رکھ لو... ہم اس کے بعد کچھ کریں گے۔" آفتاب نے برا اسمانہ بنایا۔

عنین اس لمحے انہیں چاروں طرف جنات اور شیا ٹھیں انکرائے گے... وہ اس قدر خونا کے تھے کہ انہیں اپنے دل میں ہوسی ہونے لگے... ان کے ہاتھوں میں آگ کے تھیار تھے... گویا آگ سے بچنے ہو سچے تیر کالی اور تکواریں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے... وہ آجست آہستہ چاروں طرف سے اس دائرے کی طرف بڑھنے لگے... وہ جڑی طرح تیز رہے تھے اور چلا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی دم میں وہ سب کے سب اس سب پر ختم آور ہو گئے داصلے ہاں۔

"اپنی جگہ تھے رہنا... خوف کی وجہ سے کوئی دائرے سے بہتر نہ لٹکے... اور ہاں آیت الکری پڑھتے رہیں۔"

وہ جلدی جلدی آیت الکری پڑھنے لگے... پڑھ پڑھ کر خود پر دم کرنے لگے... بیان تک کہ جنات ان کے بالکل نزویک آگے کے اور انہیں گیرڑ بھیکھیاں دیتے لگے... ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ اس دائرے سے لکھ جائیں۔ اور ہر اسپکٹر جشید انہیں برادر ہدایات دے رہے تھے... اور خود برادر کچھ پڑھ رہے تھے... انہوں نے جنات کو بھگانے کے لیے ایک عالم دین سے

”حد ہو گی... ہے کوئی تک... آصف جھلا کر بول۔“

”یہ شاید اس بات سے چکر گئے ہیں کہ تم نے پرندے کی صورت میں ان کے ایک شیطان کو کبول لارڈ الار،“ سوریل خان نے خیال ظاہر کیا۔

”اوہاں!“

”بلکہ یہ بات بھی نہیں۔“ انہوں نے پھر سربال کی آواز سنی۔ اس شرجمہ آواز کی سخت معلوم ہو گی۔ انہوں نے اس طرف دیکھا۔ وہ ایک کافی لوگھا چٹاں پر کھڑا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انسانی کھوپڑی تھی اور سرے میں ایک تکوارہ اس تکوار سے آگ کے شعلے کل رہے تھے۔ کھوپڑی کی آنکھوں کی جگہ سے روشنی کل رہی تھی:

”آ... آ... آگ کی تکوار،“ شوکی ہکلایا۔

”یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”آپ... یہاں مسٹر سربال... پپ... پروگرام کیا ہے۔“ فاروق کی آواز گویا بھیکے مانگ رہی تھی۔

”یارا تنا بھی کیا ذرنا... تم لوگ کیا خاک مقابلہ کرو گے،“ کینپن جمید نے بھتنا کر کہا۔

”بب بڑے بھائی... آپ کی بات پسند آئی۔“ عمران کی آواز لہرائی۔

”لگ... کون سی بات... میرے منہ نہ لگنا ہاں۔“ جمید بھنا کر اس کی طرف پلٹا۔

”لو اور سو... ارے میاں جاؤ... ایک تو ان کی طرف داری کرو... اوپر سے جلی کئی سنو... خدا لگتی کہتا ہوں... اس وقت بالکل ہونق لگ

با قابو نہ تربیت میں گی اور وہ تربیت آج ان کے کام آرہی گی... اور جب شیائیں نے دیکھ لیا کہ وہ ان سب کا کچھ نہیں بگاڑ رہے تو ان کی آوازیں اور بلند ہو گئیں... گویا وہ اب خوفناک آوازیں نکال کر انہیں ڈرانا چاہتے تھے... لیکن اسکر جمید تو انہیں پہلے ہی خبردار کر چکے تھے... لہذا وہ نہ فرے... اور ان کا ذرنا ان جنات کی نکست کا سبب بن گیا... وہ خوف کے عالم میں پہنچے ہتھے چلے گئے اور پھر اچانک نظروں سے او جمل ہو گئے... اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک تیزہ سناء وہ چوک کاٹھے:

”... آواز تو سربال کی ہے۔“

”سربال؟“ کریم فریدی، عمران اور ان کے ساتھیوں کے حصے

نکا۔

”یہاں! اس سے ہمارا واسطہ پڑ چکا ہے... پر فیصل عبد القادر کو اسی نے ہمارے ملک سے انفو کیا ہے... اور ان کے ساتھ ہین کوڈ بریف کیس بھی لے اڑا تھا... یہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے... خاص طور پر ہینا ٹوم کا ماہر ہے۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”چلو اچھا ہے... لگے ہاتھوں اس سے ملاقات ہو جائے گی... لیکن لگتا ہے، ان لوگوں نے اپنا پروگرام بدلتا ہے... پہلے تو انہوں نے کہا تھا کہ ہم یہاں آزاد نہ گھوٹیں پھریں... کھائیں ہیں... کہ اب ہماری ہاتھی زندگی بیکل اگزرنے گی... لیکن اب شاید یہ جگ پر آمادہ ہو چکے ہیں اور ہمارا کامنا نکالنا چاہتے ہیں۔“ کریم فریدی گھری سوچ کے انداز میں کہتے چلے گئے۔

”میں... لیکن انکل... ہمارے پاس تو کامنا ہے ہی نہیں۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔

گیا... اس کامنہ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

”لگ... کیا ہوا؟“ کرٹل بوکھلا کر یوں لے۔

جید کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... ایسے میں فاروق کی آواز سنائی دی:

”بے چارے نے جادوئی پیس میں مزکر دیکھ لیا... بس پتھر کے ہو گئے۔“

”من نہیں تو۔“ آفتاب نے منہ کھولا۔

”کیا نہیں تو۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”انہوں نے پیچھے مزکر تو نہیں دیکھا...“ آفتاب بولتا ہے۔

”اچھا بھائی... نہیں دیکھا ہوگا... لیکن یہ ساکت کیوں ہو گئے ہیں؟“

”پوچھ کر بتاتا ہوں۔“ یہ کہ کر آفتاب جید کی طرف پڑھا... اور پھر اس کا بھی وہی حال ہوا... وہ بھی جید کی طرح ساکت ہو گیا۔

”خبردار... اس طرف کوئی نہ جائے۔“ انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑے گا انسپکٹر جمشید... تم لوگوں نے ہمارے ایک

لیڈر کو مار کر بیٹک کا آغاز کر دیا ہے... ورنہ ہم نے تو پروگرام بنایا تھا کہ تم لوگ

زندگی کے باقی دن اس وادی میں گزارو...“ سر بال کی سراسری آواز سنائی

دی... پھر اس نے کہا:

”وہ دیکھو... تمہارا ایک بیٹا ساکت ہونے چلا ہے۔“ یہ کہتے

اوے اس نے آگ کی تلوار سے محمود کی طرف اشارہ کیا، لیکن اس سے پہلے ہی

امود لوٹ لگا گیا... ساتھ ہی اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

”رہے ہو۔“

”لگ... کون... کون لگ رہا ہے ہوتی... ذرا پھر سے کہنا۔“

جید دھاڑا۔

”تم... تم سے کہا ہے میں نے... میرے کان نہیں بیجے۔“

”اُوہ عمران صاحب... یوں کہیں... آپ کے کان نہیں بیجے۔“

صدر جھلا اٹھا۔

”اچھا اچھا... یار صدر تمہیں تو پہاڑی ہے... میری زبان پھسل جاتی ہے۔“

”زبان بھی کیا... ابھی تو تم پورے کے پورے پھسلو گے۔“ جید نے گرجتی آواز میں کہا اور بے شکا شہزادی اس کی طرف جھپٹا۔

”ارے ارے... خبردار،“ کرٹل فریدی چلا ہے۔

لیکن اس وقت تک جید عمران پر حملہ کر چکا تھا... یہاں اور بات ہے کہ وہ اپنی جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا... اور عمران اس سے قدرے فاصلے پر کھڑا اڑے بڑے منہ بیٹا نظر آیا... پھر اس کی آواز لہرائی۔

”معاف کرنا بڑے بھائی... میرا ذرا نشانہ چوک گیا... ورنہ تم بالکل ٹھیک مجھ سے مل کراتے۔“

”لو اور سنو... نشانہ ان کا چوکا ہے... اور بالکل جید میاں نہیں۔“

شوکی نے جران ہو کر کہا۔

”ہاہاہا... ہو ہو ہو... بھون ناک۔“ سر بال کے منہ سے خوفناک انداز میں ٹکلا... جید اپنی جھونک میں اس چٹان کے بالکل قریب جا پہنچا تھا۔ جس پر سر بال کھڑا تھا... اس نے گھبرا کر اس کی طرف جو دیکھا تو ساکت ہو

”لیکے ہے... میں اس سے مقابلہ کروں گا۔“ اپنکر جشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

”یہ شخص پٹا ٹزم کا ماہر ہے... ہو سکتا ہو... جادو یا کامے علم وغیرہ میں بھی عہارت رکھتا ہو... لہذا آپ اس سے مجھے مقابلہ کرنے دیں... میں نے ایسے بہت سے ماہرین سے مقابلہ کیے ہیں...“ کرمل فریدی بولے۔

”آؤ... آؤ... تم سب کی صوت میں سے باقیوں کاٹھی ہے،“ سربال ہنسا۔

”آنے کی کیا ضرورت ہے،“ کرمل فریدی مسکراۓ۔

”کیا مطلب؟“ انہوں نے سربال کو چوٹکتے دیکھا۔

”میں نے کہا ہے... آئے کی کیا ضرورت ہے... میں تینیں کھڑے رہ کر مقابلہ کر سکتا ہوں۔“ کرمل فریدی مسکراۓ۔

”مجھے ڈر ہے ہو کرمل۔“

”ارے نہیں ایسے میرے نئے مجھے ساتھی ایسے موقعوں پر یوں کہا کرتے ہیں... فلاں سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔“ سو آج میں بھی ہی کہتا ہوں۔“

”شکریہا انکل،“ محمود نے شرم اکر کہا۔

”شرم تو ایسے رہے ہو... جیسے کوئی نئی نویلی دہن۔“ فاروق جل گیا۔

”تب پھر مجھے لیے شرمانا چاہیے،“ محمود اس کی طرف مڑا۔

”یعنی اس لمحے کرمل فریدی کا ایک ہاتھ حرکت میں آیا۔ ان کے

ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔“ کرمل نے کسی وقت جھک کر اٹھا لیا تھا... اور اپنے

”ہاہا... مجھے کچھ نہیں ہوا... وہ اور ہوتے ہوں گے... جو جتوں کی طرح ساکت رہ جاتے ہیں۔“

”ارے نہیں... یہ لو۔“ ایس نے پھر تلوار لہرائی... اس میں سے آگ کا ایک شعلہ نکلا اور سید حامود کی طرف آیا۔ محمود پھر لوٹ لگا گیا... اور اسی پار بھی اسستہ کچھ نہ ہوا۔

”... یہ کیا ستر سربال... آپ کے وارثو خالی جا رہے ہیں...“ ان کو پھر دنا۔“ فرزانہ ششی۔

”اے... اس لڑکے میں کوئی بات ہے... اس سے میں لہرائی چھوٹیں گے۔“

”لیکن صرف تارونخ اور جغرافیہ تھھنا... اور ایکرا امیری ہائی تھے...“ محمود جھپکا۔

”الٹ کہہ گئے... فرزانہ کو الجبرا نہیں آتا۔“ آفتاب ہندا۔

”اوہ اچھا... شکریہ...“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”ہاہا... بھون ناک۔“ سربال نے گرج دار آواز میں کہا اور آصف کی طرف تلوار کو جھکا دیا۔ اس سے پھر شعلہ نکلا... اور آصف سے جا ٹکرایا... آفتاب بڑی طرف اچھلا اور دھڑ سے پتھریلی زمین پر گرا... اس کے بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

”آصف۔“ اپنکر جشید چلاعے... مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... اب یا تو وہ بے ہوش ہو گیا تھا یا ساکت تھا۔

”یہ حضرت تو ایک ایک کر کے ہمیں بے کار کیے دے رہے ہیں...“ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیے۔“ پروفیسر داؤڈ فکر مندانہ انداز میں بولے۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں... اپنے مرتبہ کا خیال کریں۔“ صدر
غرایا۔

”مرتبہ گیا بھاؤ میں... مجھے اپنی جان پیاری ہے... میرا دماغ
خراب تھا جو اس ہم پر چلا آیا... پہلے ان کم بخت جنگلیوں نے قید میں ڈال دیا اور
اب تم بھاں مردا ذا النا چاہتے ہو... میں تو باز آیا ملک اور قوم کی ایسی خدمات
سے۔“

”خوب خوب... مشر... کیا نام ہے آپ کا۔“

”علی عمران پی بلی ایچ ڈی آکسن... اینڈ پرنس آف ڈھمپ۔“

”یہ ڈھمپ کون سی جگہ ہے۔“

” شمال مشرق میں... بلکہ دنیا کے انہٹائی شمال مشرق میں ایک وادی
ہے... پہاڑوں سے ڈھکی وادی... اس کا نام ہے... ریاست ڈھمپ۔“

”اوہو... اچھا... کمال ہے... حرمت ہے، افسوس ہے۔“ سربال
کے منہ سے لکلا۔

”یا تی باتیں کیے محسوس کر لیں آپ نے۔“ فرحت بول اٹھی۔

”افسوس اس بات پر ہے کہ میں نے آنٹک ریاست ڈھمپ نہیں
دیکھی... کمال کی بات یہ ہے کہ مشر عمران ریاست ڈھمپ سے بھاں کیے پیش
گئے، جب کہ ہم نے اس ریاست میں تو کوئی کارروائی کی ہی نہیں... اور حرمت
کی بات یہ ہے کہ اس قدر بیرون آدمی کو ایسی مہم کیے سوچ دی گی۔“

”آپ کی تیوں باتیں بالکل بجا ہیں۔“ عمران مکرا یا۔

وہ براہ سربال کی طرف بڑھ رہا تھا... بھاں تک کہ اس کے

بالکل نزویک پہنچ گیا:

ہاتھ میں اسے چھپائے ہوئے تھے... اس وقت انہوں نے وہی پتھر سربال کی
طرف اچھالا تھا... پتھر تھک کی آواز کے ساتھ سربال کی پیشانی پر لگتے ہی اسی طاقت سے اور اسی رخ سے واپس
آیا اور کرشمہ تریزی کی پیشانی پر لگا... ان کے منہ سے ایک بیج نکل گئی... ان
سب نے انہیں گرتے دیکھا... ان کی پیشانی سے خون بہر رہا تھا...
”کیسی رہی۔“ سربال کی آواز ابھری۔

”مان گیا میں تو تمہیں... میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا
ہوں۔“ عمران کی آواز وادی میں گونج گئی... سب پر اس کے جعلے نے حیرت
اور افسوس کی کیفیت طاری کر دی۔

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مشر علی عمران۔“ منور علی خان نے
اسے گھورا۔

”اب تم لوگوں کا ساتھ کیا دینا... اس طرف صرف موت ہے...
جب کہ اوہ رزمندگی کی بھاریں نظر آرہی ہیں... دیکھ نہیں رہے... مشر سربال
کے ہاتھ میں تکوار کس قدر بیج رہی ہے۔“

”ہوش میں آئیں عمران... یا آگ کی تکوار ہے۔“

”میرے لیے نہیں... میں مشر سربال کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا
ہوں... کیا خیال ہے مشر سربال۔“

”ہاں ہاں... کیوں نہیں، ہم لوگ دوستوں کے دوست ہیں...
آؤ... میری طرف...“

یہ کہتے ہوئے سربال نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے... گویا
عمران کو اپنے سینے سے لگانے چلا تھا:

”بہر حال... جہارا اعلان یہ ہے کہ ہم دوستوں کے دوست ٹیکا...
جو ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے... ہم اسے سینے سے لگاتے ہیں۔“

”یہ کہہ کر سر بال بھی دو قدم آگے بڑھا... جو نبی عمر ان اس کے
نزویک آیا، اس نے اسے دونوں ہاتھوں کے گردلے لیا... اب وہ اس کی
گرفت میں تھا... عمر ان کو اپنادم گھٹتا محسوس ہوا:

”یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں سر بال صاحب؟“ وہ گھبرائی ہوئی
آواز میں بولا۔

”آپ کی محبت اور دوستی کا اندازہ کر رہا ہوں کہ کس قدر گہری
ہے۔“

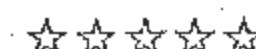
”مم... مم... سپ۔“ عمر ان کے مت سے پھنسی پھنسی آواز تکلی۔

”ہاں! اب بتاؤ... سر عمران... تم دوستی کے لیے آگے آئے تھے
جس پر حملہ کرنے۔“

”حملہ کرنے۔“
”ای لیے میں نے کہا تھا... حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے... لو
اب جاؤ اپنے ساتھی کے پاس۔“

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اچھال دیا... وہ ہواں
اڑتا ہوا کرشم فریدی کے اوپر گرا... اور ساکت ہو گیا... ایسے میں سر بال کے
منہ سے انکلا:

”باہاہا... ہو ہو ہو... بھون ناک۔“



خوفناک چنگ

”یہ... یہ بھون ناک کیا بلا ہے سر بال۔“ شوکی نے ذرے
ذرے انداز میں پوچھا۔

”یہ میرا تکمیل کلام ہے... تم اس کی فکر کرو... اپنی فکر کرو... موت
تم سب کے سر دل پر آکھڑی ہوئی ہے۔“

انہوں نے جلدی سے اپنے سر دل کے اوپر دیکھا... پھر فاروق

خس کر بولا:

”کیوں مذاق کرتے ہیں... ہمارے سر دل پر توہادل ہیں۔“
ایسے میں انہوں نے سن کرتی آواز سنی... وہ فوراً سمجھ گئے
یہ منور علی خان کے آنکھوں کی آواز تھی... انہوں نے موقع پا کر اسے گھما نا
شروع کر دیا تھا اور اب آنکھوں کا سر اس سر بال کی طرف بڑھ رہا تھا... انہوں
نے منور علی خان کی طرف دیکھا... وہ واقعی آنکھوں گھمار ہے تھے
”یہ کیا ہے؟“ سر بال کے لمحے میں حیرت تھی۔

”آپ کا کہنا ہے کہ موت ہمارے سر دل پر آکھڑی ہوئی... جب کہ

ہم کہتے ہیں... موت آپ کے سر پر آکھڑی ہوئی ہے۔“

اس سب سمجھی اور دیکھا... پھر زور سے بڑھا:

ابھری۔

”کیا ہوا... سانپ کیوں سو گئے گیا؟“

”اوہ! یہ... یہ کچھ بھی نہیں... میں ان چیزوں کے بغیر بھی تم سب پر بھاری ہوں۔“

”آخر ایسا کتنا وزن ہے تمہارا۔“ اخلاق نے مارے حیرت کے کہا۔

ان حالات میں بھی وہ مسکراتے بغیر شرہ کے... اگرچہ ان کے کئی ساتھی بے کار ہو چکے تھے... ایسے میں انہوں نے کیپٹن حمید کی آواز سنی:

”یہ... یہ کیا... میں... میں حرکت کر سکتا ہوں... اف ماںک! میں توبہ سا پھر کا ہو گیا تھا۔“

”اور میں بھی اب اپنے آپ میں آگیا ہوں۔“ آفتاب کی آواز گونجی۔

”گویا پہلے تم آپ سے باہر ہو گئے تھے۔“ فاروق ہنسا۔

”وہ اور معنوں میں کہا جاتا ہے۔“ آفتاب نے اسے گھورا۔

”بلیں شروع ہو گئے... نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔“ اسپکٹر کامران ہر زمانے پر اس اساعت پر یاد کر رہا۔

”یہاں دونوں ہی چیزیں تھیں ہیں۔“

”مجھے کوئی پرداختیں... میں بغیر کسی جادوی علم کے بھی تم سب کو تنگی کا نتائج... بلکہ نہیں... موت کا نتائج نچا سکتا ہوں۔“

”مم... موت... کا نتائج۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں ہاں... کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ محمود جل

”میرا مذاق الاڑا رہے ہو، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی آنکھا ٹھک کر کے اس کے سر پر لگا... اور واپس گردش کرتا ہوا بالکل اسی انداز میں منور علی خان کے سر پر لگا، ان کے منہ سے ایک ول دوز چیخ نکل گئی... اور وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے گرتے نظر آئے:

”خبردار... اسے کوئی چیز بھینک کرنے ماری جائے... اس سے مقابلہ ہاتھوں سے کرنا ہو گا۔“ اسپکٹر جمشید نے فوراً اعلان کیا۔ پھر انہیں خیال آیا تو ساتھ ہی بولے:

”ہر شخص آیت الکری، سورۃ المؤمنین کی ابتدائی کی آیات اور آخری قسم سورتوں کی سلسلہ تلاوت کرتا رہے۔“

ان آیات کے ساتھ ہی ان سب نے تلاوت شروع کر دی:

”اور اس کے چاروں طرف ہو جاؤ۔“ اسپکٹر جمشید نے ایک اور حکم دیا۔

وہ تلاوت کرتے ہوئے اس کے چاروں طرف ہونے کے لیے حرکت میں آگئے۔

”پچھے بھی کرو... آج تمہارے تمام...“ سربال کہتے کہتے رکھ کیا۔

”کیونکہ اس کی نظر میں اس وقت تکوار اور کھوپڑی پر پڑی تھی... تکوار کے شعلے بچھے تھے... اور اب وہ ایک عام تکوار تھی... یعنی اب اس میں سے آگ نہیں تکل رہی تھی... دوسری طرف کھوپڑی جو پہلے زندہ نظر آئی تھی... جس کی آنکھیں روشن تھیں... اب وہ بالکل مردہ چیز بن کر رہی تھی... اس نے دونوں چیزوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا... ایسے میں اسپکٹر جمشید کی آواز

”اب کیا کروں گا کہہ کر... تم نے کہہ تو دیا ہے۔“ تواریخ بولا۔

”میرے ہاتھ میں اب بھی تکوار موجود ہے... اگر چہ اپنے یہ جادوئی نہیں... لیکن میں تکوار کا دھنی ہوں... وہ تکوار چلاوں گا کہ تم یاد ہی رکھو گے۔“ سر بال پہنچا۔

”یاد کیسے رکھیں گے... جب بقول تمہارے ہم سب موت کا ناج
ناج چکے ہوں گے۔“

”چھوڑو یا رہ... ناج نہ جانے آنکھیں بیڑھا۔“ آصف نے ہاتھ
لگائی۔

”یہ ضرب الشل یہاں کہاں سے ٹکپ پڑی۔“ شوکی کی آواز لہرائی۔

”انہیں کسی سے اجازت تو یعنی پرستی نہیں۔“ فرحت بھی۔

”کرنل صاحب کی آواز سنائی نہیں دی... شاید ان کی پیشانی پر
چوٹ زیادہ گھری آئی تھی۔“ پروفیسر داؤڈ نے فکر منداشتہ انداز میں کہا۔

ان سب نے پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا... وہ
سماں پڑے نظر آئے... البتہ باقی لوگ اٹھ چکے تھے... عمران البتہ سرگھٹوں
میں دیے بیٹھا تھا... ایسے میں انہوں نے سر بال کو ایک لمبی چھلانگ لگاتے
دیکھا... وہ بلا کی رفتار سے تکوار چلا رہا تھا... اس کی چھلانگ اسپکٹر کامران مرزا
کے پاس آ کر گھٹم ہوئی۔ وہ دھم کر کے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا، ساتھ ہی تکوار
ان کے سر پر ماری۔ وہ اگر پہلے ہی ہوشیار نہ ہوتے تو تکوار ان کی گردن اڑا چکی
تھی۔

”اب ہم پتھر سے کام لے سکتے ہیں نا انکل۔“ مکھن نے جلدی سے

لپوچھا۔

”نئے معلوم نہیں... پہلے کوئی چھوٹی سی کٹکر اس پر پھینک کر دیکھو...
کیونکہ وزنی چیز کے پہنچ کرنے کا تعنت خاود سے نہیں... سماں سے
ہے... اسی سکے کر دیکھی خاص شرم کی لہریں موجود ہیں... جزو زندگی چیز کو داپس اسی
رہتا اور طاقت سے اچھاتی ہیں۔“ اسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحيم۔“ اخلاق نے کہا اور ایک کٹکر اٹھا کر اس پر
دیکھنا دارا۔ کٹکر غوراً داپس آیا اور اس کی پیشانی پر لگا۔ اس کے مذہبی
نکل گئی... تاہم کٹکر چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ گرانہیں... پیشانی پر چھوٹا سا رخم
البته نظر آرہا تھا۔

”میں... یہ حرب کا رکن نہیں۔“ اسپکٹر جمشید نے کہا۔
ادھر وہ تاپڑ توڑ انداز میں اسپکٹر کامران مرزا پر تکوار کے دار کر
رہا تھا... اور وہ جھکائی پر جھکائی دے کر اس کے وار خالی دے رہے تھے... ان
سب کی نظر میں ان پر جنم گئیں...

اچانک سر بال مذہب کے بل گرا... تکوار اور کھوپڑی اس کے
ہاتھوں سے نکل کر دور جا گئیں...

”واہ مسٹر عمران... بہت خوب۔“ اسپکٹر کامران مرزا نے اس کی
تعريف کی۔

”عم... میں... نے... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔“

”اس کی ناگوں میں ناگ ن تو اڑائی ہے نا۔“ وہ فتنے۔

”وہ... عم... ہپ... اب میں کیا بتاؤں... بس اڑگئی ہو گی...“
اس نے بوکھلا کر کہا... اور وہ بہت شے لگے... ادھر اسپکٹر کامران مرزا سر بال کی

رنگت اڑتی نظر آئی... یوں لگا مجھے اس کے ہوش اڑ گئے ہوں:

”یہ... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔“

”واپس چلے جائیں اور ماسٹر سے کہیں... ان لوگوں کے مقابلے میں جاؤ دیں چلے گا... ہاں پینا ٹزم سے کام لیا جا سکتا ہے... وہ بھی ان سب پر نہیں چلے گا... لہذا ذرود ما کو میری مدد کے لیے بھج دیں۔“

”اوہ ہاں... سمجھ گیا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ہن گائب ہو گیا:

”دیکھا اللہ کے کلام کی طاقت... لوگ چھاڑ پھوک کرنے والوں کے چکر کا شے ہیں اور وہ ان سے رُتیں بخورتے ہیں... حالانکہ اللہ کے کلام میں سب سے زیادہ طاقت ہے۔“

اب میدان میں پھر سربال تھا... وہ اسکرچ جمیڈ کے ساتھ ڈٹا ضرور کھڑا تھا... ان کے ہاتھ میں اب اس کی تکوار تھی... انہوں نے تکوار کا ایک دار اس کے سر پر کیا۔ وہ بالا کی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ ان کا دار خالی گیا۔ اس سے انہوں نے جان لیا کہ مقابلہ آسان نہیں ہے... تکوار اگر چاہے ان کے ہاتھ میں ہے... لیکن اس کی پھرتی بھی کوئی کم نہیں تھی... انہوں نے ایک بار پھر بچا تھا دار کیا۔ وہ اسے بھی بچا گیا...

کچھ سوچ کر انہوں نے اپنا رخ تبدیل کیا... اور اس کے کندھے پر دار کیا... اس بار اسے دائیں طرف ہٹتا پڑا... اور پھر اس کے دش سے ایک دل دوز بچ ٹکل گئی... دائیں طرف بہتے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس طرف کریل فریدی پڑے ہیں... وہ ہوش میں آپکے تھے... اور اس لڑائی کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے... انہیں جو موقع ملا... انہوں نے دونوں دبر

طرف متوجہ ہوئے... وہ اس پر بھکے تا کہ اس کی گردن پکڑ لیں... اور یہی ان کی غلطی تھی... وہ اچانک اچھا لقا... اس کا جسم ان کے جسم سے گلرا یا اور وہ گویا ہوا میں اڑتے ہوئے دور جا گئے۔ انہوں نے دیکھا... سربال اب اپنے پیروں پر کھڑا دنوں ہاتھ جھاڑ رہا تھا... یہ دیکھتے ہی اسکرچ جمیڈ نے اس کی تکوار اٹھا لی۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ سربال کا لہجہ سرد تھا۔

”لیکن کس سے... اس کی وضاحت بھی تو کریں نا۔“

”ہاہاہا... ہو ہو ہو... شوشاشوشو۔“ انہوں نے ایک بھی آواز سنی۔ آواز کی طرف دیکھا تو وہاں ایک جن سا کھڑا نظر آیا۔ اس کے سر پر ایک سینک تھا۔ اور پیشانی پر ایک بالکل آنکھ تھی، اس کا حلیہ اس قدر خوفناک تھا کہ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے:

”مگر انہیں مشر سربال... ماسٹر نے آپ کی مدد کے لیے مجھے بھج دیا ہے۔“

”شکر یہ مشر ہامان۔“

”ہامان۔“ ان میں سے کسی کے منہ سے نکلا۔

”ہامان... یہ نام تو تاریخی اعتبار سے سنا ہوا گتا ہے... ازے ہاں یاد آیا... یہ شاید فرعون کا کوئی وزیر تھا۔“

”ہو گا... اس وقت تم مجھ سے بات کرو... میں تمہیں چیلکیوں میں مسلنے کے لیے آیا ہوں... لو اب اپنے منتزاً مالو۔“

”تمادت شروع۔“ اسکرچ جمیڈ نے فوراً کہا۔

انہوں نے تمادت شروع کر دی... اچانک ہی اس جن کی

”کیا یہ ختم ہو گیا۔“ خان رحمان بولے۔

اسپکٹر جمیں نے اس کی بخش چیک کی... بخش چل رہی تھی... اس کی

”ابھی زندہ ہے... گلار بانا پڑے گا۔“

”بپھر جمیں... یہ کام بھی کرنی لو... تاکہ اس کی طرف سے کوئی

نظرہ نہ رہ جائے۔“

انہوں نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں تھام لی اور گے

باؤڈا لئے... یہاں تک کہ سرپال کی آنکھیں باہر کو ابیں آئیں... اس کا جسم

کھڑکا اور ساکت ہو گیا... اس پر بھی انہوں نے اسے شچھوڑا... جب پوری

کرح اطمینان ہو گیا، تب اس سے الگ ہوئے:

”ایک سے تو نجات ملی۔“

”اب دوسرے کا انتظار ہے۔“ خان رحمان بولے۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا... کوئی نظر نہ آیا:

”کوئی آتا نظر نہیں آ رہا... کیا شیطانوں نے چپ سادھی۔“

ہاتھ لگائی۔

”ڈر گئے بے چارے۔“ محمود نے بلند آواز میں کہا۔

”اب کیوں نہیں آتے ہمارے مقابلے پر۔“ شوکی بولا۔

”وہ نہیں آئیں گے... نہیں ان کے مرکز تک جانا پڑے گا... اور

ستہ اس وادی سے لکلے گا... بلکہ شاید وہ ان پہاڑوں کے دوسری طرف

بہری گات سے اس کا کرپڑے ہے مارے... وہ اچھل کر منہ کے مل گرا۔ کرٹل ریڈی نے اسے موڑ دیا متناسب نہ کھلا... ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے داری۔ اس نے کئی پالٹیاں کھا کیں اور پھر اٹھ کھڑا ہوا... اس وقت انہوں نے ہمان لیا کہ اس میں غصب کی طاقت تھی۔ اس قدر چوتھ کھا کر بھی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تکرار ہاتھا... اس کی سکراہیتہ انساب کے دل بالائے دے رہی تھی۔

اچانک اس کی آنکھوں میں کوئی چیز گزی:

”بائی خر گیا...“ اس سے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں تھام

لیں۔

”بی... بیکم مل کیا کیا اخلاق۔“ پر دیسپردا و مارے چھڑتے کے

لئے۔

”بی... دو بیس پچھوٹیں... جہاز کے باور پر جی خانے سے بھی ہوئی

مرچھیں لے کر ایک پڑیا میں رکھ لی گئیں... میں نے سوچا... اس وقت کیوں تھے

ان مرچھوں کو آزمایا جائے۔“ اس نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ مارا۔“ اسپکٹر جمیں خوشی سے چلائے... اور پھر اس کے سر پر

ایک ٹھوکر رسید کی... وہ اوندھے منہ گرا... بھی ہوئی مرچھوں کی وجہ سے وہ

آنکھیں کھلنے کے تالیم نہیں تھے... اب اسپکٹر کا مرزا مرتضیٰ بھی آگے بڑھے،

اب تو دونوں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ ہر بار اس کی چیخیں بلند ہوتی چلی

گئیں... پھر ان چیخوں کی بلندی نیچے آنے لگی... گویا اب اس سے چیخا بھی

نہیں چاہ رہا تھا... یہاں تک کہ اس کی آواز ہاٹکل بند ہو گئی... وہ اس وقت تک

اسے ٹھوکریں مارتے رہے جب تک کہ اس کے جسم میں حرکت ہوتی رہی۔ آخر

وہ رک گئے۔

”ہوں! ضرور ایسا ہی ہے۔“

وہ پوری وادی کا چھپے چھپے خورے دیکھنے لگے... اچانک انہیں

”تم لوگوں کے پاس وہ کون سا عمل ہے... جس سے سرپال کی تکوار بچنے کی تھی اور کھوپڑی کی روشنی غائب ہو گئی تھی۔“

”وہ اللہ کا کلام ہے... کاش تم لوگوں نے اسے اللہ کا کلام مانا

ہوتا۔“
”کیا تم قرآن کی بات کر رہے ہو؟“

”ہاں اقرآن کی۔“

”اس طرح تو ہمارے پاس بھی تو دیت ہے... زیور ہے، انہیں

ہے۔“

”قرآن کے بعد تمام آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔“

”تو کیا وہ اللہ کا کلام نہیں رہیں ہے۔“

”اپنے وقتوں میں وہ اللہ کا کلام تھیں... اب بھی ہیں... لیکن قرآن کے ہوتے ہوئے اب ان کے احکامات پر عمل نہیں کیا جائے گا... اور یہ بات بھی ہے کہ اب وہ کتابیں اصل حالت میں نہیں رہ گئیں۔ ان میں بہت روبدل کر دیا گیا ہے... بھب کہ قرآن کریم میں ایک حرف کی بھی تجدیلی کوئی ثابت نہیں کر سکتا... حرف تو رہا ایک طرف... ایک شو شے کی بھی کمی بیشی نہیں دکھا سکتا... پھر قرآن کے حافظ پوری دنیا میں موجود ہیں... چھوٹے چھوٹے بچے قرآن کے حافظ ہیں... لیکن آپ اپنی کتابوں کا ایک بھی حافظ نہیں دکھا سکتے... کیا یہ قرآن کی حقانیت کا ثبوت نہیں... بس ہم آپ کے جادو کے توڑ کے لیے قرآن کی آیات ہی پڑھتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعلیم دی ہے...“

”ہوں... تم لوگ یہ تجھنا کہ ہمارے پاس تمہارے مقابلوں کے

بیوں لگا جیسے وادی میں نازلہ آگیا ہو... چاروں طرف نیفاک آوازیں آئے لگیں... وادی ہتھی محسوس ہوئی...“

”یا اللہ رحم ایسے کیا ہو رہا ہے؟“

”شیطان اپنے فیض کا اظہار کر رہے ہیں۔“ پروفیسر بولے۔

”تو سامنے آ کر کیوں نہیں کرتے انکل۔“ محمود نے منہ بیٹایا۔

”پوچھ کر بتاؤں گا۔“

”پوچھ کر بھی تو تجھی بتائیں گے جب وہ سامنے آئیں گے۔“ فاروق مکرایا۔

”دھست تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر کہا۔

”کیوں نہ ہم سکرین والے ہاں میں چلیں... سکرین کو آن کریں... اس کے ذریعے ہم ان بے بات تو کرہی سکتے ہیں۔“ اسپکٹر جمشید نے مشورہ دیا۔

”یہ صحیک رہے گا۔“

اور پھر وہ اس ہاں میں چلے آئے۔ سکرین آن کی گئی... اسپکٹر جمشید نے پکا کر کہا۔

”کیا آپ لوگ سن رہے ہیں... ہم یہاں موجود ہیں اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہاں اس رہے ہیں۔“ ایک عجیب و غریب چلکھاڑتی ہوئی سی آواز آئی۔

”آپ لوگوں کو سانپ کیوں سوگھے گیا... ابھی تو آپ کے صرف وہ ساختی مارے گے ہیں۔“

”اس وادی میں گھومو بھر د... درختوں کے پتے اور پھول وغیرہ کھا کر پیٹ بھر د... کہیں پانی مل جائے تو پی لو... اور اس طرح جب تک جی سکتے ہو جی لو... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... ہم تک پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہو تو کرو... آسکتے ہو تو آ جاؤ... کوئی پرواہ نہیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی... اور سکرین پر تباہ شدہ وادی نظر آنے لگی... انہوں نے سکرین کو آف کر دیا اور پھر وادی میں آگئے... اپ انہیں اس سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا... کرف فریدی کی پیشانی پر پیش بامدھی گئی تھی... اور بھی جو ساتھی رخی ہوئے تھے... ان کی مردم پتی کر دی گئی تھی۔

تمن دن تک وہ مسلسل راستہ تلاش کرتے رہے... پھر انہوں نے کھن کی جیرت میں ڈوبی آواز سنی:

”آف میرے مالک امیں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔“

☆☆☆☆☆

لیے بس ایک سر بال ہی تھا... ایسی بات نہیں... ہمارے پاس سر بال چیزے کی لوگ موجود ہیں، لیکن ہم کوں تم سے لڑیں... تم ہمارے لیے اب کوئی خطرہ نہیں رہے...“

”اگر ہم خطرہ نہیں ہیں تو پھر سر بال کو کیوں بھیجا۔“

”وہ خود تم سے دو دو با قمل کرنے کے لیے بے جیں تھا...“

”چلیے پھر اس نے تو جھن جھن حاصل کر لیا... اب آپ کیا کہتے ہیں۔“

”کچھ نہیں... تم وادی میں سرکراتے رہو... کچھ نہیں اوگا... تم ہم تک نہیں پہنچ سکو گے... یوں تم لوگوں کو ختم کرنا ہمارے پاس میں ہاتھ کا کھیل ہے، اس کی مثال یوں ہے... دیکھو... سکرین پر بالکل ایسی ہی ایک وادی دکھائی جا رہی ہے... اس وادی کی جانبی کامنٹر اپنی آنکھوں سے دیکھو۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی بالکل انہی جیسی وادی نظر آنے لگی:

”ہے نا بالکل ایسی ہی وادی۔“

”ہاں ایسی ہی وادی ہے۔“

”اب دیکھو... ہم اس وادی کو کیسے جاتا کرتے ہیں۔“

ان الفاظ کے صرف چند سیکنڈ بعد اس وادی میں کوئی بھم غماچیز گری... ایک ہوناک دھماکا ہوا اور انہوں نے وادی میں ہر طرف چاہی ہی چاہی دیکھی:

”تم لوگوں نے دیکھا... تو ہمارے لیے وادی کو ایسی چاہی سے دور چار کرنا کیا مشکل ہے۔“

”ہاں... صحیح ہے... ہم نے مان لایا یہ بات... اب تم لوگ کہتے ہو،“

”مثور علی خان... تمہارا آنکڑا اس کی گھرائی کو چھوکتا ہے...“
پلٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا۔

”میرے خیال میں گھرائی زیادہ ہے۔“

”ہم میں کوئی ایک لٹک کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ مزید کتنی گھرائی ہے... اور ہم چھلانگ لگاتے ہیں یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے... میں لٹک کر دیکھ لیتا ہوں۔“

انہوں نے آنکھہ بیچے لٹکانا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کے خری سر اڑا گیا:

”نہیں جھپٹ... آنکڑہ نیچے نہیں الگ سکا۔“

”قاروئ ق تم آگلے تک جا کر دیکھو۔“

”میں... میں... میں۔“ وہ کانپ گیا۔

"اے اتم...، انہوں نے آنکھیں زکالیں۔

فاروق اس کام کے لیے تیار ہو گیا... منور علی خان نے رسی کا
خان کے پیچے دیا دیا... اسے ٹھیک کر دیکھ بھی لیا۔ اختیاطاری کو
تپ فاروق سے کہا:

قاروہ اب تم اس سے لٹک کر نجی گا سفر کر سکتے ہو۔“

"ری کافر" اس نے سوالہ انداز میں لکھا۔

ماں! رہی کا سفر۔

”کاف اس میں شک نہیں۔ بلکہ تم سمجھ کا سفر شروع کر دو۔“ من، علی

15

دوسرا وادی

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے... انہوں دڑاڑ میں کھڑا تھا... اب تو یہ اس کی طرف دوڑ پڑے: "اللہ کا شکر ہے... تم نے کچھ دیکھا تو... اب کیا دیکھا ہے..."

”دھت تیرے کی... اس میں جہت کی کیا بات ہے؟“

کیا بے کیا واقعیت

۱۰۷

اب تو انہوں نے جلدی جلدی لیٹ لیٹ کر دیکھا... اس میں
شک نہیں کہ واڈی بالکل ایسی ہی تھی... اور اس میں ایک بہت بڑی عمارت بھی
نظر آ رہی تھی... لیکن اس واڈی میں اترنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں
تھا... کیونکہ وہ بہت گپرائی میں تھی:

مکھوراں

”ہرگز نہیں جشید... میں تو تبرہ کر رہا ہوں۔“

”میرے خیال میں تم اتر سکتے ہیں۔“ ایسے میں کرش فریدی بولے۔
وہ چوک کران کی طرف دیکھنے لگے... سب کی آنکھوں میں

سوال تھا:

”پھاڑ قدرے سیدھا ضرور ہے... ڈھلوان بہت کم ہے... لیکن
اس میں جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں... ان جھاڑیوں کی مضبوطی دیکھنا ہوگی... کیا یہ
منہ میں جانا تھا... لیکن وہ آنکھے کی رسی کو چھوڑ چکا تھا... اس کے ساتھی وہ
سمجھ گئے ہوں گے کہ فاروق کہیں اترنے میں کامیاب ہو گیا... اب تو وہ رسی
بغیر آئیں گے... اور بھی ہوا... وہ سب رسی کے ذریعے یقینے اترنے
گئے... سب سے آخری میں منور علی خان آئے... آنکھے کا لوہے والا
کاٹ لیا گیا... کیونکہ پانی ماندہ رسی اب وہ نہیں کھینچ سکتے تھے۔“

”ترکیب نہایت معقول ہے، لہذا پہلے جھاڑیوں کی مضبوطی کو خوب
آزمایا جائے۔“ عمران نے فوراً کہا:

انہوں نے خوب زور لگا کر جھاڑیوں کو دیکھا... وہ اپنی جگہ
سے ملی تک نہیں... وزن کے اعتبار سے ان سب میں سب سے زیادہ منور علی
خان تھے... پہلے انہوں نے یقینے اترنے کی... ان کے ساتھ خان رحمان تیار ہو
گئے۔ آخر انہوں نے جھاڑیوں کے ذریعے اپنا سفر یقینے کی طرف شروع کیا۔
”اب ہمیں انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔“ دو دو کرتے یقینے
اٹرے چلے جاتے ہیں۔ ”انپکڑ کامران مرزا بولے۔

”لمحیک ہے۔“

”جب پھر بچہ پارٹی پہلے اترے... تم ان کے پیچے ہوں گے...“

اور فاروق یقینے اترتا چلا گیا... اسے اپنے ہاتھوں چھلتے ہوں
رہے تھے، لیکن وہ اترتا رہا... بیہاں تک کہ اس کے ہاتھوں نے آنکھے کی رسی
لیا... اور ساتھی اس کے پاؤں بھی کسی سطح کو چھونے لگے... اسے خوشی
احساس ہوا... اس نے آنکھہ چھوڑ دیا... اب اس نے اس چیز کی طرف
دو سیکھا... وہ ایک پھاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا اور وہ دادی جسے دیکھ کر انہوں نے
اٹرنے کا پروگرام بنایا تھا... اس پھاڑ کے دامن میں تھی... گویا بھی انہیں
کو بھی عبور کرنا تھا... لیکن پھاڑ ڈھلوان نہیں تھا... اور اس پر اترنا سوتھے
منہ میں جانا تھا... لیکن وہ آنکھے کی رسی کو چھوڑ چکا تھا... اس کے ساتھی وہ
سمجھ گئے ہوں گے کہ فاروق کہیں اٹرنے میں کامیاب ہو گیا... اب تو وہ رسی
بغیر آئیں گے... اور بھی ہوا... وہ سب رسی کے ذریعے یقینے اترنے
گئے... سب سے آخری میں منور علی خان آئے... آنکھے کا لوہے والا
کاٹ لیا گیا... کیونکہ پانی ماندہ رسی اب وہ نہیں کھینچ سکتے تھے۔

”اُف مالک... پی تو دھی ہوا... آمان سے گرا سمجھوں میں الٹا۔“

آفتاب نے پھاڑ اور اس کے یقینے دادی کا جائزہ لیتے ہی کہا۔

”بیہاں محاورہ یوں ہو گا... دڑاڑ سے گرا پھاڑ پر اتر۔“

”لیکن ہم بیہاں محاورے ایجاد کرنے نہیں آئے... پروجے
عبد القادر کو چھڑانے آئے ہیں اور اپنی پن کو ڈفائل واپس حاصل کرنے کے
آئے ہیں اور شیطانوں کے اس نیٹ ورک کو تار تار کرنے آئے ہیں۔“

”آئے تو ہیں... لیکن یقینے اترنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا... اب
تو ہمارے پاس رسی بھی نہیں رہی۔“ خان رحمان بولے۔

”خان رحمان... کیا تم مایوس ہو گئے۔“ انپکڑ جشید نے انہیں

اس طرح یہ درمیان میں رہیں گے... اور ذریں گے نہیں۔" اسپکٹر جمیل نے
جلدی جلدی کہا۔

اس طرح وہ اترنے چلے گئے... آخر سب لوگ پہاڑ کے
دامن میں اتر گئے... اب انہوں نے اس وادی کو صاف طور پر دیکھا... اس
کے ایک طرف بہت طویل عمارت تھی اور وہ وقت تھا شام کا... سورج مغرب
میں جھک چکا تھا اور وادی میں اندر ہمراہونے لگا تھا... انہیں وہاں کوئی ذی روح
نظر نہ آیا:

"جیت ہے... کیا یہاں کوئی نہیں ہے... یا عمران لوگوں کو
ہمارے وادی میں اترنے کے لئے پہنچنے ہو سکا۔" خان رحمان بڑا
گایا۔

"عجیب سالگرد ہاہے۔"
اچانک ان کے اوپر کوئی چیز گزی... وہ بڑی طرح بوکھلا اٹھے۔
وہ ہزار ہاپنڈے تھے... نہ جانے کس طرف سے اُکرانہوں نے اچانک ان پر
حملہ کیا تھا... عجیب بات یہ تھی کہ انہوں نے ان پرندوں کی پھر پھر اہم بھی
نہیں کی تھی... وہ ہزاروں تھے... اور ان کی چوچیں بہت لمبی تھیں... وہ ان پر
اپنی چوچیوں سے حملہ کر رہے تھے... یہ حملہ انہیں بوکھلا دینے کے لیے کافی تھا۔
انہوں نے ہاتھوں اور پیروں سے ان کا مقابلہ شروع کر دیا... انہیں اس قدر
تیزی سے ہاتھ چلانے پڑ رہے تھے کہ کیا کبھی چلانے ہوں گے۔ اچانک اسپکٹر
جمیل کے منہ سے نکلا:

"یہ پرندے اصلی نہیں، نقلی ہیں۔"
"کیا!!! وہ چلا اٹھے۔"

"اصلی ہیں یا نقلی... لوتا رہے ہیں تا اور جواب میں ہمیں بھی لڑا
پڑے گا۔" خان رحمان پاکارے۔

"میرا مطلب ہے... ان کی بائگ ڈور عمارت میں بیٹھے کسی ساتھ
دان کے ہاتھ میں ہے۔"

"ٹھیک ہے... ہم دیکھتے ہیں... آدم عمران۔" کریم فریدی بولے
اور پرندوں کے زندگی سے نکلتے ہوئے عمارت کی طرف دوڑ پڑے... بے شمار
پرندے ان کے ساتھ ساتھ اڑتے رہے اور حملہ آور ہوتے رہے۔ انہیں چوچیں
مارتے رہے۔

ادھر باقی لوگوں کی جگہ ان پرندوں سے شروع ہو گئی... وہ
انہیں پکڑ پکڑ کر زمین پر چڑھ رہے تھے... جو نبی کی کوئی پختگی... وہ کلوے کلوے ہو
چاتا... ادھر پرندے انہیں ٹھوٹگیں مار رہے تھے... پرندوں کی تعداد اس قدر تھی
کہ وہ سورج رہے تھے... ان سب پرندوں کو ٹھیک ٹھیک ختم کرتے ہوئے ہم خود نہ
ختم ہو جائیں... اس قسم کی جگہ ان کی زندگی میں پہلی جگہ تھی... وہ دعا کر
رہے تھے کہ کریم فریدی اور عمران اس جگہ تک بخیج جائیں... جہاں سے ان
پرندوں کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔

کریم فریدی اور عمران بالا کی رفتار سے اڑتے جا رہے تھے...
پرندوں کی ٹھوٹگوں سے ان کے جسم جگہ جگہ سے ہو چکے تھے... لیکن آخر
کاروں عمارت کے دروازے تک بخیج گئے... دروازہ ششی کا تھا... اور بند تھا...
دوںوں نے خود کو پوری قوت سے دروازے سے گمراہ دیا... شیشہ شیشے سے مس نہ
ہوا... وہ پیچھے ہٹئے اور پھر ششی سے گمراہے... لیکن اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے...
ایسے ملی عمران نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں کہا:

”چپ... پھر۔“

اور پھر وہ واہ میدان کی طرف دوڑ پڑا... پرندے بدستور اس پر جملہ کر رہے تھے... آخر وہ ایک چھوٹے سے پھر کے نزدیک بیٹھ گیا... اس نے پھر اٹھایا اور کریں فریدی کی طرف اچھال دیا... ساتھ ہی خود بھی ان کی طرف دوڑ پڑا۔

کل نے پھر دلاج لیا اور پوری قوت سے شیشے پر دے مارا۔ ایک زبردست چھٹا کا ہوا۔ ساتھ ہی انہوں نے امیر کی طرف چھلانگ لگادی... اب انہوں نے دیکھا... پرندے عمارت کے باہر ہی رک گئے تھے۔ انہوں نے قدر سے سکون کا سائنس لیا... اب ان کے سامنے ایک راستہ تھا... پھر راستہ... وہ اس پر دوڑتے چلے گئے... یہاں تک کہ ایک کرے کے سامنے بیٹھ گئے... اندر پھر کے قریب لوگ مختلف مشینوں پر بیٹھتے تھے... ان کے سامنے سکرینیں گئی تھیں... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاذ... دروازہ کھولتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے... ساتھ ہی ان پر فارنگ کی گئی... وہ اوٹ لگا گئے... گولیوں سے خود کو بچاتے ہوئے انہوں نے سکرینوں کا جائزہ لیا۔ ایک سکرین پر انہیں وہ پرندے اڑتے نظر آئے اور ان کے ساتھیوں پر ٹھونکیں مارتے نظر آئے... اب ان کی کوشش اس سکرین والی مشین تک پہنچنے کی تھی... اور وہ پھر کے پیچے ان پر مسلسل فارنگ کر رہے تھے... دراصل وہ بے ٹکر بیٹھ رہے... ان کا خیال رہا ہوا کہ یہ لوگ شیشے کا دروازہ نہیں تو نہیں گے... لیکن وہ اس میں کامیاب ہو گے... اور جب تک یہ لوگ پوزیشن سنجا لاتے... وہ اندرا آپکے تھے... اب اس وقت بھی وہ بالکل بے ترتیب انداز میں فارنگ کر رہے تھے... آخر کریں ان میں سے ایک سے گمراگئے، انہوں نے اسے دنوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور

دوسری پر دے مارا... ایسا ہی حمراں کر گزرا... بس پھر کیا تھا... ان کی فارنگ یک لخت بند ہو گئی اور وہ پرندوں والی سکرین پر جا پہنچی... انہیں اور تو کچھ نہ سوچھا... جن بیٹھوں کے ساتھ لائٹ جل رعنی تھی... ان سب کو آف کر دیا... انہوں نے سکرین سے پرندوں کو غائب ہوتے دیکھا:

”اللہ کا شکر ہے۔“ دنوں کے منہ سے لکھا۔

اب انہوں نے وہاں موجود چھا افراد کے پیشوال اپنے قبیلے میں کر لیے اور ان پھرے پر فارنگ کر دی... انہیں زندہ چھوڑنا خطرناک تھا... وہ اس کشرونی روم کے ذریعے نہ جانے اور کیا کیا بلا ان کے مقابلے میں لا سکتے تھے۔

اب وہ باہر کی طرف بھاگے... ان کے جسموں سے جگہ جگہ سے خون بہر رہا تھا... اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچو تو ان کی حالت دیکھ کر لرزائی... ہر طرف زخم ہی زخم تھے... اور ان سے خون ہی خون رس رہا تھا... پھر ایسا بیتہ غائب ہو چکے تھے... جو مارے گئے تھے... ان کے گھوٹے بکھرے پڑتے تھے:

”اللہ کا شکر ہے... آپ پرندوں کی یلغار روکنے میں کامیاب رہے۔“ اسکلر جسید سکرائے۔

”لیکن ذرا دیر ہے... ہر طرف زخم ہی زخم نظر آرہے ہیں۔“

”یہ بھی بہت ہے... جان تو نجیگی... کچھ دیر اور پرندوں کا انعام نہ ہوتا تو ہم میں سے شاید کوئی نہ پہنچتا۔“

”کوئی بات نہیں... اب کون سانچ جاؤ گے۔“

یہ خوفناک آواز وادی میں گونج گئی... انہوں نے چوک کر

”م... موت کا گولا۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”کیوں... نکل گئی جان یہ سن کر۔“

”نہیں... جان نہیں نکلی... میں تو یہ کہنے لگا تھا... یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“

”دھت تیرے کی۔“ اس کے مترے نکلا۔

”ماں ہائیں... محمود یہ تم بولے۔“ آصف نے نہ لے جھٹ کے کھا۔

”نہ نہیں تو... قسم لے لو۔“ محمود ہفڑا یا۔
”لا دود۔“

”کیا دوں۔“

”قسم اور کیا۔“

”حد ہو گئی... تو بہے ہے تم سے... ان حالات میں بھی ادھر ادھر کی ہاٹک رہے ہیں۔“

”لو دیکھو... بے وقوف۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی گولا اس کے ہاتھ کے گرد گردش کرنے لگا... پھر اس نے کہا:

”میں یہاں کھڑے کھڑے چھے چاہوں... اس گولے کا نشانہ بنا سکتا ہوں۔“

”نہ نہیں... جانے دو بھائی... کیوں مذاق کرتے ہو۔“ شوکی گھبرا کیا۔

”لوپھر... پہلے قسم ہی جاؤ۔“

آواز کی سست میں دیکھا... ان کے سامنے ایک بہت لمبا ٹوٹا جن قسم کا آدمی کھڑا تھا... اس کے ہاتھوں میں ہتھیار بھی عجیب و غریب تھے... انہوں نے ایسے ہتھیار زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے... ایک زخم سے ایک لوہے کا گولا لٹک رہا تھا... اس پر چاروں طرف تو کیس امجدی ہوئی تھیں... دوسرا ہاتھ میں ایک پاک پھٹا... نہ جانے کس چیز کا... اس کے اندر سے آگ کا ایک شعلہ پار پار لٹک رہا تھا اور نھا میں منتشر ہو رہا تھا:

”آپ... آپ کی تعریف۔“ فاروق نے ذریعے ذریعے انہاں میں کہا۔

”تم میں کیا رکھا ہے... تم میرا کام دیکھو... لیکن افسوس۔“

”اب یہ افسوس کہاں سے ٹک پڑا؟“ آفتاب نے منہ بٹایا۔

”افسوس! تم لوگ میرے کام کی تعریف کرنے کے لیے زندہ نکلنے رہو گے۔“

”چلیجے! کوئی اور تعریف کر دے گا۔“

”ہاں کیوں نہیں... بہاں موجود میرے ساتھی ضرور تعریف کر لیں گے۔“

”وہ کہاں ہیں۔“

”اپنے اپنے مقام پر...“

”ایک ہی وقت میں ہمارے مقابلے پر کیوں نہیں آ جاتے۔“ شوکی نے جل کر کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں... میں اکیلام سب کے لیے کافی ہوں... تم

نے منور علی خان کا آنکھا دیکھا ہے... میرا موت کا گولا نہیں دیکھا۔“

ان الفاظ کے ساتھی گولا شوکی کی طرف تیر کی طرح آیا...
اس ہاتھ کے ساتھ بندھی ہوئی زنجیر لمبی ہوتی چلی گئی... شوکی نے مارے خوف
کے لوث لگادی... اور گولے کی سیدھے ایک طرف ہونے میں کامیاب ہو
گیا۔ گولہ آگے کلکل گیا... اور پھر واپس اس کی طرف جاتا نظر آیا:

”یہ کیا مشر... یہ گولا تو ہمارے بھائی شوکی کا کچھ بھی نہیں بجاڑ سکا۔“

”مم... مجھے... اس پر حیرت ہے۔“ وہ واقعی مارے حیرت کے
بولے۔

”خیراب ایسی بھی کیا حیرت... جانتے دیں حیرت ویرت کو... بلکہ
کچھ حیرت بجا کر رکھ لیں... پھر کسی موقعے پر کام آئے گی۔“
”کیا چیز...“ پرد فیسر دادنے بے خیالی کے عالم میں کہا۔
”جی... حیرت۔“

”اوہ ہاں واقعی... حیرت تو ہے ہی بجا کر کئے کی چیز۔“ انہوں نے
فوراً کہا... باقی لوگ مسکرا دیے۔

عین اس لمحے گولا محمود کی طرف آیا۔ محمود پہلے ہی تیار تھا... گولا
اس کے پاس سے گزر گیا... اور واپس بھی چلا گیا:

”یہ موت کا گولا تو کسی کی بھی موت کا سبب نہیں بن رہا مشر...
ویسے آپ اپنا نام بتا دیں... اس طرح مشکل پیش آرہی ہے۔“

”میرا نام... ڈاکٹر سائب ہے... یہ میرا کوڈ نام ہے... اصلی نام
جان کر کیا کرو گے... بس تم مجھے ڈاکٹر سائب کہہ سکتے ہو...“

”کہیں آپ ڈاکٹر وائٹ تو نہیں ہیں۔“ عمران نے طنزیہ لمحے میں
کہا... ڈاکٹر سائب نے چونکہ کراس کی طرف دیکھا... پھر اس نے کہا:

”ڈاکٹر سائب...“ اس کے لمحے میں بختی تھی۔

”تیر... ڈاکٹر سائب ایسا آپ کا گولا تو بالکل فضول ثابت ہو رہا
ہے۔“

”ابھی میں نے اسے سمجھی گی سے نہیں پھینکا،“ اس نے بھنا کہا۔

”تب پھر ذرا اسے سمجھی گی سے پھینکیں۔“ آصف چکا۔

”اور یہ دوسرا پاپ نما تھیار... یہ کیا بلا ہے، اسے کیوں استعمال
نہیں کیا ابھی تک آپ نے۔“

”اس کی باری بھی آئے گی... پہلے گولا... یہ لو سنجالو...“ اس نے
کہا اور اچھا نک گولا اچھا دیا... اس مرتبہ نشانہ خان رحمان تھے... اور واقعی
گولا بہت مہارت سے پھینکا گیا تھا... خان رحمان بہت مشکل سے بچے... تاہم
انہوں نے بچنے کے ساتھی اس زنجیر پر ہاتھ ڈال دیا... اب زنجیر کا درمیانی
حصہ ان کے ہاتھ میں تھا... گولا زمین پر کچھ دور پڑا تھا... جب کہ دوسرا اسرا
ڈاکٹر سائب کے ہاتھ میں تھا... جب اس نے دیکھا کہ خان رحمان نے زنجیر کو
پکڑ لیا ہے تو اس نے اسے زور دار انداز میں جھکتا مارا... خان رحمان پہلے ہی¹
تیار تھے... انہوں نے فوراً زنجیر چھوڑ دی... نتیجہ یہ کہ گولا تیر کی طرح ڈاکٹر
سائب کی طرف گیا اور اس کے سر پر لگا... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... لیکن
یہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ ڈاکٹر سائب اب بھی اپنے پیروں پر کھڑا تھا...
اور گولا اس کے سر پر لگا خبر در تھا... لیکن اس کے سر پر کوئی زخم نہیں آیا تھا:

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... میرے جسم پر حفاظتی ہے موجود
ہے۔“

”تب پھر آپ کے منہ سے چیخ کس خوشی میں نکل گئی۔“ فرزانہ نے

”انگارے چھاتی ہے میری جوتی۔“ کیپٹن حمید چھلا اٹھا۔
”شہنشاہ... یہ کام کرنے کے لیے فرزانہ کی جوتی کافی ہے... وہ
دیکھیں زنجیر پکڑنے کے لیے ہمارے بڑے بھائی آگے بڑھ رہے ہیں... اسے
کہتے ہیں جرأت۔“ فاروق ہنسا۔

”کہتے ہوں گے... ہمیں کیا۔“ عمران نے حمید کا ساتھ دیا۔
”خودار محمود... کیا کرنے جا رہے ہو۔“ اسپکٹر جمیڈ نے پکار کر
کہا۔

محمود پر تو چھے خود فراموشی کا عالم طوری تھا... اسی نے اسپکٹر
جمیڈ کی وارنگ بھی نہ سنی... اور زنجیر کے عین درمیان میں پکٹھ گیا... اس وقت
باقی لوگوں نے دیکھا... اس کے ہاتھ میں اپنا چاقو تھا... اس کا ہاتھ اٹھا اور چاقو
کی دھار زنجیر پر لگی... کرمل فریدی پہلے ہی بھاشپ پھکے تھے... کہ وہ کیا
کرنے لگا ہے... لہذا عین اس لمحے جب چاقو کی دھار نے زنجیر کو کاٹا...
ہمتوں میں زور لگانا بند کر دیا... اور ڈاکٹر سائٹ اسی طرح تھا کھڑا تھا... نتیجہ
یہ کہ وہ دھڑام سے پشت کے مل گرا اور ادھر زنجیر درمیان سے کٹ گئی... اب
اس کا سرا کرمل فریدی کے ہاتھ میں تھا... انہوں نے آؤ دیکھانہ تاؤ... اسے
گھماتے ہوئے ڈاکٹر سائٹ کے سر پر جا پہنچے... اور گولا اس کے سر پر دے
لارا...“

ساتھ ہی ڈاکٹر سائٹ کا تھوڑہ بلنڈ ہوا... کرمل فریدی بھول
گئے تھے... تھوڑی دیر پہلے سائٹ بتا چکا تھا کہ گولا اس پر کوئی اثر نہیں کرے
گے... انہوں نے جھلا کر زنجیر کو ایک جھکڑا دیا اور اس کو چھوڑ دیا... گولا لٹکتا ہوا
بیدھا شکشے کی عمارت کی طرف گیا اور اس کی ایک دیوار سے مگر اگیا...“

ٹھریہ انداز میں کہا۔

”گولے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر... کیونکہ ایسا پہلی بار ہوا ہے۔“
اس نے کہا۔ یہ سن کر خان رحمان کے چہرے پر چمک بڑھ گی:
”بہت خوب خان رحمان۔“ کرمل فریدی ایک کی تعریف کیے بغیر نہ
روکے۔

”میری طرف سے بھی۔“ عمران شرم اکر ہوا۔

”آپ کی طرف سے کیا...“

”وہ... ایک عدد بہت خوب۔“ اس نے جلدی سے کہا۔
”او اور سنو!“ کیپٹن حمید بھٹا اٹھا۔

ایسے میں گولا ایک بار پھر آیا... اس بار کرمل فریدی نے ایک
اوپری چھلا گئی اور گولے کو فضا میں پکڑ لیا۔ ساتھ ہی زمین پر آرہے... ان
کے ساتھیوں کے منہ سے نئے ساختہ لکھا:

”بہت خوب!“

اب دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی... ڈاکٹر سائٹ انہیں
اپنی طرف کھٹک رہا تھا جب کہ کرمل فریدی اپنی طرف... دونوں کے پاؤں اپنی
جگہ پر جمع رہے... ندوہ اسے اپنی طرف کھٹک لے کے... نہ ڈاکٹر سائٹ اس کو شش
میں کوئی کامیابی حاصل کر سکا۔

”یہ مقابلہ تو براہ رچھوتا نظر آتا ہے۔“ فاروق نے منہ بنا یا۔

”تو تم زنجیر پکڑ لو!“ کیپٹن حمید نے تلملا کر کہا۔

”بڑے بھائی... یہ آپ انگارے کس خوشی میں چبار ہے ہیں۔“

آفتاب مسکرا یا۔

ایک ہولناک دھماکا ہوا اور شیشے کی عمارت میں چھٹا کوں پر چھٹا ہونے لگے... یوں لگتا تھا جیسے گولے نے جگہ جگہ عمارت میں بجایی مچا دی گئی:
”لو مسٹر وائٹ... مم... میرا مطلب ہے... مسٹر سائٹ... آپ کا ہیڈ کوارٹر تو گیا۔“

”یہ ہیڈ کوارٹر نہیں... اس کا ایک چھوتا سا کنٹرول روم ہے... یہ تو پورا ایریا... اس قسم کی عمارت سے بھرا پڑا ہے... یہاں خود مجھ سے بھی ایک سے ایک بڑا ماہر موجود ہے... ابھی تم نے دیکھا کیا ہے... تمہاری تو دراصل موت تھیں یہاں کھینچ لائی ہے... ہم نے یہی سوچا تھا۔“ یہاں تک کہ کر ڈاکٹر سائٹ خاموش ہو گیا۔

”یہی سوچا تھا... کیا سوچا تھا۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ تم لوگوں کو نہیں لا کر مارا جائے...“

”ارے باپ رے... پہلے کیوں نہ بتایا۔“ اشفاق گھبرا گیا۔

”کیوں... اگر یہ پہلے بتا دیتے تو؟“

”تو ہم ادھرنہ آتے... اور کیا۔“ اشفاق نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی... اسے کہتے ہیں بزدلی۔“ آمف جھلا اٹھا۔

”نہیں تو... ہماری طرف تو اسے حکمت عملی کہتے ہیں۔“ عمران ہنسا۔

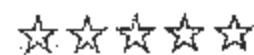
”آپ تو بس چپ ہی رہیں...“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”اچھی بات ہے... اب میں نہیں... بولوں گا۔“

عین اس لمجھ شیشے کی نوئی عمارت میں ایک سایہ سا ابھرا... وہ بہت بلند تھا... اس قدر بلند کہ اس کا اوپر والا سر انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا:

”ارے! یہ... یہ کیا... یہ تو وہی ہے۔“ مارے خوف کے کئی

آوازیں ابھری:



ھڑا کا

”یہ وہ نہیں... اس جیسا ہے... اسے تو میں نے جلا دیا تھا اور اب اس کی باری ہے... میں دائرہ سمجھ رہا ہوں... اس دائرے کے اندر اندر رہیں اور بالکل نہ ڈریں... چاہے یہ کچھ بھی کرے... چاہے ہمیں کتنے ہی خوفناک مناظر دیکھنے کو ملیں۔“

اور پھر انپکٹر جمیش نے ان سب کے گرد ایک دائرہ بالکل سے کھینچ دیا۔ خود بھی اس دائرے کے اندر رہے... اور کھینچ کی بناء شدہ عمارت میں اب اس جیسے کئی اور کھڑے نظر آ رہے تھے... ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے سائب پ نظر آئے... وہ بار بار اپنی زبانی میں باہر نکال رہے تھے۔ ان جگات سے سانپوں کو دیکھنے سے پیدا رکھا تھا... گویا وہ ان سے کوڑوں کا کام بھی لینا چاہتے تھے... انہوں نے دیکھا... وہ پورے گیارہ جنq تھے۔ اب وہ سب ان کی طرف بڑھے... اس وقت تک انہیں اس دائرے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

انہوں نے مدرسے ہولناک آوازیں شروع کیں... ان آوازوں نے خوف کا ایک عالم طاری کر دیا... ان میں سے کئی کا جی چاہا... دائرے سے باہر نکل چاہیں اور بھاگ کھڑے ہوں... لیکن ساتھ ہی انپکٹر

جمشید کی ہدایت یاد آ جاتی اور وہ دیں کے دیں رہ جاتے... پھر وہ تمام ان کے نزدیک آ گئے... نزدیک آ کر وہ زور سے اچھلے... گویا انہیں دائرہ نظر آ گیا تھا... اب وہ اور زیادہ اور دھم مچانے لگے... دائرے کے گرد تاپنے اور اچھلنے کو دنے لگے... اور انپکٹر جمیش مسلسل پڑھ رہے تھے... قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ تلاوت آواز سے کر رہے تھے... پھر جوں جوں ان کی آواز تیز ہوتی گئی... جگات کا شور شرا با کم ہوتا چلا گیا... ان کے قدم پتھنے پڑے گئے... بہاں تک کہ وہ یک دم غائب ہو گئے...

”چلو چھٹی ہوئی... اللہ نے ان سے طجات عطا فرمائی۔“ انپکٹر جمیش نے خوش ہو کر کہا۔

”کوئی بات... ہماری طرف سے ایک اور ماہر بھیجا جا رہا ہے۔“ آواز ابھری۔

جلد ہی ایک اور غیر معمولی قد کا بہت زیادہ ذیل ڈول والا آدمی آتا نظر آیا۔ وہ سرے سے بالکل گنجائی تھا۔ اور اس کی کھوپڑی پر پینٹ کیا گیا تھا۔ پینٹ پر کوئی تصویر بنا کی گئی تھی... اس کے نزدیک آئے پر انہوں نے دیکھا... وہ تصویر حركت کرتی تھی... باتیں کرتی تھی... اور وہ شخص اس کی باتوں کا جواب دیتا تھا:

”یہ... یہ کیا ہے بھی...“ مارے جیرت کے ان میں سے کئی آوازیں ابھریں۔

”اب ہمیں ان صاحب سے مقابلہ کرنا ہو گا... پتا نہیں یہ مقابلے کب ختم ہوں گے۔“

”کیوں بھائی صاحب... آپ کا اسم شریف کیا ہے۔“ اشFAQ نے

ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا۔
”مڑا کا۔“

”شکل صورت تو سر بال جیسی لگتی ہے۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
”ہاں! میں اس کا بڑا بھائی ہوں... مجھے تم سے اس کی موت کا انتقام
بھی لینا ہے اور اپنے ہیڈ کو اڑکو بچانے کے لیے بھی تمہیں ختم کرنا ہے۔“
”گویا چماری وجہ سے تم اپنے ہیڈ کو اڑکو خطرے میں محسوس کر رہے
ہو۔“

”ایسی بات نہیں... ہیڈ کو اڑکہاری بھٹک سے دور ہے... لیکن اب
جب کہ تم یہاں آگئے ہو تو تمہارا انتظام تو کرنا ہو گا۔“
”ٹھیک ہے، پہلے آپ ہمارا انتظام کر لیں مشرکیا نام بتایا آپ نے
اپنا... پڑا کا۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔
”مڑا کا۔“ اس نے بڑا سامنہ بتایا۔

”آپ اکیلے ہیں اور تم بہت سارے... کیا آپ ہم سب کا مقابلہ
کر سکیں گے۔“ آصف نے پوچھا۔

”تم اتنے ہی اور ہو، تب بھی میرے لیے مقابلہ کرنا مشکل نہیں...“
”آخری بھی کیا بات ہے آپ میں۔“

”میرا جسم بہت لگک دار ہے... تم اسے روڑ کا سمجھو لو... اب رزو پر
تم کے پرساؤ تو اسے کیا تقصیان پہنچے گا بھلا۔“ وہ ہنسا۔
”روڑ کو تیز دھار چیز سے کاٹا تو جاسکتا ہے۔“ محمود نے اپنے چاقو کے
پارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں! کاٹا جاسکتا ہے... لیکن اس کے لیے تمہیں میرے نزدیک
بڑے انداز میں پوچھا۔“

آن پڑے گا... اور میرے نزدیک آنے کا مطلب ہے... موت۔“

”وہ کیوں... کیا آپ کے بدن میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔“

”کرنٹ تو عام چیز ہے... میرے جسم سے لمبی گزر رہی ہیں، ان
لہوں کی وجہ سے میں تم لوگوں کے ہر جملے سے محفوظ رہوں گا... البته تم میرے
تاریخ تو حملوں کی زد میں ہو گے۔“

”ارے باپ رے... یہ... نیتا الصافی ہے۔“ شوکی چلا اٹھا۔

”بالکل ٹھیک۔“ خان رحمان نے اس کی تائید کی۔

”نیتا الصافی... وہ کیسے، تم اتنے بہت سے ہو... کیا نیتا الصافی
نہیں۔“ اس نے بڑا سامنہ بتایا۔

”اس نیتا الصافی کو الصاف سے اس طرح بدلا جاسکتا ہے کہ تم اپنی
لہریں ختم کر دو... ہم میں سے ایک تم سے مقابلہ کر لے گا... اس طرح تو کوئی نا
الصافی نہیں ہو گی۔“

”نہیں... میں لمبیں ختم نہیں کروں گا... تم لوگوں کو مجھ سے اسی
حالت میں مقابلہ کرنا ہو گا۔ آجاؤ،“ اس نے ہش کر کہا۔

”اچھی بات ہے... آپ بھی پھر ہمیں نہیں جانتے... ہم نے آپ
سے بھی زیادہ لڑاکوں کو خلکست دی ہے۔“

”دوسٹو! مجھے تو پھر اجازت دو،“ ایسے میں عمران کی آوازا بھری۔

”اجازت کیسی۔“

”ہاں! آپ کے لیے ہیلی کا پتھر تیار ہی تو کھڑا ہے نا... بس اس میں
پیٹھیں گے اور یہ جاؤ گا۔“

”ہم اس رہی کو لاکا ہوا چھوڑ آئے ہیں... میں اس رہی کے ذریعے

اوپر واوی میں چلا جاؤں گا... اور وہاں سے واپس اس جنگل میں۔“

”بھول رہے ہو دوست... اس واوی میں ہم جنگل سے خود نہیں آئے تھے... وہ لہروں کا کنوں ہمیں اٹھا کر لا یا تھا... اب نہ جانے وہ جنگل کہاں ہے... اور وہ واوی کہاں... اور ہم کہاں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا کہاں کہاں لگا رکھی ہے... مژہ عراں اگر جانا چاہتے ہیں تو انہیں جانے دیں۔“ خان رحمان بھٹاکر بولے۔

”ہاں اور کیا... آڑ صدر پیارے چلیں... یہاں کیا رکھا ہے۔“ عمران نے منہ بٹایا۔

”آپ... آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا عمران صاحب۔“

”نہیں... ان سب کا جل گیا ہے... پھر اسے ٹکرانے چلے ہیں...“ وہ بولا اور جانے کے لیے مڑ گیا... ساتھ ہی اس نے کہا:

”صدر! تم آرپے ہو۔“

”نہیں! میں ان لوگوں کا ساتھ دوں گا۔“

”اپنے ملک پہنچ کر تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔“ عمران نے گویا اسے دھمکی دی۔

”کوئی پرواہیں...“

”اچھی بات ہے۔“ یہ کہ کہ عمران لگا جانے... لیکن اسی وقت مڑا کا کی آواز گونئی گئی:

”اب پر ممکن نہیں...“

”اب یہ ممکن نہیں... کیا ممکن نہیں۔“ عمران اس کی طرف مڑا۔

”نہیں جاسکتے... بیکل مرنا ہو گا... اس لگتی رسی کو جلا دیا گیا ہے... وہ دیکھو... وہ جل رہی ہے۔“

”کیا!!!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر انہوں نے اس طرف دیکھا جہاں لگی ہوئی رسی چھوڑ آئے تھے... انہوں نے دیکھا، اس کے نچلے سرے کو آگ لگی تھی... اور وہ جلتی جا رہی تھی... دھواں دیتا ہوا مدھم سا شعلہ اوپر رہی اوپر ہو رہا تھا:

”حد ہو گئی یعنی کہ... کیسے لوگ ہیں... کم بخنوں نے سارے را...“ مند کر دیے...“ عمران نے بڑی بیوڑی جیوں کے انداز میں کہا۔

”ہاں تو کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے گا... ظاہر ہے... جس کی موت پہلے آئی ہے... وہی آئے گا۔“ مڑا کا چکا۔ انہوں نے ایک دسرے کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں... کیوں بھی... کون جانتا ہے مقابلے پر۔

”میں کروں گا اس سے مقابلہ۔“ منور علی خان بولے۔

”نہیں منور علی خان آپ نہیں۔“ اسپکٹر جمیش نے کہا۔

”جس بھر میں جاتا ہوں...“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”یہ بھی مُحکم نہیں۔“ اسپکٹر کامران مرزان نے منہ بٹایا۔

”ٹھیک ہے... آپ چلے جائیں۔“ اسپکٹر جمیش مکارے۔

”اور میں کیوں نہ چلا جاؤں۔“ کرٹل قرییدی بولے۔

”آپ... ہاں آپ جاسکتے ہیں۔“

اب انہوں نے عمران کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہا ہو:

”آپ کچھ نہیں بولے عمران صاحب۔“ صدر جھلا اٹھا۔

”یار نگھے بہادری دکھانے کا اتنا شوق نہیں۔“

”حد ہو گی... جناب ایہاں معاملہ بہادری و کھانے کا نہیں... اپنا ملک پچانے کا ہے۔“

”تو ماشاء اللہ ایہاں ایک سے بڑھ کر ایک ماحر موجود ہیں... میں بے چارہ کس لگتی میں ہوں... آپ بسم اللہ کریں۔“ وہ مسکرا یا۔

”ٹھیک ہے... میں چلا۔“ یہ کہہ کر کریل آگے بڑھے... اس وقت شوکی کی آواز ابھری:

”میرے خیال میں فیصلہ درست نہیں کایا۔“
”کیا مطلب؟“ کبھی آوازیں ابھریں۔

”تینوں انکل ہماری فوج کے اہم ترین لڑاکے ہیں... سب سے پہلے ان کا جانا درست نہیں... ہم میں سے کسی کو جانا چاہیے۔“

”شوکی کی بات میں بہت دزن ہے۔“ فرزانہ نے فوراً تائید کی۔
”کتنا؟“ پروفیسر بول پڑے۔

”اتنا کہ اس کی بات غور کرنے کے قابل ہے۔“
”تب پھر کون جائے گا مقابلے کے لیے۔“

”میں۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔
”نہیں... میں جاؤں گی۔“ فرحت نے آگے بڑھ کر کہا۔

”کسی نہ کسی کو تو آنا ہوگا... بلکہ باری باری سب کو آنا ہوگا... کیونکہ تم لوگوں کی موت آچکی ہے۔“

”یہ آپ کو کیسے پتا چل گیا... موت کا تو صرف اللہ تعالیٰ کو پتا ہے۔“
”ہاہاہا۔“ اس نے تہقہد لگایا۔

”کیوں... کیا ہوا... کیا آپ خدا کو نہیں مانتے؟“

”یہ سب انسانوں کی فرض کی ہوئی یا نہیں ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... اس کائنات کا کوئی خالق نہیں... یہ خود بخود بن گئی۔“ پروفیسر داؤڈ نے بحثا کر کہا۔

”ہاں اور کیا... یہ حادثاتی طور پر بنی ہے۔“

”یہ چاند اور سورج کے مقرر اوقات... کیا یہ سب بھی حادثاتی طور پر ہیں۔“

”ہاں اور کیا؟“

”اب آپ سے کون مغزمارے۔“ پروفیسر داؤڈ نے منہ بنایا۔

”تو پھر مقابلہ کریں... اگر آپ لوگوں نے مجھے نکست دی تو اس پر بات کر بیجھے گا۔“

”ٹھیک ہے... کیا خیال ہے بھی... میں فیصلہ کر دوں... تم میں سے کون جائے گا۔“ انپکٹر جمشید مسکرا گئے۔

”ٹھیک ہے انکل۔“ کبھی آوازیں ابھریں۔

”اچھا تو فرزانہ جائے گی۔“

”اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں... آپ کو فیصلے کا اختیار دے چکے ہیں۔“
فرحت نے منہ بنایا۔

”میرے خیال میں یہ تو کسی طرح بھی معاہب نہیں۔“ کریل فریدی کی آواز سنائی دی۔

”کیا آپ کا اشارہ فرزانہ کو بھیجنے کی طرف ہے۔“ خان رحمان نے پوچھا۔

”ہاں اپنے ہم میں سے ہی کسی کو جانا چاہیے۔“

”اس میں حکمت یہ ہے کہ ہماری فوج کے حصے نہیں اکھریں گے، اگر ہم میں سے کوئی ایک چلا گیا اور کھا گیا مسٹر ٹراکا سے شکست تو اس کا اثر اچھا نہیں ہو گا... لہذا یہی تھیک ہے...“ اسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”اچھا خیر۔“ کرفل فریدی کندھے اچکا کر رہا گئے۔

”چلو فرزانہ... شاہاں۔“ پروفیسر داؤن نے کہا۔

”یا اللہ مدود۔“ فرزانہ نے کہا اور آگے بڑھی۔

”یہ بات مجھے بھی پسند نہیں آئی... ایک چھوٹی سی بیجی سے مقابلہ کرتے مجھے شرم آئے گی۔“

”لیکن کیا کیا جائے... ہماری طرف کا فیصلہ بھی ہے...“

”خیر مجھے کیا... یہ تو میری چکلی کی مار ہے۔“ ٹراکا نے من بنایا۔

”ایسی چکلی کی ماریں یہاں اور بھی ہیں، وہ بھی باری باری آئیں گی۔“

”آخر کیوں؟“ ٹراکا نے بلند آواز میں کہا۔

”آخر کیوں... کیا مطلب... یہ آخر کیوں آپ کہاں سے لے آئے۔“ اسپکٹر کامران مرزا نے جیران ہو کر کہا۔

”آخر کیوں... آپ لوگ اپنی جانیں دینے پر تسلی ہیں...“

”تمہلی بات... اپنے دین کے لیے... دوسری بات، اپنی قوم کے لیے اور تیسری بات اپنے دلن کے لیے۔ یہ تینوں باتیں معنوی نہیں۔“

”تمہاری مرضی... ورنہ ہم لوگ یہاں تمہیں باعزت مقام دے سکتے ہیں۔“

”اوہ پروفیسر عبد القادر؟“

”وہ بیکلیں رہیں گے۔“

”آپ انہیں رہا کر دیں... وہ ہمارے ملک پلے جائیں... پن کوڑ والا یونیف کسی بھی واپس کر دیں... اس کے بعد ہم یہاں رہ لیں گے۔“

”یہ تو خیر نہیں ہو سکتا۔“

”تب پھر ہم تم لوگوں سے لڑیں گے۔“

”کیا فائدہ ہو گا... سب کے سب مارے جاؤ گے۔“

”کوئی بات نہیں... حرثے وقت ہمیں یہ افسوس تو نہیں ہو گا کہ ہم اپنے دین اور دلن کے لیے کوشش کیے بغیر مر رہے ہیں... بلکہ ہم یہ اطمینان لے کر مریں گے کہ اپنے دین اور دلن کے لیے کوشش کرتے ہوئے جانیں دے رہے ہیں۔“

”تمہاری مرضی... آڈاے چھوٹی... میں تمہیں اڑا کر رکھوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ آگے کر دیے اور لگان سے فرزانہ کو اشارہ کرنے۔

”فرزانہ سنبھل کر۔“ اسپکٹر جمیں کے منہ سے نکلا۔

”میں ایک بار پھر احتجاج کرتا ہوں۔“ فرزانہ کو داپن، بالیں... ہم میں سے کوئی چلا جاتا ہے۔“ کرفل بے چین ہو کر بوٹے۔

”میں بھی بھی کہتا ہوں۔“ بھلی بار عمران پر یہاں نظر آیا۔

”اللہ ما لک ہے... آپ جو فیصلہ ہو چکا، ہو چکا۔“

فرزانہ بے خوفی کے عالم میں ٹراکا کی طرف بڑھ رہی تھی... باقی ساتھی بے چینی کے عالم میں بار بار پہلو بدال رہے تھے... مٹھیاں کس رہے تھے... بھی کے چھروں پر بے قراری تھی...

ادھرمزا کا فرزانہ پر جھپٹنے کے لیے لڑاکے مرغ کی طرح جھکا۔
وہ بہت قدر آور تھا... فرزانہ اگر اس کے ہاتھ لگ جاتی تو اس صورت میں اس کا
بچا بس ناممکن ہی تھا...۔

اب سب کی نظریں دونوں پر جمی تھیں... وہ پلکیں جھپکنا بھول
گئے تھے۔ مرا کا کوئی چال چلنے کے موڑ میں نہیں تھا... اسے اس کی ضرورت ہی
حسوس نہیں ہو رہی تھی... وہ جانتا تھا... یہ سمجھی سی بچی آخر اس کا بیگاڑ کیا لے گی۔
ایسے میں اس نے کہا:

”بے فکر ہو کر مجھ پر وار کرو... میں تم پر وار نہیں کروں گا۔“
”کیا واقعی؟“ ”فرزانہ مسکراتی۔“

”ہاں بالکل۔“ وہ پہنچا۔

”گویا آپ مجھے کھلی چھٹی دے رہے ہیں۔“

”ہاں! تم خوب وار کرو... جب تم وار کر کے تھک جاؤ گی... تب
میں تمہیں ایک ہاتھ رسید کروں گا... اور بس وہ ایک وار ہی تمہاری موت کا سبب
ہو گا... اس لیے میں چاہتا ہوں تم خوب دل کھول کر اپنی کوشش کروں... دراصل
تمہارے بڑوں نے تمہیں بچج کر تم پر ظلم کیا ہے۔“

”میں ایسا خیال نہیں کرتی... وہ مجھ پر بہت زیادہ مہربان ہیں۔“
فرزانہ مسکراتی۔

اب وہ قدرے بے فکری کے عالم میں اس کی طرف بڑھ رہی
تھی... پہلے والا خطرہ تو فی الحال رہا نہیں تھا۔ اس لڑائی نے تو اب نئی صورت
اختیار کر لی تھی... وہ آزاد نہ وار کر سکتی تھی۔

آخر وہ اس کے نزدیک بچنچ گئی اور یوں:

”میں پہلے ایک آزمائشی مکار ناچا ہتی ہوں... تاکہ انداز ہو جائے
میں کہاں کھڑی ہوں... یا میں کتنے پانی میں ہوں...“

”ضرور... کیوں نہیں، میں کہ چکا ہوں... میں وار نہیں کروں گا۔“
وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ پھر پوری قوت سے نشانہ لے
کر اچھلی، اس کا سر مذاکا کی ناک کی نوک پر زبردست طریقے سے لگا۔ مذاکا کے
منہ سے ایک بھیاںک چیخ نکل گئی۔ وہ لا کھڑا گیا۔ تاہم گرانہیں، اس نے دونوں
ہاتھ اپنے ناک پر رکھ لیا۔ اس کے منہ سے مارے تکلیف کے نکلا۔
”آف! آف۔“

اب جو اس نے ہاتھ ناک پر سے ہٹائے۔ تو ناک سے خون نکلا
نظر آیا۔ ہاتھوں پر خون لگا دیکھ کر اس کا چہرہ تن گیا۔

”مم! میرا فیصلہ غلط تھا۔ مم، میں دو بد و مقابلہ کروں گا۔ تم پر وار بھی
کروں گا۔ تمہارا اوار وکوں گا بھی۔“
یہ کہ کر اس نے آنکھیں کھول ڈالیں اور پھر چونک اٹھا۔ فرزانہ
اس کے سامنے نہیں تھی۔

”یا ایسا یا لڑکی کہاں چلی گئی۔“

”میں یہ ہوں! مسٹر مذاکا آپ کے پیچھے۔“

وہ تیزی سے گھوما، لیکن فرزانہ اب بھی اسے نظر نہ آئی۔

”یہ کیا! تم تو اس طرف بھی نہیں ہو۔“

”میں نے کہا تا، میں آپ کے پیچھے ہوں مسٹر مذاکا۔“ فرزانہ نے
ہٹ کر کہا۔

وہ ایک بار پھر گھوما۔ فرزانہ بھی ساتھ ہی گھومی اور وہ پھر اس

ہے۔ ابھی دو دو ہاتھ نہیں کیے۔ ذرا سوچو، ہماری تو ایک پوری فوج آپ سے لٹنے کے لیے تیاری کھڑی ہے۔“

”اب مجھے بھی اپنی فوج کو آواز دینا ہوگی۔ ذرا صل ہمارا خیال تھا، تم سب کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ششی کی عمارت کی طرف مدد کر کے کہا۔

”آپ سن رہے ہیں، اب آپ ہاتھ لوگوں کو بھی بچج دیں۔“

”لیکن مزہ اسی میں تھا، ایک کا مقابلہ ایک کے ساتھ۔ ہم چاہتے تھے، پہلے فرزانہ اور آپ کا مقابلہ نتیجہ خیر ہافت ہو جائے۔“

”جس طرح آپ لوگ ایک طرف کھڑے ہیں... میرے ساتھی بھی ایک طرف کھڑے ہو کر مقابلہ و پیچیں گے... ٹکڑہ کریں۔“

”ٹھیک ہے! آئے دیں پھر۔“

اور پھر ششی کی ٹوٹی پھوٹی عمارت میں سے نکل کر پندرہ کے قریب ہے لیے چوڑے افراد وہاں آ کھڑے ہوئے... ان کے ہاتھوں میں مشکلہ نہ کھیارتھے... بس پستول کی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں تھا...“

”اب مقابلہ برابر کا ہے۔“ مذاکہ ہنسا۔

”لیکن ایک وقت میں ایک ایک کا مقابلہ ہوگا۔“ اسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”بالکل ٹھیک! اور پھر مذہد م ساتھی بھینے کی بھی آزادی ہوگی... مطلب یہ کہاگر مسٹر مذاکہ اس لوکی کو شکست دے دیتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کے آئندہ ساتھی سے بھی مسٹر مذاکہ ہوئیں گے... جی نہیں... ہم اپنے ساتھی تبدیل کرتے رہیں گے۔“

کے پیچے گھی، وہ پھر گھوما، فرزانہ بھی گھومی، اب وہ ٹھہر اپنے تھاشم ڈیل ڈول والا اور فرزانہ بالکل دلبی پکی، وہ اس کی نسبت بہت بیڑی نے گھوم جاتی تھی۔ اس طرح وہ اس کی کمر کے پیچے ہی نظر آئی۔

یہ ایک دلچسپ صورت حال تھی۔ اب اس کے ساتھی مسکرا رہے تھے۔ مہاں تک کہ کمال فریدی تک پکارا تھا:

”بہت خوب! مزہ آگیا! ایسا مقابلہ تو بھی دیکھا نہ شاید۔“

”اوہ میر سے نہ دیکھا۔ یہ ایک بجورہ مقابلہ ہے۔“ عمران بھی بولے بغیر شدہ سکا۔

اب مذاکا کی کوشش تھی، اس سے زیادہ تیز گھوم کر اسے پکڑے۔ ادھر فرزانہ بہت پھرتی دکھاری ہی تھی۔ جب اس طرح مذاکا فرزانہ کو کوئی لفڑان نہ پہنچاسکا تو وہ جھلا اٹھا۔ اسے ششی نے آکیا۔ اچاکہ وہ زمین پر گر گیا۔ ساتھ ہی اس نے خود کو ایک ہاتھ پر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھیں گھما دیں۔

فرزانہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ لہذا دونوں ٹانگیں اس کی پنڈلی پر لگیں۔ وہ اچھل کر دور جا گری۔ اس لمحے سب کو خیال آیا۔ اب فرزانہ نہیں اٹھ سکے گی، لیکن اس وقت سب کے چہرے پر رونق آگئی۔ جب وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بہت خوب فرزانہ!“ پروفسر داؤڈ بول اٹھے۔ ادھر اسے اٹھتے دیکھ کر مذاکا کا رنگ اڑ گیا۔ شاید اسے ایک فیصلہ بھی اس کے اٹھنے کی امید نہیں تھی۔

”مسٹر مذاکا! بھی آپ نے صرف پہلے فرد سے ایک ایک ہاتھ کیا

پھر انہوں نے فرزانہ کے منہ سے چیخ لٹکھنی... اس کے ساتھ
ہی اس کے ہاتھ بالوں سے ہٹ گئے... مذاکانے اپنے جسم کو جگا دیا اور دونوں
ہاتھوں سے اسے اچھال دیا...
فرزانہ بہت اوپنچا چھلی اور انھیں شیخ گرتی نظر آئی... اس کے
منہ سے لٹکنے والی دل دوز چینے ان سب کو تھرا دیا۔

☆☆☆☆

"اور ہم بھی۔" ان پکڑ جمیلہ بولے۔
"بالکل تھیک! اب مقابلہ پھر شروع ہوتا ہے۔" مذاکا فرزانہ کی
طرف ہڑتے ہوئے بولے۔

"میں تیار ہوں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

یہ کہتے ہی فرزانہ مذاکا کی طرف دوڑ پڑی... اس کی رفتار بہت
تیز تھی... مذاکانے اپنی جگہ سے حرکت تک شد کی... وہ جاتا تھا... فرزانہ اس
کے جسم سے عکرا کر بری طرح چوتھا کھائے گی اور یہ چوتھا اسے کہیں کام
چھوڑے گا... لیکن وہ یہ بات بھول گیا کہ فرزانہ کو بھی تو یہ بات معلوم ہے...
پھر وہ کیوں اسکی بے وقوفی کر رہی ہے... اسے نیو ہوپنے کا وقت نہ مل سکا...
کیونکہ اتنی دیر میں فرزانہ اس کے نزویک پیچ چکی تھی... لیکن جو نہیں وہ اس کے
نزویک پیچی، دوڑتے دوڑتے اس نے کتنی کترائی اور اس کی کمر پر پہنچنے ہی اچھل
کر اس کے بال پکڑ لیے... اور ان سے جھوول گئی... مذاکانے ایک جھٹکا مارا...
لیکن اس جھٹکے سے خود اس کے منہ سے چیخ لٹکل گئی... کیونکہ فرزانہ کے جسم کو لگنے
والے جھٹکے سے خود اس کے بالوں کو جھٹکا لگا تھا...

"ایک جھٹکا اور مسٹر مذاکا۔" فرزانہ نہیں۔

"ثن نہیں۔" مذاکا چلا یا۔

"خوب! بہت خوب!" کرش فریدی، عمران، ان کے دونوں ساخنی
اور خود تینوں پارٹیاں ایک ساتھ پکارا ٹھیں۔

اب فرزانہ کا پورا وزن اس کے بالوں سے لٹک رہا تھا... اور
وہ شدید تکلیف میں نظر آرہا تھا... پھر وہ اپنے ہاتھ کر کی طرف لے آیا اور اس
نے فرزانہ کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور لگا گرفت کوخت کرنے...
Scanned and Uploaded By Nadeem

کوئی کرے گا۔“

”نہیں! میں ہی کروں گا... میں ان سب کو جھٹی کا دودھ یا دولا کے

رہوں گا...“ مٹا کا چلا یا۔

”آپ کی مرثی۔“ اسی سانحی نے کہا۔

ادھر کرٹل فریدی بولے۔

”اس سے مقابلے کا موقع مجھے دیا جائے۔“

”نہیں! اب تو میں ہی جاؤں گا... ہاں میری ٹکست کی صورت میں

آپ کا جائزت ہے۔“

کرتل فریدی مسکرا دیے... وہ ان کی کیفیت کو سمجھ رہے تھے...
خود ان پر کئی ہارا میں کیفیت طاری ہو چکی تھی...“

وہ تیر کی طرح مٹا کا کی طرف گئے... بالکل نزدیک چھپتے ہی
انھوں نے خود کو زبردست بریک لگانے اور پھر اچھل کر سر کی نکار اس کے ناک پر
دے ماری... اس نے خود کو بچانے اور جھکائی دینے کی بھروسہ کو شک کی... لیکن
انپکڑ جمیش نے بھی پہلے ہی خوب اندازہ لگا کر یہ وار کیا تھا... لہذا اس کی
ناک سے پوری قوت سے گمراہیا... اس کے منہ سے بھی انک آواز نکلی... وہ دھم
سے گرا اور ترنے لگا...“

”یہ ہے اس چوت کا انتقام... جو فرزانہ کو پہنچی... اور یہ ٹھوکر ہے اس
کا بدله جو تم نے پروفسر عبد القادر کو تکلیف پہنچائی اور یہ ٹھوکر ہے...“

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اس وقت تک وہ اس کی
پسیلوں میں تین ٹھوکریں رسید کر چکے تھے... اچانک اس کا ایک آدمی دوڑ کر آیا
اور ان سے گمراگیا... وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح بے خبری میں

ترکیب نمبر 13

”فرزانہ!“ ان سب کے منہ سے مارے خوف کے لکا۔ پھر اس سے
پہلے کروہ اس کی طرف دوڑ پڑتے، فرزانہ نے چلا کر کہا۔

”خبردار! میری طرف آنے کی ضرورت نہیں... یہ میدان جگ
ہے، پہلے دشمن سے عہد لیں۔“

ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔
”مٹا کا کے مقابلے میں اب مجھے جانے دیں انہیں۔“ آصف نے
پر جوش انداز میں کہا۔

”نہیں! اب صرف اور صرف میں جاؤں گا۔“ انپکڑ جمیش سرسری
آواز میں بولے۔

ان کے لہجے نے انھیں چونکا دیا... یہ کیفیت ان پر بہت کم
طاری ہوتی تھی... اور جب طاری ہو جاتی تھی تو پھر وہ کسی کی نہیں سنتے تھے...“

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے آگے کی طرف قدم بڑھا
دیے۔ مٹا کا ایک فتح کی طرح میدان میں جما کر را تھا... پیچھے سے اس کے
ایک ساتھی نے کہا۔

”آپ واپس آجائیں... آنے والے دشمن کا مقابلہ ہم میں سے

وہ حملہ کر دے گا۔“

”یہ... یہنا انصافی ہے... پہلے مقابلے کے لیے لاکارنا چاہیے تھا... ابھی تو میں مذاکا سے ہی فارغ نہیں ہوا۔“ اسپکٹر جمیش نے جھلا کر کہا... لیکن اس کے ساتھی نے کوئی بات نہ سئی اور ان کے جزوے ایک اور مذکار سید کر دیا۔“ وہ بڑی طرح لڑکھڑا گئے... عین اس لمحے اسپکٹر کامران مرزا تیر کی طرح آئے اور اس نے حملہ آور سے گلگرا گئے... وہ ان کی طرف سے بے خبر تھا... لہذا اچھل کر گرا:

”آپ مذاکا کی خبر لیں... ابھی اس میں دم خم باقی ہیں... میں اسے دیکھتا ہوں۔“ انہوں نے بلند آواز میں کہا اور نئے حملہ آور کو ٹھوکروں پر رکھ لیا اور اسپکٹر جمیش نے مذاکا کے ناک پر ایک دار اور کیا... اس کا چڑھہ بڑی طرح لہولہاں ہو گیا... وہ دھماڑا...“

”دیکھ کیا رہے ہو... سب مل کر ٹوٹ پڑا... اور ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑو۔“

ان القاظ کے ساتھوں مذاکا کے ساتھی تو حرکت میں آئے ہی تھے... یہ لوگ بھی امیدان میں کوڈ پڑے... کرقل فریدی اور عمران بھلی کی طرح دشمنوں کے سروں پر چھپنے لگئے... اب وہاں ایک ہولناک جگ شروع ہو گئی... منور علی خان اور خان رحمان کے ساتھ صدر اور جمید بھی بہادری کے جو ہر دکھانے لگے... ان سب پر ایک جوش سوار ہو چکا تھا... ایسے میں پروفیسر داؤد نے اپنی ایک جیب سے ایک رومال نکالا... انہوں نے دیکھا... ایک طاقت ور دشمن محمود، فاروق اور فرزانہ کو ٹھیک کا ناج نجہار ہا تھا... انہوں نے آگے بڑھ کر اچانک وہ رومال اس کی ناک سے لگا دیا... وہ فوز آئیورا کر گرا...“

”یہ... یہ کیا ہوا اسے... یہ تو ہم پر بھاری پڑ رہا تھا۔“

”یہ لورومال... جادو کار رومال... اگر یہ جادو گری دکھا سکتے ہیں تو ہم کیوں حلال جادو گری نہیں دکھا سکتے... موقع ملنے پر رومال دشمن کے ناک پر رکھتے جاؤ... اور اللہ کی شان دیکھتے جاؤ۔“ انہوں نے دلبی آواز میں کہا اور رومال محمود کے ہاتھ میں تھا دیا۔

”آؤ دوستو! اب ہم ان سے ذرا سچے انداز میں لڑائی لویں گے۔“

سب لوگ سامنے سے مقابلہ کرتے رہیں... میں پچھے سے آکر رومال ناک سے دیکھتا ہوں۔“ انہوں نے بلند آواز میں کہا اور نئے حملہ آور کو ٹھوکروں پر رکھ لیا اور اسپکٹر جمیش نے مذاکا کے ناک پر ایک دار اور کیا... اس کا چڑھہ بڑی طرح

ان سب نے ہاں میں سر ہلا دیے... اب چھوٹی پارٹی اس انداز میں لڑنے لگی... دشمن جلدی جلدی ہے ہوش ہونے لگا... جلد ہی صیدان صاف تھا... اس وقت انہوں نے ایک خوفناک تھقہہ سنا... تھقہہ ششی کی تباہ شدہ عمارت کی طرف سے آرہا تھا... انہوں نے چوک کر دیکھا... ایک بجیب و غریب خوفناک ترین شکل صورت والا آدمی حلق پھاڑ کر تھقہہ لکھ رہا تھا... چاک ک اس کے تھقہہ رک گئے، اس نے جیخ کر کہا:

”میں ہوں ماٹر پال... مجھے نکست پر یہ بغیر تم یہاں کامیاب نہیں ہو سکتے... اور مجھے نکست دینا تم لوگوں کے بس کی بات نہیں۔“

”دل... لیکن یہ کیون انکل ماٹر پال۔“ آفتاب نے ذرے ذرے انداز میں کہا۔

”اس لیے کہ... تم نے کیا کہا... کیا نام لیا میرا...“

”اچھی طرح یاد نہیں، کچھ نہ کچھ تو آپ کا نام ضرور لیا تھا۔“ آفتاب

نے فوراً کہا۔

”خیر... ہمارا کیا جاتا ہے... شروع کرتے ہیں۔“

اور پھر انہوں نے اسے اپنی کوں اور لالائوں پر رکھ لیا۔ اس کے پورے جسم پر تابوت توڑ کے اور لائیں برسنے لگے۔ اس کے مذنے سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کے کوں اور لائوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہو رہا ہے۔ ایسے میں انہوں نے دیکھا۔ عمران کچھ دوڑ میں پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہے کارروائی دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا عمران حماجیب... آپہ اس کارروائی میں حصہ نہیں لے رہے۔“

”جب اتنے بہت سے لوگوں کے کوں اور لائوں کا ان حضرت پر مجھے طارو...“
کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو میرے ٹکے ہی کیا بگاڑ لیں گے۔ لہذا میں اپنے کے محفوظ رکھتا ہوں۔“

”کیا کہا... میں محفوظ رکھتا ہوں...“ خان رحمان نے حیران ہو کر

کہا۔

”ہاں اور کیا۔“

”اچھا بھائی رکھ لیں آپ اپنے کے اور لائیں محفوظ۔“ منور علی خان نے برا سامنہ بنا یا۔

اور پھر وہ سب اپنا زور لگانکر تھک گئے۔ یہاں تک کہ سب بے دم ہو کر ادھر ادھر گر گئے۔ یا بیٹھ گئے اور لگے ہائپنے۔

”اب! اب کیا ہو گا۔“ محمود نے کھونے کھونے اندراز میں کہا۔

”ہو گا کیا... اب سب کا آئیٹ بنتے گا۔“ عمران بنا۔

”اور آپ نہیں رہے ہیں۔“

”ہمرا نام باہر پال ہے... سناء“ وہ غرایا۔

”قی بالکل سن لیا۔“

”اب سنو... تم مجھے تھکت نہیں دے سکتے... اپنا پر رومال بھی آزا لو اور اپنا چاٹو بھی... اپنے کے بھی آزمالو... اور اپنی لائیں بھی... جب تم سب تھک چاؤ گے... جب میں شروع ہو گا... اور وہی تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔“

”آخراں میں آپ میں کیا بات ہے۔“

”میں ہے... تمہیں اندازہ ہو ہی جائے گا... آؤ... سب لوگ مجھے طارو...“

”تمہیں نہیں... مذاق نہ کریں... آپ کو چوت لگ جائے گی۔“
فاروق نے ٹھہرا کر کہا۔

”حد ہو گئی... کہ رہے ہیں... آپ کو چوت لگ جائے گی... اور ہمیں کیا چاہیے...“ آصف بھنا کر بولا۔

”اوہ اچھا! اب تو ٹھیک ہے... چوت لگتی ہے تو لگتی رہے۔“
اور پھر وہ ان کے درمیان آگیا۔

”شروع کرو۔“
”کیا واقعی... یعنی آپ ہاتھ پر نہیں ہلاکیں گے۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”کیوں نہیں ہلاکیں گا... لیکن جب تم تھک کر چور ہو جاؤ گے...“
”مزہ تو اسی وقت آئے گا۔“

”میرے رونے سے بھی تو منکلہ نہیں ہوگا۔“

”حد ہوگی...“ آصف بھنا کر بولا۔

”ابھی کیا ہے... حد تواب ہوگی... وہ دیکھیں... مہش... پتا نہیں
ان کا کیا نام ہے... اٹھوڑے ہیں... انگڑائی لے رہے ہیں... گواہیم سب کی
حرمت کرنے کے لیے پرتوں رہے ہیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں... بالکل... میرا نام بھول گئے... میں میں
ہوں... ماٹھر پال۔“

”اس سے بہتر تھا... آپ کا نام ماٹھر پال ہوتا۔“ فاروق نے شہ
بنایا۔

”تم نہیں... میرا کام دیکھو... تھک تو تم پہلے ہی چکے ہو... اب
میری بارگی ہے... اور میں تازہ دم ہوں... یوں بھی تمہارے ہاتھ پر میرا کچھ
نہیں بگاڑ سکتے۔“

”اللہ مالک ہے... موت تو تمہاری ہمارے ہی ہاتھوں لکھی ہے...
ان شاء اللہ۔“

”الٹ کر گئے... مل سکتے نہیں اور مجھے موت کے گھاٹ اتاریں
گے... واد۔“

”ہم میں سے ایک ایسا ہے... جوں جل سکتا ہے... اور وہ ہیں مسٹر
علی عمران۔“ شوکی ہنسا۔

”نہ نہیں... میں اور ان سے مقابلہ کر دیں گا... بھائی شوکی...
گھاس تو نہیں کھا گئے کیا؟“ عمران گڑ بڑا گیا۔

”یہاں آپ کو گھاس نظر آ رہی ہے کہیں۔“ شوکی نے برماں کر کھا۔

اس وقت اسپکٹر جمیش نے کہا۔

”باتی لوگ اس لڑائی سے الگ رہیں... اور میں یہ پھر اچھا لئے گا جوں ماشر پال کی طرف...“

”خودر... خودر... بیوں نہیں۔“

اسپکٹر جمیش نے اسی بات کا خیال رکھتے ہوئے پھر پھینکا کہ ان کا کوئی ساتھی اس کی زندگی میں آجائے... پھر اگر چہ کافی وزنی تھی... پھر بھی وہ تیزی سے ماشر پال کی طرف گیا... اس نے اپنی جگہ سے حکمت کرنے کی کاشٹ نہیں کی تھی... جو نبی پھر اس کے سر کے نزدیک آیا، اسی نے دو تو ہاتھوں سے اسے اپنے پیٹ پیچے کی طرف دھکیل دیا... پھر اس کی کمر سے کھو د درجا گرا۔

”اسپکٹر جمیش اسہار ایہ وارثا لی گیا۔“

”کوئی بات نہیں... ویسے کیا تھیں اس پر حیرت نہیں کہ ہم تو تمکے پورا نہ گئے اور پے دم ہو کر گئے تھے... اب پھر کتنے کے لیے کس طرح تیار ہو گئے۔“

”پہلے حیرت ہوئی تھی... اب دور ہو گئی... تم لوگوں نے نہایت انداز میں مجھ پر دار کیے تھے... تم تھکے نہیں تھے... بس ظاہر کیا تھا کہ تمک کرگے کچھ ہے۔“

”چلو اچھا ہے! اتنی بات تو سمجھے میں آتی گئی۔“ اسپکٹر کامران مرزا

”میں تمہیں صحیح نام لینا سکھاؤں گا... فکر نہ کرو۔“

”شکریہ اٹھ لا!“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”ہے کوئی نہ کس... یہ خوش ہونے کی بات ہے۔“ آفتاب بھنا اٹھا۔

”اچھا بھائی غلطی ہو گئی؟“

ادھر کتل فریدی ایک بار پھر اس پر حملہ آور ہوئے... ساتھی

”کوئی پروانیں...“

یہ کہتے ہوئے اسپکٹر کامران مرزا نے اس کی کمر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ فوراً اس کی طرف ہٹرے... اب اسپکٹر جمیش اس کی طرف دوڑ پڑے، وہ ان کی طرف ہٹرے تو اسپکٹر کامران مرزا اس کی کمر سے پوری قوت سے نکلا۔ وہ ایک بار پھر گرا۔

اس وقت تک کتل فرید پھر اٹھا چکے تھے... انہوں نے آؤں دیکھا نہ تاکہ... پھر اس کے سر پر دے مارا... لیکن یہ بھی کم پھر تھا نہیں تھا... فوراً کروٹ لے گیا... اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا... جو نبی وہ کھڑا ہوا... عمران نے اس کی ایک ناٹک پکڑ لی اور ساتھی اسپکٹر کامران مرزا نے دوسری ناٹک پکڑ لیا... بس پھر کیا تھا... وہ وہڑام سے گرا...“

”بلیں... اس کی ناٹکیں نہ چھوڑیں...“ اسپکٹر جمیش بُٹے... اور پھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا... وہ پھر چالوں بدلتی گیا... پھر اس کے پاسی تکل گیا... اس کے ساتھی اس نے ایک ناٹک کو جھٹکا کر مازا... عمران اپیل کر دو رجاء کر... دوسری ناٹک کو جھٹکا دیا تو اسپکٹر کامران مرزا اچھل کر گرتے نظر آئے... وہ اب پھر دن کھڑا تھا... تیہ دیکھ کر چاروں سکرائے...“

”ہوم یہی ایک ہی مسئلہ ماشر چال۔“ فاروق کی آواز ابھری۔

”چلو اچھا ہے! اتنی بات تو سمجھے میں آتی گئی۔“ اسپکٹر کامران مرزا

”لیکن اس سے کیا ہوتا ہے... میرے جسم پر تمہارے مکون اور لاٹوں کا اثر نہیں ہو گا... تم کوشش کرتے رہو، اب میں بھی ساتھی میں وار کروں گا... جو موقع میں نے تمہیں دینا تھا، دے چکا۔“

انہوں نے عمران کو اشارہ کیا... وہ بھی دوسری طرف سے اس پر حملہ آور ہوا...
دونوں کے کافیوں پر لگے... یہ اشارہ کرٹل فریدی نے ہی دیا تھا کہ
کافیوں پر دار کرتا ہے... اچانک اس کے منہ سے چیخ نکل گئی...
انھیں بہت حیرت ہوئی۔

”وہ مارا... چاپی ہاتھ لگ گئی۔“ شوکی چلا اٹھا۔

اب ان کی کوشش تھی کہ اس کے کافیوں پر دار کرتے رہیں، لیکن
اب وہ اپنے کافیوں کی حفاظت کر رہا تھا... جوئی کافیوں کی طرف کسی کام کا آیا،
وہ دونوں بازوؤں سے کافیوں بچا جاتا... پھر اس پر غصہ طاری ہو گیا... وہ نیزی
سے ایڑی پر گھوما اور ایک لات گھادی... وہ چاروں گرتے چلے گئے... وہ کافی
دور جا کر گئے تھے... وہ اب بھی ان سب پر بخاری تھا... ایسے میں فرزانہ کی
آواز اچھری:

”ترکیب نمبر 13۔“

”بھلا بھاں ترکیب نمبر 13 کیا کرے گی۔“ فاروق نے مشہد بنا یا۔

”تجربہ ہی سہی۔“ فرزانہ مسکرائی۔

وہ چاروں طرف آکھڑے ہوئے... گویا سب کے سب ایک
بار پھر ماٹرپال کے خلاف کر بستہ ہو چکے تھے۔

”ویسے مجھے بھی قدر سے حیرت ہے۔“ ماٹرپال کے منہ سے نکلا۔

”کس بات پر؟“

”تم لوگ ہو کیا چیز مار کھا کر پھر اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔“

”جی... کیا کریں... مجبور ہیں۔“ آفتاب نے مسمی صورت
بنائی۔

”ویسے مسٹر ماٹرپال... اس سے پہلے کہ ہم سب آپ کے ہاتھوں،
دوسری دنیا کو سدھا رہ جائیں... ہماری ملاقات ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب سے کہا
دیں۔“

”کیا یہ تم لوگوں کی آخری خواہش ہے۔“ ماٹرپال ہنسا۔

”آپ اسے ہیلی اور آخری بھی کہہ سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے! تم لوگ ڈاکٹر عبدالقدوس کو اوپر بیٹھج دو۔“ اس نے
شیخ کی عمارت کی طرف منہ کر کے کہا۔

جلد ہی ڈاکٹر عبدالقدوس کا سر عمارت سے اکھڑتا نظر آیا۔ پھر وہ
آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب آگئے۔

”آپ لوگوں کو بھاں دیکھ کر بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ
واقعی سچے محبت وطن ہیں۔“

”شکریہ اپن کوڈ بریف کیس کہاں ہے، اس کا کیا بنا۔“

”یہ لوگ مجھ سے اسے نہیں کھلواسکے... معاملہ ابھی ہمارے ہاتھ میں
ہے اور میں مرتو جاؤں گا... انھیں کچھ نہیں بتاؤں گا... لہذا اس بارے میں فکر
مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”اللہ کا شکر ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اوہو... یہ... یہ کیا...“

مارے خوف کے محمود کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے ماٹر
پال کی کمرکی طرف اشارہ بھی کیا تھا... یہ جملہ پچھا اس بے ساخت انداز میں کہا گیا
تھا کہ ماٹرپال بھی مڑے بغیر نہ رہا... اور یہی وہ لمحہ تھا جب محمود حرکت میں آیا۔
ان سب نے ماٹرپال کی دل دوز چیخ سنی۔

ایک ناگ کپڑا لی... اس نے دوسری ناگ گھما دی... اسپکٹر کامران مرزا بھی اچھل کر دور جا گئے... یہ دیکھ کر اسپکٹر جمشید نے اس کے سر پر ایک ٹھوک رسید کی... لیکن وہ پوری طرح گھوم گیا... ان کا وار خالی گیا... ساتھ میں اس نے اپنی ایک لات گھما لی... وہ اس کی لپیٹ میں آ گئے اور دور جا گئے...

ان حالات میں منور علی خان اور خان رحمان آگئے ہوئے... انہوں نے دائیں اور بائیں دو طرف سے اس کی طرف دوڑ لگائی اور پیروں کی ٹھوکریں اس کی پسلیوں پر رسید کیں... یہ حملہ چونکہ دو طرف سے تھا... اس لیے وہ نجٹ نہ سکا... ٹھوکریں وصول کرنا پڑ گئیں... تاہم اس نے خود کو ایک ہاتھ پر ٹکائے ہوئے ایک چکر پھیری کافی اور ان دونوں کو اس کی لپیٹ میں لے لیا... ان دونوں کے گرتے ہی گویا مہدیان بڑوں سے صاف تھا...

”اب! اب تم کیا کرو گے بچوں؟“ وہ ہنسا... اس کی بُنی بے حد خوفناک تھی...

”وہی کریں گے... جو ہمارے بڑوں نے کیا ہے... اور ترکیب نمبر 13 کے مطابق کریں گے۔“

”چلو کرو پھر جو کرنا ہے کرو... مجھے اپنے زخم پر پٹی بھی کرانی ہے... خون زیادہ نہ بہہ جائے۔“

”تب پھر پہلے پٹی کرائیں۔“ آفتاب نے مشورہ دیا۔

”تم لوگوں کی موت کے بعد کراوں گا... آؤ... ہو جائیں دو دو ہاتھ۔“

ان سب نے بڑوں کی طرف دیکھا... وہ مسکرائے... جیسے کہ رہے ہوں:

ہولناک لمحات

انہوں نے دیکھا، محمود کا چاقو اس کی گدی میں پیوست تھا اور اس جگہ سے خون بہت تیزی سے بہر رہا تھا۔

”یہ... یہم نے کیا کیا۔“ وہ خوفناک لمحہ میں دھاڑا۔

”جو مجھے کرنا چاہیے تھا... میں نے بس وہی کیا۔“ محمود بولا۔

”میں تمہیں کچا چجا جاؤں گا۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اندر ھادھند انداز میں محمود کی طرف دوڑ پڑا... لیکن اوں نے منہ گرا... عمران نے اچانک اپنی ناگ آگے کر دی تھی...

”خالیا سے سر کاری ناگ کہتے ہیں۔“ فاروق مسکرا یا۔

ادھروہ اوں نے منہ گرا... ادھر کرٹل فریدی نے اس کی کمر پر چھلا گا دی... پھر وہ کمر پر سے اوپر اچھلے اور اس پر آ کر گئے... وہ کسی مھینے کی طرح ڈکرایا... انہوں نے پھر چھلا گا لگائی... لیکن اس مرتبہ وہ کروٹ لینے میں کامیاب ہو گیا... اس طرح کرٹل فریدی زمین آ رہے... ادھر اس نے بازو گھما دیا، بازو ان کی پنڈلی پر لگا، وہ اچھل کر دور جا گئے...

وہ اب تک زبردست طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا... اگرچہ اس کی گردن سے خون بھی امل رہا تھا... اس وقت اسپکٹر کامران مرزا نے اس کی

ہاتھ بڑھاتا ہوں۔“

”یہ جان کر خوشی ہوئی... لوائیں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں... آؤ،“ ماظر پال نے کہا۔

عمران آگے بڑھ گیا... اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا... ادھر اس کا ہاتھ آگے بڑھا... عمران نے اس کا ہاتھ پکڑا، ایک زور دار چھٹکا دیا... ماظر پال پری طرح لڑکھڑا گیا، عمران اچھلا اور پیر کی ٹھوکرا اس کی پٹلی پر سید کر دی... وہ کٹھے درخت کی طرح گرا...

”کیوں اکیسی رہی یہ دوستی...“ عمران کی آواز ابھری۔

”بہت خوب عمران۔“ کرفل فریدی نے اس کی تعریف کی۔

”جی وہ بس... کم از کم آپ تو شرمندہ نہ کریں۔“

”آپ کا مطلب ہے... باقی آپ کو شرمندہ کر سکتے ہیں۔“ آصف کی آواز ابھری۔

”وہ... وہ... تمغ تمغ...“ عمران کے حلقت سے پھنسی پھنسی آواز

”کوئی بات نہیں، ایسا بھی ہوتا چاہیے۔“

اب انھیں اس چنان سے ٹکرانا تھا... وہ اس کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے... ایسے میں انہوں نے دیکھا... پروفیسر داؤڈ اور پروفیسر عبد القادر دبی آواز میں ایک دوسرے سے باتمیں کر رہے تھے... پھر انہوں نے دونوں کوششی کی عمارت کی طرف جاتے دیکھا... ان سے جنگ کی وجہ سے وہ ان دونوں کی طرف توجہ نہ دے سکا...

اب اس نے انھیں اپنے چاروں طرف کھڑے دیکھا تو ہنسا اور پھر ایک سمت میں چھلانگ لگائی... جو اس کی پیٹ میں آتا گیا... دونوں ہاتھوں سے ان پر کے بر ساتا آگے نکل گیا...

پھر واپس ہوا... اور ایک بار پھر انہما... اس مرتبہ بھی اس نے ان میں سے تین کو گرا دیا... آج ان کی ترکیب نمبر 13 مکمل طور پر فیل ہو گئی تھی... دو مرتبہ وہ اور حرکت میں آیا اور وہ سب کے سب لئے لیٹئے نظر آئے... بڑے پہلے ہی ادھر ادھر گرے پڑے تھے... اور چھوٹے بھی بیکار ہو گئے...

”اب... اب کون رہ گیا میرے مقابلے میں۔“ وہ دھاڑا۔

”گک... کوئی نہیں بڑے بھائی... میں نے تو ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا...“ عمران کی منمناتی آواز سنائی دی۔

”پہلے ہی کہہ دیا تھا... کیا کہہ دیا تھا۔“ وہ چلا گیا۔

”یہ کہ ان صاحب سے لڑنا غصوں ہے، لوہے کے چھٹے چپانا ہے... کیوں بلاوجہ اپنے ہاتھ پیر تڑاتے ہو، لیکن یہ صاحبان نہیں مانے... خیر جانے دیں... اب ان کی باتوں پر کیا جانا... آپ تو بہت بڑے ہیں، بہت دل گردے والے ہیں، کوئی خیال نہ کریں، میں بہر حال آپ کی طرف دوستی کا

یہ خبر بہت زبردست تھی... اس کا بازو خود عمران کی گردن سے ہٹ گیا... اور دونوں ہاتھ سر کی طرف اٹھ گئے...

”شش... شکریہ“ عمران کے منہ سے لکلا... اور یہ دو رہت کر اپنی گردن ملنے لگا... اسی وقت اسپکٹر جمیش نے ایک ہاتھ اور رسید کیا... مائن پال کے منہ سے چیخ نکل گئی... تاہم چیخ چیخ بھی اس نے لات گھادی... اسپکٹر جمیش ایک بار پھر درجا گرے... یہ دیکھ کر اسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے... انہوں نے ایک مکا اس کی ناک پر مارا... یہ سب ان کے لیے اس وجہ سے نکن ہو رہا تھا کہ اس کی گدی زخمی ہو چکی تھی اور اس سے مسلسل خون بہردا رہا تھا... ورنہ اس قدر آسانی سے وہ اس پر حملہ نہیں کر سکتے تھے... ناک پر مکا لگتے ہی وہ بہت زور سے اچھلا... ڈکرایا بھی... اور اچھل کر کامران مرزا پر گرا... وہ اس کے نیچے دب گئے... اس وقت کرفل فریدی حرکت میں آئے... انہوں نے دائیں ہاتھ کی کھنی اس کی ریڑھ کے مقام پر ماری... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... ساتھ ہی اس نے ہاتھ گھادا دیا... اور کرفل کی گردن اس کے ہاتھ میں آگئی... اب ایک طرف تو کرفل اس کی گرفت میں تھے... دوسری طرف اسپکٹر کامران مرزا اس کے نیچے دبے ہوئے اور نیچے سے نکلنے کے لیے زور لگا رہے تھے... اس وقت محمود اور آصف دو طرف سے آئے اور اپنے سروں کی ٹکریں اس کے دونوں کاٹوں پر دے ماریں...

یہ دار مائن پال کے لیے خوفناک تھا... اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے... نتیجہ یہ کہ کرفل کی گردن چھوٹ گئی اور اسپکٹر کامران مرزا بھی نیچے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے...

اچانک انہوں نے مائن پال کی چینیں سنیں... انہیں بہت خیرت

ہوئی... انہوں نے دیکھا... اخلاق اس کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو مٹڑے کھڑا رکھا اور اسی سے پورا زور اس انگلی پر ہی صرف کر رکھا تھا...

مارے تکلیف کے مائن پال کے منہ سے بلبلانے جیسی آوازیں لکھنے لگیں... دوسری طرح بے دم اور بے بس ہو گیا... وہ دھرا ہوا جا رہا تھا... یہ دیکھ کر کھن آگے بڑھا اور اخلاق کے انداز میں اس کی دوسری چھوٹی انگلی پر لی... اب وہ اور زیادہ مشکل میں نظر آیا:

”بس ٹھیک ہے... پکڑے رہنا... اسے...“ منور علی خان نے کہا اور آگے بڑھ کر آنکھ تھے کے ساتھ رہ جانے والی رسی اس کی گردن کے گرد کس دوپی اور زور لگاتے چلے گئے...

اس کا گلا پھونٹنے لگا... چڑھ سرخ ہونے لگا... آنکھیں باہر کو لکھنے لگیں۔ اس وقت اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا:

”مم... مجھے نہ مارو... میں تو تم لوگوں کے بہت کام آسکتا ہوں۔“

”کیا خاک کام آسکتے ہو... تم تو سانپ ہو سانپ...“ منور علی خان غرائے۔

”تم را کذوم کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکو گے... اور یہ صرف میں جانتا ہوں... را کذوم کہاں ہے۔“

”اچھا تو بتاؤ... کہاں ہے۔“

”تم مجھے چھوڑو... اور بدلتے میں را کذوم میں یہاں سے چل جاؤ... ڈاکٹر عبدال قادر کو بھی لے جاؤ، اس قائل کو بھی لے جاؤ...“

”تو ہم تمہیں بھی ساتھ کیوں نہ لے جائیں۔“

”وہ نہیں... میں یہاں سے بیگال جاؤں گا... اور کہیں نہیں۔“

ہی انہیں اس طرف متوجہ کیا تھا... کنویں میں لوہے کی سیرھی نیچے جا رہی تھی... خان رحمان اس میں اتر گئے اور راکڑوں کو اوپر لے آئے... اسے چلانے کا تجربہ انہیں تھا ہی... اب انہوں نے پروفیسر داؤڈ سے پوچھا:

”شیشے کی عمارت کے نیچے کا کچھ ہے اور کتنے آدمی ہیں۔“

”اب وہاں چند افراد موجود ہیں اور وہ میری طرح مختلف ملکوں کے ماہرین ہی ہیں، انہیں بھی اغوا کر کے لا یا گیا ہے... لہذا ہم انہیں ساتھ لے چلیں، مگر۔“

”ٹھیک ہے... اور وہاں کیا ہے۔“

”ساتھی آلات کا ایک بہت بڑا جال بچایا گیا ہے...“

”بیس ٹھیک ہے... کیا آپ اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔“

”بالکل...“ پروفیسر داؤڈ بولے۔

”بیس تو پھر... انہیں بھی اوپر لے آتے ہیں... لیکن پہلے ہم بھی اس جمال کو ایک نظر دیکھ لیں... جہاں تھے یہ لوگ پوری دنیا میں اپنی مرضی کے لوگوں کے داغوں کو قابو میں کرستے رہے ہیں...“

وہ نیچے اتر گئے... یہ جمال کئی میل میں پھیلا ہوا تھا... وہ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے رہے... آخر تھک گئے اور اوپر آگئے... پھر سب راکڑوں میں سوار ہو گئے... خان رحمان نے اس کی پاکٹ سیٹ سنبھال لی... اب راکڑوں اوپر اٹھا... کافی بلندی پر نیچے کے بعد پروفیسر داؤڈ نے ریموت ہٹ دبانے شروع کیے۔ انہوں نے نیچے ہولناک دھماکے سے... اور پھر شیطانوں کا وہ جمال ریزہ ریزہ ہو گیا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے، ان سب کے منہ سے لکا۔“

”منور علی خان... اپنا کام جاری رکھو۔“

”بہت بہتر جمیل... انہوں نے کہا اور رسی پر دباؤ پڑھانے لگے... اس کی حالت پھر خراب ہونے لگی... آخر منہ سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں... اس نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنا چاہا:“

”نہیں منور علی خان... اس کی ایک نہ ستو... یہ ہمارے لیے بدستور خطرہ بنا رہے گا... اس کا کام تمام ہی کر دو... اور اخلاق اور کھن... تم اس کی چھوٹی اٹکیاں اسی طرح پکڑے رہو... جب تک منور علی خان اسے چھوڑ کر نہیں پہٹ جاتے... تم بھی نہ چھوڑنا۔“

”جی بہت بہتر۔“

خرخراہٹ تیز ہونے لگی... پھر آہستہ آہستہ بند ہونا شروع ہوئی اور آخر بالکل رک گئی... اس کے ہاتھ پیٹر بالکل ذہلی پڑ گئے... انہوں نے اب بھی اسے نہ چھوڑا... پھر اس کی گردن بھی ایک طرف کوڑا جلاک گئی... لیکن وہ اب بھی اسے پکڑے رہے... آخر اسپکٹر جمیل نے اس کی بیٹھ اور دوں کی دھڑکن کو خوب اچھی طرح چیک کیا... اس میں زندگی کے کوئی آثار لٹھرنے آئے... جب انہوں نے کہا:

”بیس ٹھیک ہے... یہ دوسری دنیا میں بھی چکا ہے...“

انہوں نے اسے چھوڑ دیا:

”اب پہلے ہمیں راکڑوں میں تلاش کرنا ہے...“ کرتل بولے۔ سب اس کام میں جشت گئے... آخر تھک گئے کی کوشش کے بعد ایک گھرے کتویں میں راکڑوں نظر آیا... کنویں کے اوپر بادل سے چھائے ہوئے تھے... اس لیے راکڑوں کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا... لیکن ان بادلوں نے

کیونکہ انہیں اپنے ملک کے حالات کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا...
نبیریا کے سلطان نے ان کا پر جوش انداز میں استقبال کیا اور یہ خبر سنائی:
”آپ لوگوں کے بیہاں سے روانہ ہونے کے بعد فوج نے نئے
صدر کا تختِ الرَّث دیا تھا... اور پھر سے پرانے صدر کو صدر ات سوٹ پ دی تھی۔
انہوں نے آپ لوگوں کے بارے میں بھی سے پوچھا تھا... اور میں نے انہیں
تفصیل سنادی تھی... اب میں انہیں آپ لوگوں کی بیہاں آمد کی خبر سنادیتا
ہوں... اس طرح وہاں آپ کا خاطر خواہ استقبال ہو سکے گا۔“

”ہمیں استقبال کی کوئی ضرورت نہیں... ملک کے حالات چان کر
بہر حال خوشی ہوئی اور اب ہمیں اجازت دیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے... آپ کم از کم دو تین دن تو بھی مہماں کا موقع
دیں۔“

یہت لے دے کرنے کے بعد انہوں نے ایک دن وہاں گزارا
اور اپنے دلن کی طرف بھری جہاز میں روانہ ہوئے... راکٹوم بھی جہاز کے
ہر شے پر موجود تھا... اور یہ مال غنیمت تھا:

”میں سوچ سوچ کر تھک چکا ہوں... لیکن یہ بات اب تک بھی میں
نہیں آئی کہ اس کیس کا سہرا کس کے سر ہاندھا جائے۔“ فاروق کی آواز ابھری۔

”یہ واقعی ایک بہت پے چیزہ سوال ہے... اور اس کا جواب آسان
نہیں۔“ پروفیسر بولے۔

”اس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم ہرے کو بھول جائیں۔“ اپنکو جشید
نے مسکرا کر کہا۔

”بھول کیسے جائیں انکل... یہ تو ہماری محض کا لازمی حصہ ہے... اور

اب وہ راکٹوم کے ذریعے جنگل میں آئے... جنگیوں سے
ملاقات کی... وہ سب اپنے مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام پر عمل ہیرا ہو چکے
تھے... ان سے رخصت ہو کر وہ اپنے بھری جہاز پر آئے... بیشوک اور اس کی
ساتھی انہیں دیکھ کر کھل اٹھے۔ اور پیکارا ٹھے:

”هم تو آپ کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔“

”اللہ نے ہم را نی فرمائی۔“ وہ بولے۔

اب ان کا واپسی سفر شروع ہوا... ظاہر ہے... انہیں بھری
جہاز پر ہی واپس جانا تھا... بھری جہاز بھی تو مال غنیمت تھا... پندرہ دن کے سفر
کے بعد انہیں سمندر میں ایک طرف دھوکا اختناظر آیا... انہوں نے جہاز کا راست
اس طرف کر دیا... انہوں نے دیکھا... وہ ایک جزیرہ تھا اور اس کے ساحل پر
دو آدمی کھڑے تھے... ان کے بال بے تباہ بڑھ گئے تھے... اور وہ بے تباہ
انداز میں ہاتھ بدار ہے تھے...

انہوں نے جہاز ساحل کے قریب روک لیا... اور ان سے
پوچھا:

”تم لوگ کون ہو... اور بیہاں کیسے پہنچے۔“

”اے ایسا آپ لوگ ہیں۔“ وہ دونوں چلا اٹھے۔

آوازن کروہ زور سے چونکے... یہ تو نبیریا کے سلطان کی
لائچی کے ساتھی تھے... وہ کسی جزیرے پر انہیں نہیں ملے تھے... اور وہ ان کی
طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔

وہ انہیں دیکھنے کر بہت خوش ہوئے... سب نے اللہ کا شکران
کیا... انہیں جہاز پر سوار کرایا گیا... اب ان کا سفر نبیریا کی طرف شروع ہوا...

ہر جنم کے آخر میں اس کا ذکر آکر رہتا ہے... سواں مرتبہ بھی آگیا۔ ”آفتاب
نے جلدی جلدی کہا۔

”تب پھر اس کا ایک حل ہے۔“ انپکڑ کامران مرزا مسکرائے۔

”چلے پھر تادیں... کیا حل ہے۔“

”سب کے لگے میں ایک ایک کامیابی کا سہرا اڈال دو۔“

”ارے باپ رسے... مانتے بہت سے سہرے ہم لا گئے کہاں
ہے۔“

”فکر نہ کرو... صدر صاحب یہ انتظام خود ہی کر لیں گے... بلکہ وہ کر
چکے ہوں گے... جو نہیں ہم ساحل کے قریب پہنچیں گے... ہمیں بہت سے
باخھوں میں سہرے نظر آئیں گے۔“

”وہ سہرے نہیں... پھولوں کے ہار ہوں گے انکل۔“ شوکی پکارا۔

”تو کیا ہوا... انجی کو سہرے خیال کر لیا۔“ انپکڑ جشید ہو لے۔

”خیال کرنے کی بھی ایک ہی کمی... ویسے تو کہا جا سکتا ہے... خیال
کرنے کو تم کیا خیال نہیں کر سکتے،“ محمود نے فوراً کہا۔

”ہے کوئی تک اس بات کی۔“ آصف نے جلا کر کہا۔

”پچ پہنچیں۔“ کھن بول اٹھا۔

”کیا پہنچیں۔“

”یہ کہاں بات کی کوئی تک ہے یا نہیں۔“

”بھائی یہ تو خیال کرو کہ ہمارے ساتھ کر قل صاحب اور عمران
صاحب بھی موجود ہیں۔“ خان رحمان نے منہ بنا�ا۔

”بلکہ صدر صاحب اور حمید صاحب بھی موجود ہیں۔“ آصف بول

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ وہ اس
کے پاس پہنچنے کی ران پر لگا۔

”اس سے یہ کہیں بہتر تھا کہ یہ میں کہہ دیتا دھت تیرے کی...“
کھن نے منہ بنا�ا۔

”کیوں... اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔“ فرزانہ نے حیران ہو کر
پوچھا۔

”میں اپنی ران پر آرام سے ہاتھ مارتا۔“

”ہم لوگ تم لوگوں کی یہ دلچسپ باتیں سن رہے ہیں... خاص طور پر
مرے دائیں گھنٹے کو نیندا آ رہی ہے۔“ عمران نے ہاتک لگائی۔

”لیجیے... ان کے گھنٹوں کو نیندا آنے لگی... پہنچاری آنکھیں کیا
کریں گی۔“

”آنکھیں سہرے کے انتظار میں جاگ رہی ہیں۔“ عمران کی آواز
ستائی دی۔

”میرا ایک مشورہ ہے۔“ ایسے میں کر قل فریدی کی آواز ستائی دی۔
ان کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی۔

”اللہ کا شکر ہے... آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی۔“

”کوئی مشورہ دے رہے تھے آپ۔“ فرحت نے پہنچنی کے عالم
میں کہا... فرزانہ کا جلد تو جیسے اس نے ستائی نہیں... فرزانہ اس پر ہر اسامنہ پتا
کر رہ گئی۔

”سہرے کا حل یہ ہے کہ ہم اسے اخلاق احمد کے سر باندھ دیں...“

کھڑے تھے... ان سب کے منہ سے نکلا:
”ارے باپ رے... یہاں تو سہروں کی بارش ہونے والی ہے۔“
فاروق نے بوکھلا کر کہا۔
ان کے پیروں پر مسکراہیں تیرنے لگیں... جہاز لمحہ بمحساص
سے نزدیک ہو رہا تھا۔



الٹلانتس سائبر نیٹ کمپنی، 16-A-36
فن: 2578273 - 2578274
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

ماٹر پال ہم سب کو شکست پر شکست دے رہا تھا... ٹکنی کا ناج نچار رہا تھا...
یہاں تک کہ محمود کا چاقو بھی اسے خاص تفصیل نہ پہنچا سکا... لیکن وہ بے بس اس
وقت ہوا جب اخلاق نے اس کی چھوٹی انگلی پکڑ لی... اور یہ تدبیر واقعی بہت
زبردست تھی...“

”نجیک ہے، میں بھی سہرے کا حق دار اخلاق کو قرار دیتا ہوں۔“
ان پکڑ جوشید مگر ائے۔

”ارے باپ رے... یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں... میں اتنے
بڑوں کی موجودگی میں سہرا بامدھتا اچھا لگوں گا... میں ایسے سہرے سے بے سہرا
اچھا۔“ اخلاق نے بوکھلا کر کہا۔

”حد ہو گی... بھائی صاحب سہرے سے ڈر رہے ہیں، ہے کوئی
تک۔“ آصف نے منہ بنا یا۔

”گک... کس بات میں۔“ پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں
بولے۔

”اس بات میں کہ اخلاق سہرے سے ڈر رہا ہے۔“
”یہی بات ہے اخلاق... ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے... سہرے سے
ڈرنے کی۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

”آپ نے نھیک کہا... اس بے چارے کی کیا عمر ہے... اس لحاظ
سے تو سہرا آپ کے سر بجے گا۔“

”کیا!!!“

پروفیسر داؤد اس انداز میں چلا گئے کہ سب ہٹنے لگے... اور
ادھر انہیں ساحل نظر آنے لگا... وہاں ہزاروں لوگ سہرے ہی سہرے لیے